مسلمانوں کے سیاسی ادارے

چھٹی صدی ہجری تک

تصنیف

ڈاکٹر سنبل انصار

زیرِ نگرانی

پروفیسر ڈاکٹر مولانا فضل احمد صاحب

پسند فرمودہ

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید صاحب

رئیس کلیہ معارفِ اسلامی جامعہ کراچی

دارالاشاعت کراچی

مدرسہ عربیہ ضیاء القرآن
کلی تورکچھ ھنہ کوئٹہ

مسلمانوں کے سیاسی ادارے

چھٹی صدی ہجری تک

تصنیف
ڈاکٹر سنبل انصار

زیرِ نگرانی
پروفیسر ڈاکٹر مولانا فضل احمد صاحب

پسند فرمودہ
پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید صاحب
رئیس کلیۂ معارفِ اسلامی جامعہ کراچی

دارالاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

جملہ حقوق ملکیت بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : صفر مطابق اپریل ۲۰۰۵ء علمی گرافکس کراچی
ضخامت : 392 صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

.....ملنے کے پتے.....

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
ادارۂ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Azhar Academy Ltd.
At Continenta (London) Ltd.
Cooks Road, London E15 2PW.

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

امریکہ میں ملنے کا پتہ

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET.
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

FACULTY OF ISLAMIC STUDIES
UNIVERSITY OF KARACHI
KAR.-75270

DEAN
PROF. DR. A. RASHID

حرف تحسین

یہ امر میرے لئے باعث مسرت ہے کہ عزیزی ڈاکٹر سُنبل انصار کا پی ایچ ڈی مقالہ طباعت کے مرحلے میں آچکا ہے۔

سُنبل نے جس محنت اور لگن سے ''چھٹی صدی ہجری کے مسلمانوں کے سیاسی اداروں'' کے بارے میں تحقیق کی ہے وہ قابل ستائش ہے۔

اس مقالہ کی طباعت کلیہ معارف اسلامیہ جامعہ کراچی کی اس تحریک کو پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کرے گی جس کے تحت کلیہ تدریسی و تحقیقی حوالہ سے ملک کی معاشرتی ترقی کے لئے تگ ودو کر رہا ہے۔

کلیہ، مقالہ کی طباعت پر ملک کے ایک اہم طباعتی ادارے **دارالاشاعت** کراچی کا ممنون ہے۔

امید ہے کہ یہ مقالہ ریسرچ اسکالرز اور عام قارئین دونوں کے ذوق کو جلا بخشے گا۔

(ڈاکٹر عبدالرشید)
پروفیسر و رئیس کلیہ

اظہارِ تشکر

میں سب سے پہلے اپنے اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ جس نے محض اپنے فضل وکرم سے مجھے یہ مقالہ تحریر کرنے کی توفیق عطا فرمائی' اور اسکے بعد میں پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید رئیس کلیہ معارفِ اسلامیہ کی تہہ دل سے مشکور ہوں جن کی انتہائی قیمتی ہدایات اور مشوروں سے میں اس مقالہ کی تکمیل کر سکی' اور اس کے ساتھ ہی میں اپنے اساتذہ کرام خصوصاً محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر فضل احمد صاحب کی ممنون ہوں' جنکی اس مقالہ نگاری کے دوران نگرانی' معاونت اور انتہائی قیمتی ہدایات میرے لئے بہت بڑا اعزاز اور سرمایہ افتخار ہے۔

اور آخر میں' میں اپنے والدین کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں کہ جنکا شکریہ ادا کرنے کیلئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کیونکہ ان کے مجھ پر اتنے احسانات ہیں کہ ان احسانات کے مقابلے میں شکریہ بہت چھوٹا لفظ ہے۔ بس اللہ تعالیٰ سے یہی دعا ہے کہ میرے تمام محسنین کو جزائے خیر عطاء فرمائے' اس مقالہ کو شرفِ قبولیت عطاء فرمائے اور میرے اور میرے متعلقین کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔

سنبل انصار

پروفیسر ڈاکٹر فضل احمد
صدر شعبہ القرآن والسنہ
کلیہ معارفِ اسلامیہ' جامعہ کراچی۔ کراچی

''تصدیق نامہ''

تصدیق کی جاتی ہے کہ سنبل انصار بنت انصار احمد خان نے یہ مقالہ میری نگرانی میں بعنوان ''مسلمانوں کے سیاسی ادارے چھٹی صدی ہجری تک'' مکمل کرلیا ہے۔ ان کا یہ کام تحقیقی نوعیت کا ہے۔ لہذا میں Ph.D. کی سند کے حصول کی غرض سے مقالہ جمع کرانے کی اجازت دیتا ہوں۔

مشرف مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر فضل احمد
صدر شعبہ القرآن والسنہ' کلیہ معارف اسلامیہ
جامعہ کراچی۔ کراچی

مکتبہ عربیہ ضیاء القرآن
کلی نور کچھ ہنہ کوئٹہ

فہرست مضامین

اظہارِ تشکر ..... صفحہ نمبر
مقدمہ 17-20
موضوع کی اہمیت وغرض غایت 20-22
ترتیب تحقیق 22
باب اول: فصل اول، اسلام کا سیاسی نظام 23
لفظ سیاست کی لغوی تحقیق 23-25
سیاست کی تعریف مسلمان آئمہ کی نظر میں 25-26
سیاست آئمہ فقہ کی نظر میں 26-32
علمی سیاست 32-34
سیاست عقلیہ اور سیاستِ شرعیہ 34-36
سیاست شرعیہ دین اسلام کا ایک باب ہے 36-37
فصل دوم: مسلمانوں کے سیاسی اداروں کا اجمالی تعارف 38-40
خلافت راشدہ کا سیاسی نظام 40-43
مسجد کی حیثیت 43-44
گورنروں کے اختیارات وفرائض 44-46
عہدِ بنی امیہ کا شہری نظام 46-48
عہدِ عباسیہ کا ملکی نظام 48-50
باب دوم: ادارہ خلافت وامارت 51
خلافت کی لغوی تعریف 51-53
خلافت کی اصطلاحی تعریف 53-54
امارت کی تعریف 54-56
امامت 56
خلیفہ منتخب کرنے والوں کی شرائط 56-57
خلیفہ کا انتخاب 57-62

فصل دوم: خلیفہ اور امیر کے اوصاف 63
خلیفہ کا مسلم ہونا 63-65
مرد ہونا 65-66
عاقل، بالغ، ذی علم ہو 66-68
عدالت 68-70
حریص نہ ہو 70-71
کفایت 71-72
اعضاء وحواس کی صحت وسلامتی 72
دارالاسلام کا باشندہ ہونا 73
خلیفہ کا قریشی ہونا 73
خلیفہ کی معزولی 74-75
معصیت کا حکم دے 75-76
یادِ خدا سے غافل ہو اور خواہش نفس کی پیروی کرے 76
عدالت کی خرابی 76-77
جسمانی نقائص 77
دشمن کے ہاتھ گرفتاری 77
خلیفہ کے حقوق وفرائض 77-78
احکام اللہ اور سنت کی اقامت 78-80
امن قائم کرنا 80
کفر کا انسداد اور جہاد 80-82
معاشرے کی اصلاح 82-84
شورائیت 84
عدل قائم کرنا 84-86
امور سلطنت کی نگرانی 86
خلافت، خلفاءِ راشدین کے عہد میں 88-89
خلافت، بنوامیہ کے عہد میں 86-88
خلافت، بنوعباس کے عہد میں 88-89

خلافت کا خاتمہ 90
فصل سوم: نظامِ خلافت وامارت کا تاریخی ارتقاء عہد بہ عہد 91-93
خلافت کا استحقاق 93-94
حضرت عمرؓ کی نامزدگی 94-96
حضرت عثمان کی خلافت 96-97
شہادتِ عثمانؓ 97-98
حضرت علیؓ کی خلافت 98-100
حضرت معاویہؓ 100-101
ولی عہدی کا آغاز 101-103
یزید کی خلافت 104
حضرت حسینؓ کی شہادت 104
حضرت ابن زبیرؓ کا خروج 105
معاویہ بن یزید 105-106
انتشارِ امت 106-108
عراق 108
شام 108-114
بنوامیہ 114-115
سلیمان بن عبدالملک، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ 115-122
حصہ ب 123-137
باب سوم: ادارہ قضاء 139
فصل اول: اسلام کے نظامِ قضاء کا تحقیقی تجزیہ 139
عدل کا مفہوم 139-140
علماءِ اسلام کے نزدیک عدل کا مفہوم 140-141
عدل وانصاف کا مفہوم مغربی مفکرین کی نظر میں 141-142
قضاء کی لغوی تعریف 142-144
اسلام کے عدالتی نظام کی اہمیت 144
عدل ایک خدائی ضابطہ 145

اسلام میں عدل کی اہمیت 145
قرآن کریم کی روشنی میں قضاء کی اہمیت 145-148
فیصلہ کرنے کے بارے میں ہدایاتِ ربانی 148-149
حدیث کی روشنی میں قضاء کی اہمیت 149-150
منصبِ قضاء کی نزاکت 150
روزِ قیامت قاضی کا سخت محاسبہ 150-151
منصبِ قضاء کے حصول کی سعی اور سفارش 151-152
فصلِ دوم: اسلام کے عدالتی نظام میں قاضی کی اہمیت 153
قاضی (جج) 153
اقسامِ قاضی 153
قاضی کی تقرری 153
قاضی کے تقرر کے صحیح اور جائز ہونے کی شرائط 154
قاضی کی خصوصیات 154
قاضی کے اختیارات 154
قاضی کے فیصلہ کرنے کا اسلامی طریقہ 155
قاضی کے اوصاف 155
قاضی کی صفات حنفی نقطۂ نظر سے 155
مالکی نقطۂ نظر سے قاضی کی صفات 156
قاضی کی صفات شافعی نقطۂ نظر سے 156
قاضی کی صفات حنبلی نقطۂ نظر سے 157
سماعتِ مقدمہ اور فیصلہ 157
مدعی اور مدعیٰ علیہ کی تعریف 157-158
دعویٰ کیسے دائر کیا جائے 158
دورانِ سماعتِ مقدمہ قاضی کے لئے ہدایات 158-159
مدعیٰ علیہ سے قسم لینے کی صورتیں 159
فصلِ سوم: اسلامی نظامِ قضاء کے نفاذ کا ارتقائی جائزہ 160
عہدِ رسالت میں قضاء و نفاذِ حدود 160-162

نفاذِ حدِّ زنا 162-170
نفاذِ حدِّ قذف 170
نفاذِ حدِّ سرقہ 170-174
نفاذِ حدِّ حرابہ 174-175
نفاذِ حدِّ شربِ خمر 175-178
عہدِ رسالت کے قاضی 178
عہدِ خلافتِ راشدہ 179
عہدِ صدیقی 179-186
عہدِ فاروقی 186-187
اجراءِ حدِّ زنا بعہدِ فاروقی 187-189
اجراءِ حدِّ شربِ خمر 189-192
اجراءِ حدِّ قذف 192-194
اجراءِ حدِّ سرقہ 195-196
عہدِ عثمانی 197-198
عہدِ علوی 198-201
عہدِ بنی امیہ 201-215
عہدِ بنی عباس 215-221
اندلس بعہدِ بنی عباس 221-222
ہندوستان بعہدِ بنی عباس 222-223
باب چہارم: اسلام کا نظامِ احتساب 225
فصل اول: احتساب کی تعریف 225
حساب اور حسبان 226-227
اعمال، حساب کتاب اور محاسبہ نفس 227-228
الحسیب اور المحاسب 228-230
حسب بہ معنی بزرگی و شرافت 230-231
قرآن و حدیث کی تصریحات 231-233
رموز و نتائج 234-235

حصہ (ب) 236
الحسبہ کی تعریف 236
قرآنِ حکیم سے استشہاد 236
امام غزالیؒ کی رائے 238
ابن اثیر کا بیان 239-240
الماوردی اور الفراء کا نظریہ 240-241
الشیزری اور ابن الاخوۃ کی آراء 241
ابن بسام المحتسب کا تجزیہ 241-242
ابن تیمیہؒ کا موقف 242-243
ابن قیمؒ کی تائید 243-244
ابن خلدونؒ کی توثیق 244-246
ضیاء الدین سنامی کا قول 246-248
حاجی خلیفہ کی تصریحات 248-249
کاشفی کا مطمحِ نظر 250
تھانوی تعریف کی تقسیم 250-251
محمد المبارک کی تحقیق 251-252
توضیحات کا حقیقی مفہوم 252-254
حصہ (ج) 255
محتسب کی تعریف 255
لغوی و اصطلاحی توضیح 255-256
مختلف معانی، مجموعی تأثر 256-257
محتسب، شرعی امور کا نگہبان 257
نگران امور عامہ 258-261
تعریف، تاریخ کے آئینہ میں 261-262
محتسب اور محنہ 263
عہد حاضر کا محتسب 264-265
معانی و مفہوم کے نتائج 265

حصہ (د) 266
شرائطِ محتسب 266-273
لازمی شرائطِ ثلاثہ 273
اسلام 273-276
بلوغت 276-277
علم شریعت سے آگہی 277-282
اہم شرائط 282
حریت 282-285
عدل 285
مناسب شرائط 289
دینداری 289-290
سچائی 290-291
صبر و تحمل 291-294
اعتدال 294
ایثار و توکل 295-296
انکساری 296-297
خودداری 297
ایفائے عہد 298
حق گوئی و بیباکی 298-299
اختلافی شرائط 299
مجتہد ہونا 300
عورت محتسب ہو سکتی ہے 300-301
عام یا ان پڑھ کی شرط 301
فصل دوم، عہد رسالت کا نظامِ احتساب 302
بعثت نبوی ﷺ سے قبل نظامِ عہدیت 303
اول دستور اسلامی میں دفعاتِ احتساب 303-305
عہدِ نبوی کے صیغہ جات 306

ہر حاکم محتسب 307
اہل سوق، محتسب اور سزا 307
رسول اللہ ﷺ، بحیثیت محتسب اعلیٰ 308
عمال کا احتساب 308
ناانصافی کا ازالہ، فیصلہ کی صورت میں 309
فصل سوم: خلافت راشدہ کا نظام احتساب 310
عہدِ صدیقی 310-311
عہد فاروقی 311-316
عہد عثمانی 316-317
عہد مرتضوی 317-318
فصل چہارم، عہد اموی کا نظامِ احتساب 319
حضرت امیر معاویہؓ 319
عبدالملک 320-321
ولید اول 321
سلیمان بن عبدالملک 321
حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ 322-326
ہشام بن عبدالملک 326
فصل پنجم، عہدِ عباسی کا نظام احتساب 327
ابوجعفر المنصور 328
المہدی 329
ہادی 329-330
ہارون الرشید 330-331
مامون 331-333
واثق باللہ 333-334
متوکل علی اللہ 334
المستنصر باللہ 334
المہتدی 334-335

معتضد باللہ 335-336
قاہر باللہ 337
مقتدی بامر اللہ 337
مستظہر باللہ 337
مستنجد باللہ 338
ظاہر بامداللہ 338
باب پنجم' مسلمانوں کے دیگر سیاسی اداروں کا اجمالی تعارف 341
فصل اول' ادارہ امور خارجہ وداخلہ از عہد نبوی تا عہد عباسی 341-343
صیغہ خارجہ 343
وزارت خارجہ کی تشکیل 343-344
عہد نبوی کی سفارتیں 345
اسلامی وزارتِ خارجہ کے تعلقات دنیا کی حکومتوں سے 345
امور داخلہ 346-349
فصل دوم' ادارہ فوج و پولیس 350
جہاد اور اسکا مقصد 350-354
فوج عہد عباسیہ میں 354-357
عصبیت جیش عباسی میں 357-358
فوج کا اسلحہ 358-360
فوج کی قیادت 360-362
پولیس کا نظام 362
خلافت راشدہ' بنی امیہ' بنی عباس میں پولیس کا نظام 362-363
مصر میں پولیس کا نظام 363
فصل سوم' ادارہ مالیات کا اجمالی تعارف 365
ذرائع آمدنی 365
خراج 365-366
دیوان خراج 366
نظامِ محاسبہ 367

نظامِ جاگیرداری 367-369
جزیہ 369
عہد بنی امیہ 370
عہد عباسیہ 371-373
خلاصہ تحقیق 374
اختتامیہ 375
کتابیات 377-392

مقدّمہ

نپولین نے کیا خوب کہا ہے کہ ''مسلمانوں نے نصف صدی میں نصف دنیا کو فتح کرڈالا''❶ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام دنیا کی سب سے بڑی فاتح طاقت ہے۔ جب مسلمان آج سے پہلے نصف صدی میں نصف دنیا فتح کر چکے ہیں تو اسلام کو ابھی ایک مکمل دنیا فتح کرنی ہے مشرق سے لیکر مغرب تک' قطب شمالی سے لے کر قطب جنوبی تک جواہر لال نہرو بھی جگ بیتی صفحہ ۳۲۳ جلد اول میں لکھتا ہے

''ریگستان کے ان باشندوں نے جن کی دنیا میں کوئی اہمیت نہ تھی معروف دنیا کا نصف حصہ فتح کرلیا''

نبی آخرالزماں خاتم النبیّن ﷺ کے عصر ظہور ۵۷۱ء سے حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے دور تک اسلامی حکومت کا حقیقی اور اصلاحی دور ہے❷ اور دنیا نے ۶۶۲ء ۴۱ھ سے ۱۹۱۸ء ۱۳۳۹ھ یعنی عہد بنی امیہ سے عہد خلافت عثمانیہ تک جو حکومت کے شاندار اور قابل رشک مظاہرے دیکھے اسے ہم مسلمانوں کا دور حکومت کہتے ہیں۔ تاریخ کے قدیم ترین نظریوں کو جب دیکھیں تو ۲۰۰۰ قبل مسیح بابل میں ایک متمدن حکومت نے اپنا جاہ و جلال دکھایا' لیکن بالآخر نتیجہ یہ نکلا کہ حکمرانوں نے اپنے سیاسی تشخصات میں الو ہیت کا رنگ پیدا کر کے تمام رعایا کو اپنی پوجا پاٹ پر مجبور کیا اور اپنے من چاہے احکامات کا نفاذ کیا حلال وحرام کا دارومدار اپنی مرضی پر رکھا۔ اصلاح پسند افراد کو باغی اور نافرمان کہہ کر آگ کی خندقوں میں زندہ جلا دیا۔ قدیم ایرانی' حکومت کو آسمانی منصب جانتے تھے لیکن ان کے تصورات کے قلعہ پر کمزور سمت سے باطل نظریوں نے اسطرح حملہ کیا جس سے آسمانی تصور زمین کی تہ میں اتر گیا' پستی کی انتہا کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایرانی ''سکندر'' کو خدا کا برتر فرزند ماننے کیلئے تیار تھے۔ زمانہ موجودہ کے جعلی نظریوں اور نمائشی طرز کو اسلام کے مقابلے میں لانا بھی اصلاً غلط ہے' کیونکہ اس طرز حکومت کی ہر شاخ' ہر شعبے اور ہر فیصلے میں قول وعمل کا اتنا اختلاف ہے جس نے دنیا کو

---

❶ اسلام کا نظام حکومت: مولانا حامد انصاری' لاہور ''الفیصل پبلیشنگ کمپنی'' ص ۳

❷ البدایۃ والنہایۃ: اسماعیل بن عمر ابن کثیر الدمشقی القاہرہ ''مطبعۃ السعادۃ'' ص ۳۵۶ ج ۳

نفاق سے بھر دیا ہے اور خدا کے آزاد بندوں کو غلامی اور بربادی کے عذاب میں دھکیل دیا ہے اس زمانہ کی ستم ظریفی کی داد دینا مشکل ہے۔ عام انسانی فراست پر ماضی و مستقبل سے زیادہ اثر پڑتا ہے۔ زمانہ حال کی بڑی کامیابی یہ ہے کہ وہ آنکھوں کے سامنے ہے اس کے دعووں کی نمائش ایسے طریقوں سے ہو رہی ہے جو سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنا سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہیکہ یورپ کے معزز نظامِ حکومت کی تاریخ میں اسلامی نظامِ سلطنت اور طرزِ حکومت کا شایان شان ذکر نہیں پایا جاتا۔ مغربی مصنفوں نے سلطنت اور نظام سلطنت پر جو کتابیں ترتیب دی ہیں ان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ معلومات کا رخ دنیا بھر کے نظامہائے حکومت کی طرف ہے مگر معمولی غور وفکر کے بعد ہی یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ ہر مصنف تنگ نظری کے ساتھ ایک بہت ہی محدود دائرہ میں رہ کر خامہ فرسائی کر رہا ہے۔ اس کو دنیا اور اقوامِ دنیا کے نظاموں اور نظریوں سے عمومی لگاؤ یا دلچسپی نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد صرف یونان، روما کے بوسیدہ آثار سے گزر کر موجودہ یورپ کے نظر فریب قوانین اور ضابطوں کی تشریح اور ترتیب ہے یورپ کے فضلاء مستشرقین نے ہم زبان ہو کر مختلف لہجوں میں اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ عصر حاضر کے علمی، صنعتی، سیاسی اور اجتماعی تنظیمات اسلامی دور کے اجتماعی عوامل کا ناگزیر نتیجہ ہیں۔

اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے رابرٹ بریفالٹ (Robert Briffault) لکھتا ہے:

''یورپ کی ترقی کا کوئی ایسا پہلو نہیں جس پر اسلامی تمدن کا احسان اور اسکے نمایاں آثار کی گہری چھاپ نہ ہو''❶

دوسری جگہ پر لکھتا ہے:

''یورپ کی ترقی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس میں اسلامی تمدن کا دخل نہ ہو''❷

فرانسیسی مؤرخ Golivet Castelot اپنی کتاب ''قانون تاریخ'' Lalotde Lhistoire میں لکھتا ہے

''عربی تمدن کی عمر کم تھی، مگر اس کے اثرات بہت دوررس تھے، اور ہم اس کے زوال پر

❶ The Making of Humanity Robert Briffault, London, 1919, P 202.

❷ ..... Robert Briffault, P 190.

افسوس ہی کر سکتے ہیں''.....

اگرچہ حکمراں جاگیردارانہ ذہن رکھتے تھے مگر ان کے ذریعہ جو کام ہوا وہ انکی شخصیت سے کہیں بلند تھا' اسی کے نتیجہ میں ایک حیرت انگیز تہذیب وجود میں آئی' یورپ عربی تمدن کا احسان مند ہے جب وہ دسویں صدی سے چودھویں صدی تک غالب وحکمراں تھی' یورپ نے اس سے فلسفیانہ اور علمی فکر میں استفادہ کیا' جس نے قرون وسطیٰ میں خاموش اثرات مرتب کئے ہیں وہ عربی تمدن ہے''❶

ان تمام تر اعتراف کے باوجود ہمیں کوئی مثال ایسی نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہوسکے کہ یورپ کے نظام حکومت میں کتنے ضابطے ایسے ہیں جو اسلام کی عاملانہ قوت اور سیاسی تاریخ کا عطیہ ہیں' اس مرحلہ پر بیشتر مصنفین ایک سازشی بخل کا شکار نظر آتے ہیں یہ ایک فروگذاشت ہے جس نے علم وتحقیق کے دائرہ میں تصنیفی صداقتوں کو پامال کیا ہے۔ تحقیقِ ہذا کا مقصد یہی ہے کہ اسلام کے سیاسی اداروں کا جو ایک شاندار ماضی ہے اسے ایک نئے انداز میں پیش کیا جائے۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ صدیاں گذر جانے کے باوجود اب تک اسلام کے سیاسی نظام اور اداروں اور نظام حکومت کا کوئی مکمل خاکہ مرتب نہیں کیا گیا' مسلمانوں نے برس ہابرس سے اجتماعی میدان کو دوسری طاقتوں کے ہاتھ میں چھوڑ رکھا ہے' علمی دائرہ میں الٰھیات کی درس وتدریس ہمارا اصل نصب العین تھا۔ اس کے لئے ہم نے قابلِ تعریف خاطر خواہ کوشش کی لیکن ہمارے افکار واعمال کی جولان گاہیں اجتماعیات کو وہ درجہ حاصل نہ ہوسکا جو خدا کے پیغمبروںؑ اور پیغمبر خدا محمد ﷺ کے جانشینوں یعنی خلفاء راشدینؓ کے جہادِ حق سے حاصل ہوا تھا۔ غالباً ایسا ہونا قدرتی عوامل کے تابع تھا جب ہمارے اجتماعی اقتدار کے عالمگیر اختیارات ختم ہوگئے اور بیرونی دباؤ زیادہ ہوگیا تو ہمارے علماء کو مذہب اور سیاست کے درمیان مصنوعی فرق پیدا کرنے کیلئے اپنے مجبور ومعذور ہاتھوں سے خط کھینچنا پڑا۔ خلافتِ راشدہ کے بعد مسلمانوں کے دورِ حکومت نے فرمانروائی کا جو شخصی عنوان اختیار کیا اس نے اسلامیت کی حقیقت پر پردہ ڈال دیا۔ علماء کو جزئی قوانین کا وسیع میدان ملا جس میں انہوں نے شاندار قابلِ

❶ تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات: علامہ سید ابوالحسن علی ندوی' کراچی ''مجلسِ نشریات اسلام'' ۱۹۸۸ء' ص ۱۱۶

تعریف اور یادگار کارنامے کر کے دکھائے لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت وسلطنت کے متعلق خلافت نبوی اور ریاستِ عامہ کے جو اصولی احکام تھے وہ آنکھوں سے اوجھل اور علم تحقیق کی دسترس سے باہر ہوگئے' یہاں تک کہ صدیوں سے اس طرف کافی توجہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔ یورپ نے سلطنت روما کی شکست کا انتقام مسلمانوں سے لیا۔ مادی ارتقاء نے روحانیت کے قلعہ کے دروازے بند کردیئے۔ سب سے پہلے سیاسی ارتقاء ایشیاء اور شمالی افریقہ میں ہوا تھا پھر یونان اور روما کے زوال کے بعد مسلمان ہی تھے جنہوں نے یورپ کو علمی اور سیاسی میدان میں لا کھڑا کیا۔ یورپ نے اس حقیقت کو فراموش کردیا اس کو یاد نہ رہا کہ اسلام کا نظام کوئی محدود ملکی' قومی نظام نہیں بلکہ انسانیت عامہ کا مقصد و منشاء ہے۔ یورپ نے پہلے مسلمان حکومتوں کی قوت کو ختم کیا اور اس کے بعد اپنے اجتماعی طور طریقوں کی اس طرح نمائش کی کہ اسلامی حکومت اور طرزِ حکومت کا داعیہ محض ایک خواب و خیال ہوگیا۔ ان طریقوں کے اجراء کیلئے جو مہیب وسیلے و ذرائع اختیار کیئے گئے انہوں نے ہماری زبان وقلم کو اجتماعیات کے میدان سے نکال دیا۔ قول وعمل کی احتیاط نے ایک مستقل بہانہ کی صورت اختیار کرلی اس طرح جہاد حق کے محاذ پر ہماری مقاومت کمزور ہوکر ختم ہوگئی اور ہم قانون عافیت کی پناہ لے کر جسم و جان کی حفاظت میں لگ گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا سیاسی نظام اور نظام حکومت و سلطنت انسان کے اجتماعی نظم پر مبنی ہے اس کے اعلان و اظہار کے لئے اس زمانہ سے بہتر زمانہ نہیں آئے گا۔

ایشیا نے یورپ کو مذہب عطاء کیا تھا اب اسکو حکومت کا طرز اور سلیقہ بھی عطاء کرنا چاہئے۔ اگر یورپ کے علم صناعی یعنی سائنس اور عقلی عروج کو اسلام کے ربانی نصب العین کے ماتحت کردیا گیا تو یہ عالمگیر امن' عالمگیر مساوات' عالمگیر آزادی اور عالمگیر حکومت اور عالمگیر سیاست کا پہلا دن ہوگا جس پر انسانی تاریخ ناز کریگی۔

موضوع کی اہمیت وغرض و غایت:

تحقیق ہذا کا اساسی موضوع یہ ہے کہ مسلمانوں کے اہم سیاسی اداروں کا ایک تفصیلی وتحقیقی خاکہ پیش کیا جائے جس سے یہ ثابت ہوسکے کہ اسلام اور مسلمان ہزار ہا برس تک کس سیاسی

تدبر و تفکر کے ساتھ دنیا کی زمام خلافت تھامے رہے اور مسلمانوں نے کس انداز سے دنیا کو فلاح و بہبود کی راہ پر گامزن کیا۔

بے شک ہم انسان اور حکومت کی تخلیق کا وقت متعین نہیں کر سکتے لیکن انسانی زندگی کے اچھے زمانوں کو مقصد کی وضاحت کیلئے مناسب عنوان سے تقسیم کر سکتے ہیں غالباً انسان اور مذہب' انسان اور حکومت تخلیقی حقیقتیں ہیں اور ایک ساتھ تخلیق کی نمود گاہ میں ظاہر ہوئی ہیں۔ اس اعتبار سے اسلامی حکومت کے زمانوں کو ابتدائی' تنظیمی اور اجتماعی ناموں پر تقسیم کرنا زیادہ مناسب ہوگا چنانچہ اس مقصد کے حصول کیلئے تحقیق کا آغاز اسلامی دور حکومت سے کیا جائے گا۔

اسلامی دور اور مسلمانوں کے دور کی حدود کا تعین تاریخی اعتبار سے اسطرح کیا جاسکتا ہے:

''خلافت الٰہی'' سرور کائنات حضرت محمد ﷺ کے عصر ظہور ۵۷۱ء سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد تک۔ اس عرصہ میں اسلام کی حکمبر داری کے قوانین' حاکمیت کے اصول اور حکومت کے طرز سے دنیا کو مکمل طور پر تعارف حاصل ہوا' ایک عالمگیر نظام حکومت' عالمگیر تحریری قانون' عالمگیر قومیت' عالمگیر صلاح و فلاح ربانی حکومت کی صورت میں ظہور پذیر ہوا۔

''خلافت محمدی دور اول'' سیدنا صدیق اکبرؓ کا عہد حکومت: (۶۳۲ء ۱۱ھ سے ۶۳۴ء ۱۳ھ تک)

''خلافت محمدی دور دوم'' سیدنا فاروق اعظمؓ کا عہد خلافت: (۶۳۴ء ۱۳ھ سے ۶۴۴ء ۲۴ھ تک)

''خلافت محمدی دور سوم'' سیدنا عثمان غنیؓ کا عہد خلافت: (۶۴۴ء ۲۴ھ سے ۶۵۵ء ۳۵ھ تک)

''خلافت محمدی دور چہارم'' سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا عہد خلافت: (۶۵۵ء ۳۵ھ سے ۶۶۱ء ۴۱ھ تک)

''خلافت بنی امیہ دمشق میں'' (۶۶۱ء ۴۱ھ سے ۷۵۰ء ۱۳۳ھ تک)

''خلافت بنی امیہ اندلس میں'' (۷۵۶ء ۱۳۹ھ سے ۱۲۰۸ء ۶۰۵ھ تک)

''خلافت فاطمیہ'' فاطمی شیعان ؑ کی حکومت مصر اور بربری ممالک میں: (۲۹۷ھ سے ۵۶۷ھ تک)

''خلافت عثمانیہ'' عثمانی ترکوں کی حکومت: (۱۲۹۹ء سے ۱۹۱۸ء تک)

لیکن اس مقالہ میں تحقیق کو عہد نبوی سے عہد بنوعباس تک محدود رکھا جائیگا۔

ترتیب تحقیق:

تحقیق کی ترتیب عنوان مقالہ کی مناسبت سے کچھ اسطرح رکھی گئی ہے کہ

باب اول کا عنوان ہے اسلام کا سیاسی نظام جس میں سیاسی نظام کی تعریف کے ساتھ مسلمانوں کے سیاسی اداروں کا اجمالی تعارف پیش کیا گیا ہے۔

باب دوم ادارہ خلافت سے متعلق ہے جس میں خلافت کی تعریف، خلافت کی اہلیت و شرائط اور عہد خلفاء راشدینؓ سے عہد بنی عباس تک خلافت وملوکیت وولیعہدی کا تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

باب سوم ادارہ قضاء سے متعلق ہے اس میں قضاء کی تعریف قاضی کی شرائط و اہلیت اور عہد بہ عہد نظام قضاء کا تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

باب چہارم ادارہ احتساب ہے جس میں عہدِ حاضر میں اسکی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اسکی بھرپور تحقیق کی گئی ہے۔

باب پنجم میں مسلمانوں کے چند دیگر اہم سیاسی اداروں کے بارے میں تحقیق کی گئی ان اداروں میں ادارہ فوج و پولیس وادارہ مالیات عامہ شامل ہیں۔

آخر میں ایک اختتامیہ ہے جس میں اپنے مقالہ کی تحقیق کا نچوڑ پیش کیا گیا ہے لیکن اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے کہ مسلمانوں کے سیاسی اداروں پر یہ تحقیق ایک نکتہ آغاز ہے نہ کہ حرف آخر خدا کرے کہ کوئی اور صاحب قلم اپنے علم کی توانائیوں کو مسلمانوں کے دیگر سیاسی اداروں پر تحقیق کرنے میں صرف کرے۔

اور میرے مقالہ کی تحقیق آنے والے نئے محققین کیلئے مشعل راہ کا کام دے سکے۔

وماتوفیقی اِلّاباللّٰہ

باب اول

فصل اول

اسلام کا سیاسی نظام

لفظ سیاست کی لغوی تحقیق

سیاست بروزن امارت ساس یسوس بروزن قال یقول سے مصدر کا صیغہ ہے۔ اس باب کا مصدر سوس بروزن قول بھی آتا ہے۔ سیاست اور سوس کے اساسی معنے ہیں ''اصلاح کرنا اور سنوارنا''۔ اس لغوی مفہوم کی مناسبت سے یہ دونوں ریاست وحکومت اور تدبیر مملکت کے معنوں میں بھی بکثرت استعمال ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ حکومت اور ریاست کا مقصد بھی عوام کی حالت سنوارنا اور اصلاح کرنا ہوتا ہے۔

ابن منظور افریقیؒ متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں

والسیاسة القیام علی الشیئ بما یصلحه والسیاسة فعل السائس ....ورجل ساس من قوم ساسة و سواس انشدثعلب۔

ساد ة قاد ة لکل جمیع ساسة للرجال یوم القتال

....والسوس الریاسة یقال ساسوهم سوسا واذاراسوه قیل سوسوه واساسوه.

سست الرعیة سیاسة وسوس فلان امر بنی فلان ای کلف سیاستهم وسوس الرجل امور کرالناس علی مالم یسم فاعله اذا ملك امرهم ویزوی قول الحطیبة۔

لقد سوست امربنیك حتی ترکتهم ادق من الطحین ❶

---

❶ تفصیلات کیلئے مندرجہ ذیل کتب ملاحظہ ہوں: لسان العرب: ابن منظور افریقی' بیروت ''دارصادر'' ۱۴۱۰ھ ص ۱۰۸ ج ۶ مادہ سوس

ایضاً: النہایۃ لابن الاثیر 'ابن الاثیر جزری۔ قاہرہ ''مصطفیٰ البابی الحلبی'' ۱۳۰۰ھ ص ۱۹۲ ج ۲

ایضاً: تاج العروس شرح قاموس: سید محمد مرتضیٰ زبیری۔ الکویت ''دارالعلم'' ۱۹۷۶ء ص ۱۶۹ ج ۴

ترجمہ

''سیاست کسی چیز کی اصلاح کے لیے کمر بستہ اور کھڑے ہو جانے کو کہا جاتا ہے۔ اور سیاست ایک مدبر اور قائد کا کام ہے۔ سائس اس شخص کو کہا جاتا ہے جو سرداروں اور قائدین کی قوم میں سے ہو۔ ثعلب کا شعر ہے۔

وہ قائد اور کمانڈر ہیں ہر لشکر کے اور جنگ کے موقع پر فوجوں کے لیڈر ہیں

اور سوس کے معنے ہیں ریاست وحکومت کا نظم ونسق چلانا۔ ''ساسوھم سوسا'' کے معنے ہیں ''انہوں نے لوگوں پر حکمرانی کی ہے''۔ جب لوگ کسی کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں تو اس کے لیے کہا جاتا ہے: سوسوہ واساسوہ.

میں اپنی رعایا کا حکمران بنایا گیا ہوں (سست) فلاں شخص کو فلاں قبیلے کے معاملات کا ذمہ دار بنا دیا گیا ہے۔ یعنی ان کی سیاست وحکمرانی کا بوجھ اس پر ڈالا گیا ہے۔ جب کسی شخص کو لوگوں کا حکمران وبادشاہ بنا دیا گیا ہو تو کہتے ہیں۔

سوس الرجل امور الناس حطیبه شاعر کا شعر ہے۔

''مجھے تمہارے لڑکوں کا سرپرست بنایا گیا تھا یعنی حکمران چنانچہ میں نے ان کو پسی ہوئی گندم سے بھی زیادہ باریک بنا دیا ہے''۔

صراح اللغات میں سیاست کا فارسی میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ ''رعیت داری کردن'' امام غزالیؒ متوفی ۵۰۵ھ نے یہ تعریف کی ہے۔

استصلاح الخلق وارشادهم الى الطريق المستقيم المنجى فى الدنيا والآخرة ❶

''سیاست مخلوق کی اصلاح کرنا ہے اور راہنمائی کرنا ہے اس سیدھے راستے کی جانب جو دنیا اور آخرت کی نجات کا ذریعہ ہو''۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

وهى التاليف والتعاون والاجتماع على اسباب المعيشة وضبطها ❷

❶ احیاء العلوم: ابو حامد محمد بن محمد الغزالی قاہرہ ''م۔ن'' کتاب العلم باب اول ص ۹ ج ۱ ❷ ایضاً: حوالہ بالا

"سیاست وہ تدبیر ہے جو زندگی کے وسائل اور ان کے دائرے میں افراد معاشرہ کے درمیان باہمی محبت اور اتحاد و تعاون پیدا کرتی ہو"۔

یعنی سیاست کے معنے مکر و فریب اور لڑانا نہیں ہے۔ بلکہ اس حکمت عملی کا نام سیاست ہے جو اخوۃ و محبت اور اتحاد و اتفاق پیدا کرتی ہو۔ سیاست دان طبقاتی کشمکش برپا کرنے والے اور لڑانے والے کو نہیں کہا جاتا بلکہ حقیقی سیاستدان وہ ہوتا ہے جو بہترین مدبر و منتظم ہونے کے ساتھ مصلح اور معلم اخلاق بھی ہو۔

سیاست کی تعریف مسلمان ائمہ سیاست کی نظر میں

علامہ ابن خلدونؒ متوفی ۸۰۸ھ

فالسیاسة والملك هی کفالة للخلق و خلافة للّٰه فی العباد لتنفیذاحکامه فیهم❶

سیاست اور حکومت مخلوق کی نگہداشت اور ان کے مفاد کی کفالت و ضمانت کا نام ہے۔ یہ سیاست خدا کی نیابت ہے اس کے بندوں پر اسی کے احکام نافذ کرنے کے کام ہیں۔

امام راغب اصفہانیؒ متوفی ۵۰۲ھ

امام راغبؒ نے سیاست کی تعریف میں تین ارکان سیاست کا ذکر فرمایا ہے:

عمارۃ الارض	=	زمین کو آباد کرنا اور عمرانی تمدن قائم کرنا۔
تنفیذ احکام اللہ	=	خدا کے احکام کو نافذ کرنا۔
مکارم الشریعۃ	=	اخلاق فاضلہ اختیار کرنا❷

ابوالوفا ابن عقیل بغدادیؒ متوفی ۵۱۳ھ

السیاسة ماکان من الافعال بحیث یکون الناس معه اقرب الی الصلاح وابعد من الفساد❸

---

❶ مقدمۃ ابن خلدون: عبدالرحمٰن ابن خلدون، مصر "المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ" (س۔ن) ص ۱۱۳

❷ الذریعۃ الی مکارم الشریعۃ: امام راغب اصفہانی، بیروت "دار صادر" ۱۳۹۸ھ باب ۸ ص ۱۸

❸ الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ: علامہ ابن القیم الجوزیۃ، مصر "م۔ن" ۱۹۶۱ء ص ۱۵

''سیاست ان تدابیر کا نام ہے جن کی وجہ سے لوگ صلاح و مصلحت عامہ کے قریب ہو جائیں اور فساد و بگاڑ سے دور ہو جائیں''

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

وهي الحكمة الباحثة عن كيفية ربط الواقع بين اهل المدينة

''سیاست وہ حکمت (فن و علم) ہے جو ان تدابیر سے بحث کرتی ہے جن کے ذریعے سے شہریوں کے باہمی ربط و تعلق کی حفاظت کی جاتی ہے۔''

ان تمام اقتباسات میں سیاست کی جو تعریف کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ:

''سیاست وہ فن اور حکمت ہے جس کا موضوع فرائض حکومت اور ریاست کا نظم و نسق ہے اور جس کی غرض و غایت مصالح کی حفاظت کرنا اور شہریوں کے باہمی ربط و تعلق کو قاعدے اور قانون کے ذریعے کنٹرول کرنا ہے۔''

سیاست ائمہ فقہ کی نظر میں

فقہاء کرام نے سیاست کا جامع اور عمومی مفہوم بھی بیان کیا ہے یعنی اصلاحی تدابیر اختیار کرنا اور حکومت کا نظم و نسق چلانا جیسا کہ ابن عابدین شامیؒ اور ابن نجیمؒ نے اس جامع مفہوم کا ذکر کیا ہے۔ ❶

مگر فقہ کی کتابوں میں بالعموم لفظ سیاست ''تعزیری سزاؤں'' کے لئے استعمال ہوا ہے جو اگرچہ قرآن و سنت کی صریحی نصوص سے ثابت نہ ہوں مگر وہ شرعی قواعد کے مطابق ہوں اور ان کا مقصد مصلحتِ عامہ اور دفع فساد ہو۔ سیاست ان تدابیر کو کہتے ہیں جن سے مصالح عامہ کی نگہداشت کی جاتی ہے اور جرائم کی سزاؤں کا مقصد بھی مجرمین کی اصلاح اور عوام کے مال و جان، آبرو اور نسب کی حفاظت ہے۔ اس لیے ان سزاؤں پر سیاست کا لغوی مفہوم بھی صادق آتا ہے۔

حدود ان سزاؤں کو کہا جاتا ہے جو قرآن و سنت کی صریحی نصوص یا اجماع صحابہؓ سے ثابت اور متعین ہو چکی ہیں۔ مثلاً حدِ زنا۔ حدِ سرقہ، حدِ قطع طریق (ڈکیتی کی سزا) حدِ خمر اور حدِ قذف۔

قتل عمد اور جروح (زخموں) کی سزاؤں کو اصطلاحاً قصاص کہا جاتا ہے اور بعض جرائم کی

❶ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو، مجموعہ شامی، کتاب الحدود، ص ۲۰۳ ج ۳
وایضاً: البحر الرائق، کتاب السرقۃ، ص ۷۶ ج ۵

سزاؤں کو کفارات کہتے ہیں۔ مثلاً کفارۂ یمین۔ کفارۂ ظہار، کفارۂ صوم اور کفارۂ قتل خطاء۔ اصولی طور پر تو حدود و قصاص اور کفارات سب پر سیاست کا اطلاق ہوسکتا ہے اس لئے کہ ان کا مقصد بھی مصالح عامہ کا تحفظ اور اصلاح معاشرہ ہی ہے۔ ابن عابدین فرماتے ہیں

وھذا تعریف للسیاسة العامة الصادقة علی جمیع ماشرعه اللّٰه تعالیٰ لعباده من الاحکام الشرعیة ❶

"یہ (مخلوق کی بہبود و اصلاح کی تدابیر) اس عام سیاست کی تعریف ہے جو اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پر صادق آتی ہے جن کو اس نے اپنے بندوں کی مصالح کے لیے مقرر فرمایا ہے۔"

لیکن فقہی زبان میں بالعموم سیاست ان سزاؤں کو کہا جاتا ہے جن کا ثبوت اور تعین قرآن و سنت یا اجماع صحابہؓ میں نہ ہوا ہو۔ اس قسم کی سزاؤں کو تعزیر بھی کہتے ہیں۔ اس کی تین صورتیں ہیں۔

ایک تو وہ سینکڑوں جرائم اور گناہ ہیں جن کی سزائیں منصوص نہیں ہیں۔ اس قسم کے جرائم کے لیے دیانتدار ماہرین شریعت کا کوئی ادارہ یا ریاست کی مقننہ (مجلس شوریٰ) کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ سزا کی مقدار اور نوعیت کا تعین کرے گی۔ اور قاضی کو اختیار ہوگا کہ اس تعزیری قانون کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے جو سزا مناسب سمجھے دے۔ اگر اس قسم کا کوئی قانون مجلس شوریٰ یا مجاز ادارے نے نافذ نہ کیا ہو پھر بھی عدالت کو حق ہے کہ قواعدِ شرعیہ اور نظائر کی روشنی میں مناسب سزائیں دے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ حدود منصوصہ اور قصاص کے نفاذ کے لیے جس قسم کا قطعی ثبوت ضروری ہوتا ہے۔ وہ قانونی شرائط کے ساتھ فراہم نہ ہوسکا ہو۔ مگر عدالت کو قرائن یا واقعاتی شواہد کی بنا پر اطمینان حاصل ہو چکا ہو کہ جرم کا کسی نہ کسی صورت میں ارتکاب کیا گیا ہے۔ ایسی صورت میں حدود تو نافذ نہیں ہوسکتیں لیکن تعزیری سزا جسے عدالت تجویز کرے گی، دی جاسکتی ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ حدود کے لیے جو قطعی ثبوت ضروری ہے وہ تو فراہم ہو چکا ہو لیکن جرم کا ارتکاب کسی سرکاری افسر نے کیا ہو جو خود انسداد جرائم کا ذمہ دار ہے یا کوئی شخص جرائم کا عادی بن جائے یا جرم کا ارتکاب دردناک اور وحشت ناک صورت میں کیا گیا ہو۔ تو اس قسم کی صورت میں قاضی کو اجازت ہے کہ وہ مقرر شدہ سزا پر مزید سزا بطور تعزیر دے بشرطیکہ اس میں مصلحت نظر آتی ہو۔ ❷

---

❶ الفتاویٰ الشامی: ابن عابدین، محولہ بالا ص ۲۰۳ ج ۳ ❷ ایضاً: حوالہ بالا ص ۲۴۷ ج ۳ کتاب الحدود

مصنف عبدالرزاقؒ میں ہے کہ:

''حضرت علیؓ نے رمضان شریف میں شراب پینے والے کو مقررہ ۸۰ کوڑوں کے ساتھ ۲۰ کوڑے مزید لگوائے تھے۔'' ❶

ابن شہاب زہری فرماتے ہیں کہ جو شخص رمضان میں شراب نوشی کا مرتکب ہوا ہو تو اسے ۸۰ کوڑے سزا بھی دی جائے گی اور گلی کوچوں میں پھرا کر اس کے اس جرم کو مشتہر بھی کیا جائے گا تا کہ اس رسوائی سے عام لوگ عبرت حاصل کریں۔ نماز نہ پڑھنے والوں کے لیے بھی ابن شہاب زہریؒ نے یہی مشتہر کرنے کی تعزیر تجویز کی ہے۔ ❷

مذکورہ بالا تینوں قسم کی سزاؤں کو ائمہ فقہ تعزیر بھی کہتے ہیں اور سیاست کا اطلاق بھی ان سزاؤں پر کرتے ہیں۔

مشہور حنفی فقیہہ شیخ علاؤالدین طرابلسیؒ نے اپنی کتاب ''معین الحکام'' کی قسم ثالث کو اسی تعزیری سیاست کے بیان کے لیے مخصوص کیا ہے۔ بعض لوگوں نے اعتراض کیا تھا کہ غیر منصوص سزاؤں کا نفاذ ظلم ہے۔ ظاہر ہے کہ منصوص سزائیں تو چند ہی ہیں اور جرائم کی قسمیں سینکڑوں ہیں تو اگر ہر سزا کے لیے نصوص کی تصریح شرط قرار دی جائے تو مخصوص مجرموں کے علاوہ باقی جرائم پیشہ لوگ آزادی کے ساتھ بلاخوف وخطر عوام کی جان و مال اور آبرو کو لوٹتے رہیں گے یہ اعتراض کرنے والے ایک انتہا پر تھے۔ لیکن دوسری طرف بعض خودغرض سیاسی لیڈر اور حکمران محض ذاتی وجوہ کی بنا پر ثبوت کے بغیر لوگوں کو سزائیں دیتے ہیں اور ایذائیں پہنچاتے ہیں اور بہانہ یہ کرتے ہیں کہ یہ سیاست و مصلحت کا تقاضا ہے۔ ایسے درندہ صفت لوگ بعض اوقات مصلحت و سیاست کے نام پر منصوص احکام تک کو بدل دیتے ہیں۔

ان دونوں انتہا پسندوں پر تنقید کرتے ہوئے علامہ موصوف لکھتے ہیں

''سیاست (تعزیری سزائیں) تعزیری اور تغلیظی قانون ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔

سیاستِ ظالمہ جسے شریعت نے حرام ٹھہرایا ہے۔ اور سیاستِ عادلہ جس کے ذریعے مظلوم کو

---

❶ مصنف عبدالرزاق: عبدالرزاق ابوبکر ابن ہمام الصنعانی' کراچی ''مجلس علمی'' ۱۹۷۲ء باب الشراب فی رمضان ص ۲۳۱ ج ۹

❷ ایضاً: حوالہ بالا ص ۲۳۲ ج ۹

سیاستِ ظالمہ جسے شریعت نے حرام ٹھہرایا ہے۔ اور سیاستِ عادلہ جس کے ذریعے مظلوم کو اس کا حق دلایا جاتا ہے۔ مفسدین کی سرکوبی کی جاتی ہے اور شریعت کے اصل مقاصد پورے کیے جاتے ہیں۔ اس قسم کی شرعی سیاست کا اختیار کرنا واجب ہے....

سیاست عادلہ سے آنکھیں بند کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کو ترک کرنے سے لوگوں کے حقوق پامال ہوتے ہیں، جرائم پیشہ لوگوں کو مواقع فراہم ہوتے ہیں، مظالم، خونریزی آبروریزی اور لوگوں کے اموال پر غاصبانہ قبضہ کرنے کا دروازہ کھلتا ہے۔ اس قسم کی سیاست شرعیہ سے انکار کرنا شرعی نصوص اور خلفاء راشدینؓ کی تردید کرنے کے مترادف ہے۔

لیکن بعض لوگوں نے اس بارے میں انتہا پسندی کا دوسرا رُخ اختیار کر رکھا ہے انہوں نے شرعی حدود سے تجاوز کر کے ظلم کے مختلف اقسام اور سیاسی بدعات ایجاد کر لی ہیں۔ یہ لوگ اس وہم میں مبتلا ہیں کہ سیاست شرعیہ امت کی مصلحت اور مفاد عامہ کے تحفظ سے قاصر ہے۔ نعوذ باللہ۔

یہ جہالت اور بدترین غلطی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے تمہارے لیے دین کو مکمل کر دیا ہے۔ اس دین میں بندوں کی دینی اور دنیوی مصلحتیں کامل طور پر موجود ہیں اور رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ جب تک تم کتاب وسنت پر عمل کرو گے تو کسی طرح بھی گمراہ نہ ہو گے۔ ❶

حافظ ابن قیمؒ کے الفاظ بھی معمولی تقدیم وتاخیر کے ساتھ تقریباً اسی طرح ہی بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علامہ طرابلسیؒ نے یہ پوری عبارت ابن قیمؒ کی کتاب سے نقل کی ہے مگر حوالہ نہیں دیا۔ ❷

شیخ الاسلام مرغینانیؒ متوفی ۵۹۳ھ نے ھدایہ میں حدِ زنا کی تشریح حنفی مسلک کے مطابق اس طرح کی ہے۔

"غیر شادی شدہ مسلمان کی حدِ زنا میں کوڑوں اور جلاوطنی کو جمع نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اگر امام کو (امیر المؤمنین یا قاضی) اس میں مصلحت نظر آتی ہو تو اپنی صوابدید کے مطابق کچھ مدت کے لیے جلاوطن بھی کر سکتا ہے اور یہ مزید سزا التعزیر اور سیاست ہے۔ اس لیے کہ بعض

---

❶ معین الحکام فیما یتردد بین الخصمین من الاحکام: شیخ علاؤ الدین طرابلسی، مصر "م۔ن" ۱۳۱۰ھ ص ۲۰۷

❷ الطرق الحکمیۃ: ابن القیم، محولہ سابقہ، ص ۱۵، ۱۶

حالات میں یہ سیاسی اور تعزیری سزا مفید ہوتی ہے۔ لیکن اس کا فیصلہ امام کی رائے پر منحصر ہے۔ بعض صحابہؓ سے زانی کو جلاوطن کرنے کی روایت اسی سیاست اور تعزیر پر مبنی ہے۔" ❶

ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں۔

"لفظ سیاست ان سزاؤں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جن کے ذریعے مجرمین کی سرزنش اور اصلاح ہوتی ہے۔ مثلاً فقہاء نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص لواطت اور چوری کا عادی ہو چکا ہو تو سیاسۃً اس کو قتل بھی کیا جا سکتا ہے جیسا کہ بدعتی کے متعلق یہی حکم پہلے بیان ہو چکا ہے۔ بعض فقہاؒ نے سیاست کی تعریف یہ کی ہے کہ یہ وہ تعزیری اور تغلیظی سزا ہے جو قواعد شریعت کے مطابق ہو اگرچہ صریحی طور اس کا ذکر نصوص میں موجود نہ ہو۔ اس لیے کہ شریعت کا دارومدار اصولِ ایمان کے بعد معاشرے سے فاسد مادے کی جڑ کاٹنے پر ہے۔

ولذا قال فی البحر وظاهر كلامهم ان السياسة هی فعل شيئٍ من الحاكم لمصلحةٍ يراها وان لم يرد بذالك الفعل دليل جزئی۔

بحر الرائق میں ہے کہ فقہاء کے کلام سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ سیاست حکمران کا وہ فعل اور تدبیر ہے جس میں اس کو عوام کی بہبود اور مصلحت نظر آتی ہو۔ اگرچہ اس فعل کے لیے خصوصی دلیل موجود نہ ہو" ❷ (لیکن قواعد شرعیہ کے مطابق ہو اور منصوص یا اجماعی احکام کے خلاف نہ ہو۔

اس قسم کی عبارتیں فقہ کی کتابوں میں بار بار آئی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ تعزیرات کو سیاست کہا جا سکتا ہے اور فقہ کی کتابوں میں یہ لفظ اسی مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔

سیاست کی تعریف دور جدید کے ماہرین کی نظر میں

عربی زبان کا لفظ سیاست انگریزی زبان کے لفظ "پالٹیکس" کا ہم معنی نہیں ہے۔ عربی کے لفظ سیاست کا مفہوم عام ہے۔ اصلاح نفس، خاندانی سیاست، تعزیری سیاست اور مطلق اصلاحی کام سب اس کے مفہوم میں شامل ہیں۔ لیکن پالٹیکس کا انگریزی لفظ صرف ملکی، قومی اور

---

❶ فتح القدیر: علامہ ابن الہمام مصر، کتاب الحدود ص ۲۴۱ تا ۲۴۴

❷ تفصیل کیلئے دیکھئے: الفتاوی الشامی محولہ سابقہ ص ۲۰۴ ج ۳۔ البحر الرائق لابن نجیم، کتاب الحدود ص ۱۱ ج ۵

یونانی لفظ ''پولس'' سے ماخوذ ہے جس کے معنے ہیں ''شہری حکومت'' یہ لفظ اپنے یونانی معنوں میں تیرھویں صدی عیسوی کے اوائل میں فرانسیسی زبان میں استعمال ہونا شروع ہوا تھا۔ اس دور میں سیاست کی تعریف اس طرح کی جاتی تھی:

''سیاست کے معنے ہیں شہری حکومت کا علم وفن۔ علم سیاست اپنے عمومی مفہوم کے اعتبار سے ان تمام فنون پر مشتمل ہوتا ہے جو انسانی معاشرے کے لیے اہمیت رکھتے ہیں۔''

تیرھویں صدی سے ارتقاء کرتے ہوئے لفظ پالٹیکس اب صرف ''فن حکومت'' کے لیے استعمال ہونے لگا ہے۔

''الانسیکلو پیڈیا الکبیرۃ'' میں اس کی اصطلاحی تعریف یہ کی گئی ہے:

فن حكم الدولة او دراسة المبادئ التى تقوم عليها الحكومات والتى تحدد علاقاتها بالمواطنين وبالدول الاخرىٰ۔ ❶

سیاست ریاست پر حکومت کرنے کا ایک فن ہے۔ بالفاظ دیگر یہ ان بنیادی اصول کا علم ہے جن پر حکومتیں قائم ہوتی ہیں۔ اور ان قواعد وضوابط کا علم ہے جن سے حکومت اور شہریوں کے تعلقات اور بیرونی ریاستوں کے ساتھ روابط کی حدود مقرر کی جاتی ہیں۔

۱۸۷۰ء میں کہا گیا کہ ''السیاسۃ علم حکم الدول''

''سیاست ریاستوں پر حکومت کرنے کا علم ہے''۔

۱۹۶۲ء میں یہ تعریف کی گئی:

السياسة فن حكم المجتمعات الانسانية

''سیاست انسانی معاشروں پر حکومت کرنے کا فن ہے۔'' ❷

المنجد میں یہ تعریف کی گئی ہے۔

فن الحكم و ادارة الاعمال الدولة الداخلية والخارجية ومنها السياسة

---

❶ علم السیاسۃ: ڈاکٹر حسن صاحب، بیروت ''م۔ن'' ۱۹۷۰ء ص ۲۰

❷ مدخل الی علم السیاسۃ: ڈاکٹر جمال اتاسی، دمشق، ص ۷

الداخلية و الخارجية❶

سیاست حکومت کرنے کا فن ہے اور حکومت کا وہ ادارہ ہے جو داخلی اور خارجی سیاست کہا جاتا ہے

عصر حاضر کا ماہر سیاست مینچلی لکھتا ہے:

''سیاست وہ علم ہے جس کا موضوع بحث سلطنت ہے''

ایڈورڈ جیمز کی تعریف یہ ہے:

''سیاست فرائض حکومت ادا کرنا اور ان لوگوں کو نظم وضبط میں رکھنا ہے جو سوسائٹی کی شکل میں جمع ہوں۔''

''انسائیکلوپیڈیا مذہب واخلاق'' کے الفاظ یہ ہیں

''سیاست سے مراد نظم ونسق حکومت ہے۔2

جدید علماء سیاست کی یہ تعریفیں وہی ہیں جو علماء اسلام اپنی کتابوں میں صدیوں پہلے بیان کر چکے ہیں۔ لوگ یورپ کے بڑے بڑے ناموں سے مرعوب ہو جاتے ہیں۔ ورنہ گزشتہ صفحات میں مسلمان ائمۂ لغت' ائمۂ سیاست اور ائمۂ فقہ کے جو اقتباسات نقل کئے گئے ہیں وہ صاف' شستہ' واضح اور جامع ہیں۔❸

عملی سیاست

مذکورہ تعریفیں دراصل نظری سیاست اور علم سیاست سے متعلق ہیں۔ مگر عملی سیاست کی بنیاد سیاسی تجربے پر ہے۔ سیاسی مفکر اور سیاسی قائد کے درمیان وہی فرق ہے جو علم اور عمل یا فکر اور تجربے کے درمیان ہے۔ صرف فکر وفلسفۂ سیاست جاننے سے کوئی شخص سیاسی لیڈر نہیں بن سکتا۔

مثلاً ایک شخص میڈیکل کالج کا کورس مکمل کرنے اور علم طب کی کتابیں پڑھنے سے قابل اعتماد ڈاکٹر اور طبیب نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ تشخیصِ امراض اور دوائیاں تجویز کرنے کا طویل تجربہ

---

❶ المنجد: ص ۳۶۲ مادہ سوس

❷ اسلام کا نظام حکومت: مولانا حامد انصاری غازی' لاہور' ''الفیصل پبلشنگ کمپنی'' (س۔ن) ص ۲۰۰

❸ اسلامی سیاست: مولانا گوہر رحمٰن' مردان' ''دار العلوم تفہیم القرآن'' طبع اول ۱۹۸۱ء ص ۲۶

حاصل نہ کر لے۔

بعض علماء دین ایسے ہوتے ہیں جو قرآن وسنت اور فقہ کے ماہر تو ہوتے ہیں لیکن نہ تقریر کر سکتے ہیں اور نہ فریقین کے درمیان تصفیہ کرا سکتے ہیں۔ اسی طرح انسانی معاشرے کی گاڑی کا فلسفہ جاننے اور حکومت کے اصول وقواعد جاننے سے ایک شخص ''پولیٹکل سائنس'' کا پروفیسر تو بن سکتا ہے مگر سیاسی لیڈر یا انتظامی سربراہ نہیں بن سکتا جب تک کہ اسے عملاً سیاسی تجربہ حاصل نہ ہو جائے۔ نظری اور عملی سیاست کے اسی فرق کو ابن خلدونؒ نے بہترین انداز میں واضح کیا ہے۔

''علماء اور مفکرین فکری نظریئے کے عادی ہوتے ہیں۔ دریائے معانی میں غوطے لگاتے ہیں۔ محسوسات سے معقولات اخذ کرتے ہیں اور ذہن میں قواعد کلیہ کو مجرد صورت میں محفوظ کر لیتے ہیں تا کہ ان کو عمومی شکل میں نافذ کر دیا جائے۔ مخصوص افراد اور مخصوص قوموں کا لحاظ رکھنا ان کی عادت نہیں ہوتی۔ یہ مفکرین ذہنی قواعد اور فکری نظریات کے علاوہ عملی تجربہ کچھ نہیں رکھتے۔

مگر سیاسی لیڈر خارجی اور واقعاتی حقائق وحالات کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں۔ اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ حالات وواقعات میں کوئی ایسی حقیقی رکاوٹ ہو جس کی وجہ سے ان حالات کو ان حالات پر قیاس نہ کیا جا سکتا ہو۔ جو بظاہر انہی کی طرح نظر آتے ہوں اور یہ رکاوٹ اس سیاسی نظریئے کے منافی ہو جس کا نفاذ مطلوب ہوتا ہے۔ ایک معاشرے کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا' اس لیے کہ جس طرح دونوں ایک چیز میں مشترک ہوتے ہیں اسی طرح کئی چیزوں میں ان کے درمیان فرق بھی ہو سکتا ہے۔ مفکرین چونکہ احکام کے عموم اور چیزوں کو ایک دوسرے پر قیاس کرنے کے عادی ہوتے ہیں اس لیے جب عملی سیاست پر غور کرتے ہیں تو اس کو اپنے افکار کے قالب میں ڈھالنا چاہتے ہیں اور اپنے مخصوص استدلال پر اس عملی سیاست کو پرکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عملی میدان میں اکثر غلطیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ عملی سیاست کے دائرے میں ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا''۔

افلاطون بہت بڑا سیاسی مفکر اور فلسفی تھا۔ لیکن واقعات وحالات کا تجربہ اور تجزیہ اس کا موضوع نہیں تھا بلکہ کہا کرتا تھا کہ حالات تو نظریات کی پیداوار ہوتے ہیں۔ ارسطو افلاطون کا شاگرد تھا مگر وہ

استقرائی اور تجرباتی سیاست کا قائل تھا۔ اس نے اپنا سیاسی نظریہ مختلف ریاستوں اور قوموں کے تجربے اور جائزے کے بعد قائم کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ارسطو کو امام السیاسۃ اور معلم اول کہا جاتا ہے اور اس کی کتاب ''السیاسیات'' کو عظیم کتاب کا نام دیا گیا ہے۔ بہر حال حکمت نظریہ کے ساتھ حکمت عملیہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ محض نظریات سے خالی اور تصوراتی حکومت تو بن سکتی ہے مگر زمینی اور واقعاتی حکومت قائم نہیں ہو سکتی۔

سیاسی فکر کی یکسانیت کے باوجود اس کی عملی تطبیق اور اس کو روبہ عمل لانے کی تدابیر اور انتظامی ڈھانچے میں حالات و واقعات اور لوگوں کی عادات و نفسیات کے فرق کی وجہ سے کافی حد تک تفاوت بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ فرق ایسا ہوتا ہے جیسا کہ ایک عمارت کے ظاہری ڈیزائن اور نقشے کا فرق ہوتا ہے۔ مثلاً امریکہ، برطانیہ، فرانس اور دیگر جمہوری ریاستوں کا سیاسی نظریہ ایک ہے۔ یعنی سیکولر جمہوریت۔ لیکن اس جمہوریت کا عملی نقشہ اور انتظامی ڈھانچہ ان ممالک میں مختلف ہے۔

یا روس اور چین کا نظریہ بنیادی طور پر ایک ہے اور وہ ہے کمیونزم اور مارکسزم لیکن انتظامی مشینری اور عوامی اداروں کی نوعیت میں کافی حد تک فرق ہے۔ اسی طرح بادشاہت کا نظریہ ایک ہی ہے کہ سارے اختیارات کا منبع بادشاہ کو ہونا چاہئے لیکن عملی نظام اور روش میں کافی فرق ہوتا ہے [1]۔

سیاست عقلیہ اور سیاست شرعیہ

علامہ ابن خلدونؒ نے سیاست کی تقسیم قانون کے اعتبار سے کی ہے۔ فرماتے ہیں:

۱۔ ''بادشاہت قانون کے بجائے مطلق العنان بادشاہ کے جبر و قہر پر مبنی ہوتی ہے جو غضب اور حیوانیت کے آثار ہیں۔ ایسے حکمران رعایا پر ناقابل برداشت بوجھ ڈال کر ان کو تباہ کرنے کے درپے ہوتے ہیں۔ اس صورتحال کی اصلاح کے لیے سیاسی قوانین وضع کرنے کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ جنکی وفاداری کے حکام اور رعایا دونوں پابند ہوں۔

۲۔ اگر یہ قوانین عقلاءِ قوم، ذمہ داران حکومت اور دانشوروں کے وضع کردہ ہوں تو ان قوانین پر مبنی سیاست کو سیاست عقلیہ کہا جاتا ہے۔

۳۔ اور جب یہ قوانین اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ہوں جن کو ایک شارع (رسول) نافذ کرتا ہو تو یہ ''سیاستِ دینیہ'' ہے جو دنیا اور آخرت دونوں میں مفید ہوتی ہے۔

---

[1] ایضاً حوالہ بالا ص ۲۶ تا ۲۸

☆ پس استبدادی بادشاہت (ملک طبیعی) وہ حکومت ہے جو عوام کو بادشاہ کی ذاتی خواہشات پوری کرنے پر مجبور کرتی ہے۔

☆ سیاسی حکومت یعنی سیاست عقلیہ وہ ہے جو عوام کو عقلی نظریات وقوانین کی پابندی پر مجبور کرتی ہے اور اس پابندی کا مقصد صرف دنیوی فوائد اور آرام وآسائش کا حصول اور دنیوی نقصانات اور پریشانیوں سے تحفظ حاصل کرنا ہوتا ہے۔

☆ اور خلافت یعنی ''سیاست دینیہ'' وہ حکومت ہے جو عوام کو اسلامی نظریے اور شرعی قوانین کی پابند بناتی ہے اور اس پابندی کا مقصد اخروی زندگی اور دنیوی زندگی دونوں کے فوائد و مصالح کا حصول ہوتا ہے۔ اسلام میں دنیا کے تمام احوال کی قدر و قیمت مصالح آخرت کے اعتبار سے ہے۔ ❶

ابن خلدونؒ کی تقسیم کا تجزیہ اس طرح بھی کیا جاسکتا ہے کہ سیاست بنیادی طور پر تین قسم کی ہوتی ہے۔

سیاست حیوانیہ　　سیاست عقلیہ　　سیاست دینیہ

حیوانی سیاست نہ عقلی قانون کی پابند ہوتی ہے اور نہ شرعی اور دینی قانون کی۔ بلکہ بادشاہ اور اس کے حاشیہ برداروں کی خواہش نفس اس کا قانون ہوتا ہے اور حکمران شخص یا حکمران طبقے کی حیوانی خواہشات وشہوات کی تکمیل اس کا مقصد ہوتا ہے۔ اس قسم کے نظام سیاست کی مثالیں بادشاہت' آمریت' فوجی آمریت اور اشتراکیت ہیں جو بہت بڑی لعنت ہیں اور اس کے لیے حیوانی سیاست کا نام ہی زیادہ موزوں ہے۔

عقلی سیاست اس قانون کی پابند ہوتی ہے جسے عقلاء' دانشوروں اور شرفاء قوم نے بنایا ہو اور اس کا مقصد عوام کی دنیوی اور معاشی فلاح و بہبود ہوتی ہے۔ اس کی مثالیں ہیں آئینی بادشاہت اور لادین جمہوریت۔ مگر عقلی نظام سیاست میں بھی اخروی اور ابدی زندگی کی فلاح وسعادت کی جانب کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔

''سیاست دینیہ'' ہی حقیقی کامل اور مفید سیاست ہے جس کے نظام میں انسان کی حقیقی اور ابدی سعادت کو بھی ملحوظ رکھا جاتا ہے اور دنیوی فلاح و بہبود کی ضمانت بھی یہی نظام دیتا ہے۔ اس کو

---

❶ مقدمۃ ابن خلدون: ابن خلدون' محولہ بالا' ص ۱۵۰'۱۵۱

خلافت اسلامیہ کہا جاتا ہے۔❶

سیاست شرعیہ دین اسلام کا ایک باب ہے

قال ابو حازمؒ قاعدت اباهريرةؓ خمس سنين فسمعته يحدث عن النبى صلى الله عليه وسلم قال كانت بنو اسرائيل تسوسهم الانبياء كلما هلك نبى خلفه نبي وانه لانبى بعدى وسيكون خلفاء فيكثرون- قالو افما تامرنا يارسول الله قال فوا ببيعة الاول فالاول- اعطوهم حقهم فان الله سائلهم عمااسترعاهم❷

''ابو حازم سلمان الاشجعیؒ فرماتے ہیں کہ میں ۵ سال تک ابو ہریرہؓ کی مجلس میں شریک رہا ہوں۔ میں نے ان سے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے''۔

''بنی اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاءؑ کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ جب ایک نبی کا انتقال ہوجاتا تو دوسرا نبی اس کی جگہ آجاتا تھا۔ میرے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا اور میرے خلفاء موجود رہیں گے اور بعض اوقات بیک وقت ایک سے زیادہ ہوں گے۔ صحابۂ کرامؓ نے پوچھا کہ ایسی صورتِ حال کے بارے میں آپ کا کیا حکم ہے؟

فرمایا: جس کی بیعت پہلے ہوئی ہو (پہلے تقرر ہوا ہو) اسی کی بیعت پوری کرو (اس کی اطاعت کرو) خلفاء کا حقِ اطاعت ادا کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ ان سے رعیت کے بارے میں خود پوچھے گا۔''

اس حدیث رسول سے صریحی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ سیاست فریضۂ انبیاءؑ ہے۔ جس کی ذمہ داری ختم نبوت کے بعد خلفاء رسول پر ڈالی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو کام انبیاء کے فرائض میں شامل ہو وہ اسلام ہی کا ایک شعبہ ہوتا ہے۔ نبیؑ اور خلفاء نبی کا فرضِ منصبی اقامت دین ہے پس جو کام دین سے تعلق نہ رکھتا ہو وہ نبی کا کام نہیں ہوسکتا۔

بعض لوگ دورِ حاضر کے سیاسی کھلاڑیوں اور غیر اخلاقی سیاست کو دیکھ کر لفظ سیاست ہی سے متنفر ہوجاتے ہیں۔ حالانکہ سیاستدان کی خودغرضی اور بدکرداری سے اصولی طور پر لفظ سیاست سے

---

❶ اسلامی سیاست: مولانا گوہر رحمٰنؒ محولہ بالا ص ۲۹، ۳۰

❷ الجامع الصحیح للبخاری: الامام محمد بن عبداللہ اسماعیل بخاری کراچی ''قدیمی کتب خانہ'' ۱۹۷۱ء ص ۴۹۱ ج ۲

متنفر ہو جانا عقل مندی نہیں ہے۔ جس طرح علم کی دو قسمیں ہیں۔ علمِ نافع اور علمِ غیر نافع۔ علماً کی دو قسمیں ہیں۔ علماً ربانیین اور علماء سوء۔ اسی طرح سیاست بھی دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک وہ سیاست ہے جو دین و شریعت کے اصول و احکام کی پابند ہوتی ہے۔ اس کو سیاست دینیہ کہا جاتا ہے۔ اور دوسری وہ سیاست ہے جو دین و مذہب اور اخلاق و قیود کی پابند نہیں ہوتی۔ اس کو لا دین سیاست یا سیاستِ جاہلیہ کہا جاتا ہے۔ دوسری قسم کی یہ سیاست دراصل جنگ اقتدار ہے اور اس سے مسلمانوں کو دور رکھنا اور اس سے نفرت کرنا عین ایمان کا تقاضا ہے مگر شرعی اصول پر مبنی سیاست یقیناً دین ہے اور فریضۂ انبیاء ہے۔ اس سے نفرت کرنا اور دور رہنا حقیقت میں دین کے ایک شعبے سے دور رہنا ہے۔

فصل دوم

مسلمانوں کے سیاسی اداروں کا اجمالی تعارف

(از عہد نبوی تا عہد بنی عباس)

دورِ جاہلیت میں قبیلہ کا مفہوم افرادِ انسانی کا وہ مجموعہ تھا جو ایک خطہ پر قیام پذیر ہو' قبیلہ کا شیخ ان کا حاکم تھا' وہ قبیلہ کے افراد کے نسب اور خون کے رشتہ کی بناء پر شیرازہ بندی کرتا تھا اور افراد کی امداد سے قبیلہ کی فلاح و بہبود میں کوشاں رہتا تھا' عربوں میں عہد حاضر کی حکومتوں میں سے کسی نوع کی حکومت کا وجود نہ تھا' نہ ان کے ہاں آج کی طرح عدالت کا نظام تھا' جہاں وہ جھگڑے قضیوں کا فیصلہ کرانے جاتے' نہ پولیس تھی جو امن و امان قائم رکھتی اور نہ فوج تھی جو بیرونی خطرات کی مدافعت کرتی' عرب کسی منظّم حکومت کے ماتحت نہ تھے' اس لئے ٹیکس وغیرہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' ان میں مظلوم اپنا انتقام ظالم سے خود لے لیتا تھا' اس وقت قبیلہ کا فرض ہوتا تھا کہ وہ اس کی پشت پناہی کرے اگر ظالم اپنے ظلم کی تلافی کر دیتا تو پھر اس سے انتقام لینے کا حق نہ رہتا' اگر ظالم خود مظلوم کا کوئی عزیز رشتہ دار ہوتا تو وہ تنہا اسی سے اپنا بدلہ لے لیا کرتا' قبیلہ اس وقت دخل نہ دیتا۔ شرفاءِ عرب اپنے ایک امیر کی قیادت میں لڑتے۔ اور امن کے زمانہ میں ان کی حیثیت ایک منظّم سوسائٹی یا معاشرہ کی ہوتی تھی۔ ❶

قبیلہ میں جمہوری حکومت کا قیام تھا' قبیلہ کا شیخ خاندانوں کے سربرآوردہ اور ممتاز اشخاص کو اعلانِ جنگ کرنے' مصالحت کرنے اور قبیلہ کے نظم و نسق کے متعلق مشورہ کرنے کے لئے جمع کرتا اور اتفاق رائے سے جو طے ہو جاتا اس کے مطابق عمل درآمد کیا جاتا' ان کی یہ مجلس شوریٰ پارلیمنٹ کی حیثیت رکھتی تھی۔ قبیلہ کا کوئی لکھا ہوا دستورِ حکومت نہ تھا' صرف موروثی روایات پر ان کا نظام قائم تھا' اسی کو قانونِ حکومت کی حیثیت حاصل تھی' اس لحاظ سے عہد جدید کا نظامِ سلطنت اس نظام سے مختلف تھا' موجودہ زمانہ میں معمولاً مملکت کے نظام کی بنیاد کسی نہ کسی دستورِ حکومت پر ہوتی ہے۔ ❷

---

❶ مسلمانوں کا نظم مملکت: حسن ابراہیم حسن' مترجمہ مولوی علیم اللہ' کراچی' دارالاشاعت' ۱۹۷۵ء' ص ۱۷۲

❷ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۱۷۰

اسلام نے عربوں کے مختلف طبقوں اور مختلف فرقوں کے افراد میں یکجہتی پیدا کردی تھی اور اتحادِ قومی کو اتحادِ مذہبی میں تبدیل کردیا تھا، اسلام نے آقا و غلام، امیر و غریب اور شریف و رذیل کے امتیازات باطل کو مٹادیا تھا اور عربوں کی منتشر قوت ایک ایسی ''مستحکم عمارت'' کی شکل میں مجتمع کردی تھی جو اینٹوں کے باہمی سہارے پر قائم ہوتی ہے۔ خدا نے اس شیرازہ بندی کو اپنا بہت بڑا احسان فرمایا ہے۔ ❶

''اے پیغمبر! خدا ہی کی ذات ہے۔ جس نے اپنی مددگاری سے مومنوں کی جماعت سے تیری تائید کی اور وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں باہمی الفت پیدا کردی، اگر تو وہ سب کچھ خرچ کر ڈالتا جو روئے زمین میں ہے، جب بھی ان کے دلوں کو باہمی الفت سے نہ جوڑ سکتا۔ لیکن یہ اللہ ہے جس نے باہمی الفت پیدا کردی۔'' ❷

عربوں کی شیرازہ بندی میں اسلام کی مساوات اور جمہوری نظام نے بہت سہارا دیا تھا اور اس کی وجہ سے عربوں کو آپؐ نے ایک مرکز پر جمع کردیا تھا۔ اسلامی جمہوریت نے ان کے قبائلی امتیازات کا جنازہ دفنا دیا تھا۔ جو ان کی شیرازہ بندی میں ایک وسیع خلیج کی طرح حائل تھا۔ قرآن نے ان باطل امتیازات کو ان الفاظ میں لغو قرار دیا۔ ❸

ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، خاندان اور قبیلے محض امتیاز کے لئے بنادیئے ورنہ خدا کے نزدیک سب سے زیادہ شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ اس سے ڈرتا ہو۔ ❹

اس خداوندی تعلیم کا اثر تھا کہ نسلی اتحاد کی جگہ مذہبی رشتہ ان کی وحدت کا سبب بنا اور مذہب نے راعی رعایا اور قوم کے افراد میں ایک مستحکم رشتہ قائم کردیا اور ان کی حیثیت ایک مشین کے مختلف پرزوں کی سی ہوگئی۔

آنحضرت ﷺ کی حکومت کا دائرہ عمل مذہبی معاملات تک محدود نہ تھا بلکہ اس کا دامن سیاسی امور تک وسیع تھا۔ آپ فوج کی قیادت فرماتے، جھگڑوں کا فیصلہ فرماتے زکوٰۃ وغیرہ کا مال وصول

---

❶ ایضاً: حوالہ بالا ص ۱۷۳ ❷ القرآن: ۸:۶۲:۶۳

❸ مسلمانوں کا نظم مملکت: محولہ بالا ص ۱۷۳ ❹ القرآن: ۴۹:۱۳

کرتے اور شرعی نقطۂ نظر سے اسے صرف میں لاتے' آپؐ کی مقدس شخصیت مذہبی اور سیاسی دونوں حکومتوں کی حامل تھی' مگر سیاسی حکومت کی حیثیت ثانوی تھی' آپ کی بعثت کا حقیقی مقصد دعوتِ اسلام اور اس کی نشر واشاعت تھی' یہی وجہ تھی کہ آپؐ دنیاوی معاملات میں بڑے بڑے مہاجرین اور انصار سے مشورہ فرماتے پھر ان کے متعلق احکام صادر فرماتے۔ ❶ لیکن مذہبی امور میں آپ کی شخصیت خودمختار تھی ان امور کے متعلق آپؐ کسی سے مشورہ نہیں فرماتے تھے۔ دنیاوی امور میں آپؐ کے مشیر کار خاص طور پر حضرت حمزہ' حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت علی' حضرت ابن مسعود' حضرت عمار' حضرت حذیفہ' حضرت ابوذر' حضرت مقداد اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم ہوتے تھے۔

آنحضرت ﷺ نے شہری نظام کی بنیاد رکھ دی تھی' مدینہ میں اسلامی ریاست کا باقاعدہ نظام قائم تھا' آنحضرت ﷺ کی طرف سے حجاز ویمن کے بڑے بڑے شہروں اور بڑے بڑے قبیلوں میں حکام کا تقرر کیا گیا تھا۔ اس وقت ان حاکموں کے اختیارات کا دائرہ نماز کی امامت اور صدقات کے جمع وانتظام تک محدود تھا۔ اور ان کی کوئی سیاسی حیثیت نہ ہوتی تھی۔ آنحضرت ﷺ جب مدینہ سے کسی غزوہ کے لئے روانہ ہوتے تو مدینہ میں اپنے کسی صحابی کو اپنا قائم مقام بنا جاتے۔ وہ آپؐ کی بجائے نماز میں امامت کرتا۔ کسی شخص کو سپہ سالار بنا کر روانہ فرماتے تو امامت کے علاوہ انتظامی اور فوجی اختیارات بھی اس کے سپرد کر دیئے جاتے تھے۔ آنحضرت ﷺ حاکموں کے انتخاب کے وقت یہ خیال رکھتے تھے کہ ان کا پایہ صلاح وتقویٰ' علم وعمل اور تفقہ اور بصیرت کے لحاظ سے بلند ہو۔ آنحضرتؐ نے سب سے پہلے عتاب بن اسید گورنر مکہ کی تنخواہ ایک درہم یومیہ مقرر فرمائی تھی۔ اس سے قبل ان حاکموں کی باقاعدہ تنخواہوں کا معمول نہ تھا۔ فتوحات اور مالِ غنیمت سے انہیں حصہ مل جاتا تھا' یہی ان کی تنخواہ خیال کی جاتی تھی۔

خلافتِ راشدہ کا سیاسی نظام

اسلامی ریاست کا شہری نظام روم وفارس سے قریباً ماخوذ تھا' عربوں کو علم تھا کہ ان قوموں کا سیاسی نظام' ان کی تہذیب اور ان کا تمدن تاریخ میں امتیازی حیثیت کا حامل رہا ہے' عربوں نے

---

❶ مقدمہ ابن خلدون' بحولہ سابقہ' ص ۲۰۶

بلادِ روم و فارس کو فتح کرنے کے بعد ان کے صدیوں کے نظامِ شہری کو درہم برہم کرنا نامناسب خیال کیا اور چند خلافِ اسلام امور میں اصلاحات کے ماسوا اور کوئی بنیادی تبدیلی نہیں کی۔ مسلمان مفتوحہ اقوام سے قریب ہونے کی کوشش کرتے تھے۔ اس لئے وہ ہر اس کام سے احتراز کرتے جو فاتح مفتوح قوم میں بُعد پیدا کرے' خلافتِ راشدہ میں ریاست کا نظم و نسق مختلف اداروں میں مخصوص اختیارات و فرائض کے ساتھ تقسیم ہوا تھا۔ اس کی ابتداء عہد عباسیہ سے ہوتی ہے۔ ❶

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں آنحضرت ﷺ کے مقرر کئے ہوئے گورنروں کو بحال رکھا اور حکومت کے دوسرے شعبے ممتاز صحابہ کے سپرد کر دیئے چنانچہ مالیات کا شعبہ حضرت ابوعبیدہؓ اور عدالت کا محکمہ حضرت عمرؓ کے حوالہ کر دیا' اس میں آپ نے مناسبت اور تجربہ کا لحاظ رکھا تھا' دوسرے مہماتِ حکومت میں آپ اصحاب رائے اور اربابِ فقہ سے مشورہ لے لیا کرتے تھے' ان میں حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت معاذ بن جبل' حضرت ابی بن کعب اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم امتیازی درجہ رکھتے ہیں۔ قاضیوں کے تقرر کا اختیار اپنے صوبوں میں گورنروں کو حاصل تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں بلادِ عرب حسب ذیل صوبوں میں تقسیم تھے مکہ' مدینہ' طائف' صنعاء' حضرموت' خولان' زبید' امع' جند' نجران' جرش اور بحرین۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب دائرۂ حکومت زیادہ وسیع ہوا تو آپ نے اسلامی ریاست کو چند بڑے بڑے صوبوں میں تقسیم کر دیا تاکہ ان کے نظم و نسق اور مالیات کے انتظام میں آسانی ہو' یہ صوبے حسب ذیل تھے۔

اہواز اور بحرین کا ایک صوبہ' سجستان' مکران اور کرمان کو ملا کر ایک صوبہ' طبرستان کا ایک صوبہ' بلادِ فارس کو تین صوبوں میں تقسیم کر دیا' عراق کے دو حصے کر دیئے' ایک کا صدر مقام کوفہ تھا۔ دوسرے کا بصرہ تھا' بلادِ شام کو بھی دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک کا مرکز حمص تھا اور دوسرے کا دمشق تھا' فلسطین ایک مستقل صوبہ تھا' افریقہ کے تین ٹکڑے کر دیئے تھے' مصر کا مرتفع علاقہ' مصر کا نشیبی حصہ' مغربی مصر اور صحرائے لیبیا۔ ❷

حکومتِ اسلامیہ کا شہری نظام سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے قائم کیا تھا۔ سیاسی زاویۂ نگاہ

---

❶ مسلمانوں کا نظم مملکت: محولہ بالا' ص ۱۷۵

❷ A short History of the saraceus. Sayed Ameer Ali, Londan 1921. P 60, 67.

سے حضرت عمرؓ بلادِ عرب میں مرکزیت اور عربوں میں ایک قوی وحدت کا احساس پیدا کرنا چاہتے تھے، وہ اسے بھی ناپسند کرتے تھے کہ مفتوحہ ممالک میں شادی بیاہ کا رشتہ قائم کیا جائے، انہیں دوسری قوموں سے عربوں کا نسلی اختلاط گوارا نہ تھا، یہ ان کی سیاسی پالیسی تھی سید امیر علی جج کے الفاظ میں "اگر حضرت عمرؓ کی زندگی کی مدت کچھ اور طویل ہوتی تو انکی غیر معمولی سیاسی صلاحیت اور بلند پایہ شخصیت عربوں میں وحدتِ قومی کا زبردست احساس پیدا کر دیتی اور وہ ان خانہ جنگیوں میں ایک وسیع خلیج بن کر حائل ہو جاتے، جنہوں نے اسلام کی بنیادیں ہلا دی تھیں"۔ ❶

حضرت عمرؓ نے ہر صوبہ پر ایک گورنر کا تقرر کیا تھا جو ان کی ہدایات کے ماتحت حکومت کرتا تھا۔ خلیفہ کو عاملہ، مقننہ اور انتظامیہ کے کلی اختیارات حاصل تھے۔ ❷

ہر صوبہ کا گورنر نماز میں امامت کراتا، جھگڑوں کا فیصلہ کرتا، جنگ میں فوج کی قیادت کرتا، مال کو جمع کرتا اور حکومت کے دوسرے اہم فرائض انجام دیتا تھا، خراج کے افسر کی اعلیٰ حیثیت تھی۔ یہ مالیات کا سب سے بڑا افسر تھا اور گورنر کے دوش بدوش حکومت کے فرائض انجام دیتا تھا، گورنر نظم و نسق میں خود مختار تھا اور خراج کا افسر مالیات کے محکمہ کا مستقل حاکم تھا اس کی حیثیت گورنر کے رقیب کی تھی، چنانچہ دونوں میں اقتدار کے بارے میں ہمیشہ کشمکش رہتی تھی، حضرت عمرؓ کی یہ زبردست سیاست تھی، اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ایک دوسرے سے چوکنا تھا، مالیات کے افسر کا تقرر خلیفہ کے اختیار میں تھا۔ ❸

حضرت عمرؓ نے عرب گورنر مقرر کئے تھے ان کے جانشینوں کی پالیسی بھی یہی رہی۔ حضرت عمرؓ کا معمول تھا کہ جب کسی کو گورنر بنا کر روانہ کرتے تو اسے رخصت کرنے کے لئے کچھ دور مدینہ کے باہر تشریف لاتے اور رخصتانہ ہدایات فرماتے "میں نے گورنر اس لئے مقرر کیا ہے کہ تم لوگوں میں نماز قائم کرو، ان کے حقوق ادا کرو، ان میں عدل و انصاف کرو۔ دیکھو عربوں کو دُرّے نہ مارنا اس کی وجہ سے ان کی وقعت کم ہو جائے گی، اور نہ انہیں نظر بند کرنا یہ ان کے حق میں ایک فتنہ ہوگا"۔ حضرت عمرؓ نہایت بیدار مغز خلیفہ تھے، وہ گورنروں کے حالات سے باخبر رہتے۔ اگر کسی گورنر کی شکایت پہنچتی تو گورنر اور مظلوم دونوں کو اپنے سامنے حاضر کرتے اور پوری تحقیق کے بعد منصفانہ فیصلہ

❶ A short History of the saraceus. Sayed Ameer Ali, Londan 1921. P. 57.

❷ مسلمانوں کا نظم مملکت بحولہ بالا ص ۱۷۶ ❸ ایضاً: حوالہ بالا ص ۱۷۷

فرماتے اوراس میں کسی کی رورعایت نہ کرتے' جب فوج کے سپہ سالاروں کورخصت کرتے تو انہیں خدا کے خوف اور جبر وزیادتی سے اجتناب کی نصیحت فرماتے' جنگ میں بزدلی سے غیرت دلاتے' دشمن کے ناک کان کاٹنے کی ممانعت کرتے اورلوٹ مار سے منع فرماتے۔آپ کی سخت ممانعت تھی کہ بڈھے' عورت بچہ کوکسی حالت میں قتل نہ کیا جائے۔ ❶

حضرت عثمان ؓ خلیفہ ہوئے تو آپ نے بھی حضرت عمرؓ کی سیاسی پالیسی اختیار کی۔ حضرت عثمانؓ کا سب سے پہلا جوفرمان سپہ سالاروں کے نام پہنچا تھا' اس میں یہ الفاظ تھے۔عمرؓ کا دستورِحکومت اورنظام قائم رہے گا' تم میں سے کسی کواپنے عہدہ سے نہیں ہٹایا جائے گا' حضرت عثمان کی خلافت کے آخری دور میں ان کا اقتدار ان کے بڑھاپے کی وجہ سے کم ہوگیا تھا۔جس کی وجہ سے صوبوں میں بغاوتیں ہوئیں اور ملک میں ایک زبردست فتنہ اٹھا۔جس نے انہیں شہید کرکے دم لیا' ان کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ مقرر ہوئے' آپ نے فوراً حضرت عثمانؓ کے گورنروں کومعزول کردیا۔

خلافتِ راشدہؓ میں خلفاء ''مجلسِ شیوخ'' سے انتظامی اموراورحکومت کے نظم ونسق میں امداد لیا کرتے تھے' اس مجلس کے عناصر ترکیبی میں بڑے بڑے صحابہؓ اعیانِ مدینہ اورسرداران قبائل داخل تھے' مسجد نبوی میں اس مجلس کا اجلاس ہوتا تھا' خلیفہ اس مجلس کے مشورہ کے بغیر کسی امر کا قطعی فیصلہ نہ کرتا تھا' اسلام کا نظامِ حکومت خلافتِ راشدہ کے تیس سالہ دور میں بڑی حد تک جمہوری نظام سے ملتا جلتا تھا۔

مسجد کی حیثیت

اسلام کے ابتدائی دور میں مسجد اجتماعی اغراض کا مرکز تھی' خلیفہ اور گورنر پنج وقتہ نماز میں مسلمانوں کی امامت کرتے اورسیاسی معاملات طے کرنے مسجد میں حاضر ہوتے اس زمانہ میں مسجد صرف عبادت گاہ نہ تھی بلکہ سیاسی اوراجتماعی زندگی کا مرکز تھی' آنحضرت ﷺ مسجد میں سفیروں سے ملاقات فرماتے' گورنروں کو ہدایات مسجد سے روانہ فرماتے' دنیوی معاملات میں صحابہ سے مشورہ فرماتے' سیاسی اور مذہبی تقریریں فرماتے' مسجد کے منبر پر حضرت عمرؓ نے اپنی قلبی بصیرت

---

❶ ایضاً: حوالہ بالا ص ۱۷۷

سے دیکھ کر عراق میں مسلمانوں کی پسپائی کی خبر دی تھی' حضرت عثمانؓ نے اپنے اوپر لگائے ہوئے الزامات کے جوابات کے لئے مسجد کے منبر کو موزوں خیال کیا تھا۔ جس وقت خلیفہ کا انتخاب عمل میں آتا تھا اس وقت اسکا معمول تھا کہ مسجد کے منبر پر کھڑے ہو کر تقریر کرے اور اپنی سیاسی پالیسی کا اعلان کرے۔ ❶ مسجد کا یہ منبر دستوری حکومت کے تختِ شاہی کے مشابہ ہے' جس پر کھڑے ہو کر بادشاہ تقریر کرتا ہے اور اپنی سیاسی حکمتِ عملی کا اعلان کرتا ہے۔

مسجد آغازِ اسلام سے علماً کا مرکز رہی ہے' یہ تفسیر و حدیث کی درس گاہیں' بچوں کے مکتب' مذہبی تعلیم گاہیں اور عدالت گاہیں رہیں' اس زمانہ کی سیاست کو مذہب سے کسی طرح جدا نہیں کیا جا سکتا ہے' اس وقت مسجد میں ان تمام امور کا اعلان کیا جاتا تھا جن کا تعلق مفادِ عامہ سے ہوتا تھا۔

مسجدوں کی اجتماعی اور سیاسی حیثیت زیادہ مدت قائم نہ رہی' خلافتِ راشدہ کے بعد خلیفہ منبر کے کام تختِ شاہی سے لینے لگا اور گورنروں اور قاضیوں نے مسجد کی جگہ اپنی اپنی جلوہ گاہوں کو اپنا سیاسی اور عدالتی مرکز قرار دیا اور وہیں سے اپنے فرائض انجام دینے لگے۔ مسجد اب صرف اس لئے رہ گئی تھی کہ وہاں مذہبی تقریریں کر دی جائیں۔ جس میں حمد و ثنا درود اور سلام ہوں اور اس محراب اور منبر سے آنحضرت ﷺ کے قائم مقام اور محافظِ دین کی حیثیت سے خلیفہ کا پروپیگنڈا کیا جائے' جب خلیفہ کے سیاسی جاہ و جلال کا جنازہ اٹھ گیا' اس وقت اتنا کافی تھا کہ خطبہ میں خلیفہ کا نام ذکر کر دیا جائے تا کہ رائے عامہ کو یہ غلط فہمی رہے کہ گورنر خلیفہ وقت کو امتِ مسلمہ کا سب سے بڑا سیاسی فرمانروا تسلیم کرتا ہے۔ ❷

گورنروں کے اختیارات و فرائض

خود مختار گورنروں کے اختیارات و فرائض معمولاً حسب ذیل ہوتے تھے۔

۱۔ ایک جنرل کے فرائض و اختیارات اپنی فوج پر

۲۔ اپنے صوبہ میں حکام اور قاضیوں کے تقرر کا پورا اختیار

۳۔ مالیات کے محکمہ کا نظم و نسق

---

❶ The caliphate: Prof. Sir Thomas Arnold. Oxford. 1924. P 36, 38.

❷ مسلمانوں کا نظم مملکت: محولہ بالا' ص ۱۷۹

۴۔ تحفظِ ناموسِ دین

۵۔ حدودِ اسلام اور تعزیرات کا عمل میں لانا

۶۔ امامت پنج وقتہ اور جمعہ کی نماز میں

۷۔ حاجیوں کے لئے سہولتیں مہیا کرنا۔ ❶

اگر یہ اقلیم سرحدی ہے اور دشمن کی یورش ہوتی رہتی ہے تو آٹھویں ذمہ داری ''جہاد'' کی اور بڑھ جاتی تھی جہاد کے بعد مالِ غنیمت کی تقسیم وغیرہ بھی اسی کا فرض تھا۔

اگر استبدادی حکومت ہوتی اور گورنر کا تقرر خلیفہ کی طرف سے نہ کیا جاتا بلکہ وہ اپنے اثر و قوت سے اقتدار حاصل کر لیتا' اس وقت یہ گورنر اپنی سیاسی پالیسی اور تدبیر مملکت میں خودمختار ہوتا تھا' مگر مذہبی معاملات میں خلیفہ سے نیازمندانہ تعلق ضرور رکھتا تھا ماوردی کے الفاظ میں ''خودسر گورنر وہ ہے جو طاقت سے اس علاقہ پر قبضہ کر لے جو خلیفہ کے دائرہ اقتدار میں داخل تھا اور خلیفہ مصلحتاً اس علاقہ کا نظم و نسق اور وہاں کی سیاسی فرمانروائی اسے سونپ دے' یہ گورنر مذہبی معاملات میں خلیفہ سے اجازت لے لیتا تھا' تاکہ رائے عامہ کی نظر میں اس کی حکومت اسلامی رہے اور گورنر کا اس میں کوئی نقصان بھی نہ تھا۔ ❷

یہ گورنر اپنے دائرہ عمل میں ایک خودمختار فرمانروا کی حیثیت رکھتے تھے' گورنروں کی دوسری قسم وہ تھی جن کے اختیارات و فرائض اپنے صوبہ میں تاج خلافت کی طرف سے محدود تھے اور ان کے اختیارات کا دائرہ فوج' نظم و نسق' حریم خلافت کی حمایت' ناموسِ دین کے تحفظ تک محدود تھا۔ عدالت' مالیات اور عاملہ کا اسے کوئی اختیار حاصل نہ تھا۔

اسلام کے دورِ اول میں گورنر خودمختار ہوتے تھے' مگر بعد میں ان کے اختیارات محدود کر دیئے گئے تھے۔ حضرت عمرو بن عاصؓ مصر کے خودمختار گورنر تھے' فوج' عدالت اور مالیات کے محکموں پر انہیں پورا اختیار حاصل تھا۔ تھوڑی مدت کے بعد حضرت عمرؓ نے مالیات کا محکمہ ان سے لے لیا۔ اور اس کا افسر عبداللہ بن سعدؓ کو مقرر کر دیا کچھ عرصہ کے بعد عدالت کا محکمہ بھی ان سے لے لیا گیا'

---

❶ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۱۷۹

❷ الاحکام السلطانیہ: ابوالحسن الماوردی۔ القاہرہ ''مصطفیٰ البابی الحلبی'' ۱۹۶۰ء ص ۲۸' ۲۹

اس کے بعد ان کے اختیارات کا دائرہ فوج اور نماز کی امامت تک محدود رہ گیا تھا۔ ❶

عہد بنی امیہ کا شہری نظام

عہد بنی امیہ میں اسلامی سلطنت کا دائرہ عمل بہت وسیع ہو گیا۔ انتظامی سہولتوں کے لئے اس وقت سلطنت پانچ بڑے بڑے صوبوں میں تقسیم کر دی گئی تھی۔

۱۔ حجاز، یمن اور عرب وسطیٰ

۲۔ مصر، مصر کا مرتفع حصہ، مصر کا نشیبی علاقہ

۳۔ عراقِ عرب (بلاد بابل اور آشور قدیم) عراق عجم (بلاد فارس) عمان و بحرین، کرمان و سجستان، کابل و خراسان، بلاد ماوراء النہر اور سندھ، پنجاب کے بعض علاقے، یہ سب خطے ملا کر ان کا ایک بڑا صوبہ بنا دیا گیا تھا۔ یہ گورنر عراق کے ماتحت تھا، جس کا صدر مقام کوفہ تھا۔ انتظامی آسانیوں کی غرض سے گورنر عراق کی طرف سے خراسان اور بلاد ماوراء النہر کا ایک حاکم مقرر ہوتا تھا جو اکثر مرو میں رہتا تھا۔ بلاد بحرین اور عمان حاکم بصرہ کے ماتحت ہوتے تھے، جسے گورنر عراق مقرر کرتا تھا۔ سندھ اور پنجاب کے شہروں کا ایک الگ حاکم ہوتا تھا، اس کا تقرر بھی گورنر عراق کرتا تھا۔

۴۔ بلادِ الجزایرہ، آرمینیہ، آذربیجان اور ایشیائے کچک کے چند علاقے۔

۵۔ شمالی افریقہ، اس کے حدود میں مغربی مصر، بلاد اندلس، جزائر سسلی، سردانیہ اور بلیار داخل تھے۔ صدر مقام قیروان تھا۔ گورنر افریقہ طنجہ، بحر روم کے جزائر اور بلاد اندلس پر ایک حاکم مقرر کرتا تھا، جس کا دارالحکومت قرطبہ ہوتا تھا۔ ❷

خلافتِ راشدہ کی طرح بنی امیہ کے دور میں بھی عرب گورنر مقرر کئے جاتے تھے۔ یہ ان کی سیاسی پالیسی تھی۔ بنی امیہ نے اتنا اور اضافہ کیا کہ اس منصب جلیل پر خاندانِ خلافت سے کسی کو مامور کرتے تھے، بنی امیہ کے آخر عہد میں خصوصاً یزید بن عبدالملک کے زمانہ میں گورنروں کو اپنے اپنے دارالحکومت میں قیام کرنا لازمی قرار دیا گیا۔ اس سے قبل کوئی گورنر دمشق میں مقیم تھا، کوئی کسی

---

❶ مسلمانوں کا نظم مملکت: بحولہ بالا، ص ۱۸۰

❷ A short History of the saraceus, P. 187, 188.

دوسری فرحت افزا جگہ میں قیام رکھتا تھا' یہ گورنر اپنے اپنے قائم مقام مقرر کر دیا کرتے تھے' جو زیادہ سے زیادہ آمدنی ان کی خوشنودی اور ''دلچسپیوں'' کے لئے پیش کرتے تھے۔ گورنر ملکی نظم و نسق میں عہدہ داروں کی بہت بڑی تعداد سے امداد لیا کرتا تھا ان میں افسر مال' قاضی اور پولیس کا افسر ممتاز عہدیدار تھے۔ ❶

بنی امیہ کا ملکی نظام امیر معاویہؓ کا مرہونِ احسان نہ تھا۔ بلکہ سچ پوچھیئے تو اس کا موسس عبدالملک بن مروان تھا' جس نے شہری اور مالیات کا نظام عربوں کے نقطۂ نظر اور انکی خاص ذہنیت کا لحاظ کر کے مرتب کیا تھا' عبدالملک رشوت سے سخت جلتا تھا اور اس کے انسداد میں اس نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ اگر کسی گورنر یا حاکم کے بارے میں اسے رشوت ستانی کا علم ہو جاتا تھا تو اسے کبھی نہیں بخشتا تھا۔

عہد بنی امیہ میں گورنر کی حکومت مطلق تھی' اسے جان و مال پر اختیار حاصل تھا۔ حجاج بن یوسف کی گورنری اس پر کافی روشنی ڈالتی ہے' حجاج کے قبضہ میں مالیات کا پورا نظام تھا وہ پورا خراج وصول کرتا تھا اور خلیفہ کے پاس اسے روانہ کرنے کی ضرورت نہیں خیال کرتا تھا۔ حجاج کے بعد بہت سے گورنر حجاج بن یوسف کے نقش قدم پر چلے تھے آخر عہد میں اموی گورنروں کی گورنری کی مدت بھی کافی طویل ہونے لگی تھی۔ مثلاً حجاج بن یوسف اور مصر میں عبدالعزیز بن مروان کی گورنری کو قریب قریب بیس بیس برس گذر گئے تھے۔ جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہوئے تو آپ نے پچھلے گورنروں کو برطرف کر دیا اور جدید گورنروں کو ہدایت کر دی کہ بغیر میری اجازت کے کسی کو قتل نہ کیا جائے۔

بنی امیہ کا ملکی نظام ہر دور میں عیوب سے معمور نہ تھا' ہاں یزید بن ولید کے زمانہ میں اس کی حالت ضرور سخت ابتر ہو گئی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ اس نے اپنے پیش رو خلفاً کے طریقہ کار کو ترک کر دیا تھا' بنی امیہ کے آخری خلیفہ مروان بن محمد نے باوجود اپنی بلند ہمتی اور شجاعت کے مہماتِ حکومت اور دشمنوں کی طرف سے بے نیازی اختیار کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملکی نظام اور ابتر ہو گیا اور مملکت کی مشینری بگڑ گئی۔ بنی امیہ کی حکومت عربوں کی حکومت تھی اور حاکم خاندانِ خلافت سے مقرر کئے جاتے تھے یا وہ عربوں کے سربرآوردہ خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کا موالیوں پر بہت برا اثر پڑا تھا اور

❶ A short History of the saraceus. P. 190.

وہ خلافت امویہ کی بربادی کا سبب بنے' بنی امیہ کے زوال کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ خلفاء ملکی حالات سے بے بہرہ رہتے۔ یہ وہ وقت تھا۔ جب انہوں نے اپنی حرکتوں سے جنرلوں کو برانگیختہ کر دیا تھا ولی عہدی کے سلسلہ میں خاندان اموی میں پارٹی بندی پیدا ہوگئی تھی اور ان کا شیرازہ منتشر تھا' ان حالات میں فوجوں کو تنخواہ ملنے میں تاخیر ہوئی تو فوجوں نے حریف عباسیوں کی پشت پناہی کی۔ انجام یہ ہوا کہ امویوں کی حکومت کا آفتاب دمشق میں غروب ہوگیا۔ ❶

عہد عباسیہ کا ملکی نظام

عباسیہ کے دورِ عروج میں ملکی نظام میں مرکزیت قائم تھی حکومت کا محور بغداد تھا' یہیں سے تمام مملکت پر فرمانروائی کی جاتی تھی عہد اموی کے گورنر حجاج بن یوسف اور زیاد بن ربیہ کی طرح عباسی گورنر مطلق حاکم نہ تھے' اس کی وجہ سے انہیں اپنا اقتدار بڑھانے کا بہت کم موقع ملتا تھا۔ سچ پوچھیے تو بنی امیہ کے خاتمہ کے بعد لامرکزیت کو مرکزیت میں اس پالیسی نے تبدیل کر دیا تھا' عہد عباسیہ میں عالم اسلامی میں اہم منصب افسر مالیات' ڈاک خانہ کا افسر اور قاضی تھے۔ دورِ عروج میں گورنروں کے اختیارات وفرائض فوج کی قیادت اور نماز میں امامت تک محدود تھے۔

جب دولت عباسیہ کا ضعفِ انحطاط بڑھ گیا تو گورنر بغداد میں قیام کو ترجیح دیتے تھے اور اپنی طرف سے صوبوں میں حاکم مقرر کر دیتے تھے جو قائم مقام کی حیثیت سے وہاں حکومت کرتے تھے۔ خلافت عباسیہ جب انتہائی دورِ انحطاط سے گزر رہی تھی' اس وقت مرکز کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر بہت سے گورنر خود مختار بن بیٹھے تھے۔ اس زمانہ میں مصر میں دولت طولون اور دولت اخشیدیہ کی بنیاد پڑی اور مشرق میں طاہریہ' صفاریہ' سامانیہ حکومتیں قائم ہوگئیں اور اس عظیم الشان سلطنت کے اجزاء منتشر ہونا شروع ہوگئے۔

منصور عباسی کی سیاسی پالیسی اور دستور حکومت پر عباسیوں کا ہمیشہ عمل رہا۔ اس دستور پر ان حکومتوں نے بھی عمل درآمد کیا جو دولت عباسیہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کے بعد وجود میں آئی تھیں۔ پروفیسر نکلسن لکھتے ہیں ''بغداد کو دارالخلافت کے اسباب ومحرکات نے پورے نظام حکومت میں ایک زبردست انقلاب پیدا کر دیا تھا' جو جدید حکومت کے لئے نہایت سودمند ثابت

❶ الادارۃ الاسلامیۃ فی عز العرب: پروفیسر کرد علی محمد بک قاہرہ ''م۔ن'' ۱۹۳۴ء ص ۱۱۹

ہوا تھا۔ اموی حکمران عربوں کے جمہوری نظام کے علم بردار تھے' مگر عباسیوں نے اس شہنشاہی نظام کو اختیار کیا جو عام طور سے مشرق میں رائج تھا' جس سے اہل فارس دارایوس اور اجز رسیس کے زمانہ سے مانوس تھے' یہی وجہ تھی کہ عباسی ان پر مطلق العنانی کے ساتھ حکومت کر سکے جس طرح ان سے پہلے ان پر آلِ ساسان کرتے تھے۔ ❶

ہارون رشید کے زمانہ تک عباسیہ کا نظامِ حکومت استبدادی یا شہنشاہی رہا۔ اگرچہ محکموں کے افسروں اور خاندانِ شاہی کے ممتاز افراد سے غیر سرکاری حیثیت سے اہم معاملات میں مشورہ لے لیا جاتا تھا۔ مگر تمام قوت کا سرچشمہ فرمانروا کی ذات تھی اور مملکت کے نظم ونسق میں اس کو ''اقتدار اعلیٰ'' کی حیثیت حاصل تھی۔ اس دور میں وزیر' خلیفہ کا دایاں بازو خیال کیا جاتا تھا۔ اس کے اہم فرائض واختیارات میں گورنروں کا عزل ونصب' مالیات کا انتظام اور امور خارجہ کی نگرانی داخل تھی' وہ نظم ونسق میں خلیفہ کا قائم مقام ہوتا تھا۔ اور اسے فوجی اور شہری معاملات میں خلیفہ کی طرف سے کلی اختیارات حاصل تھے' خلیفہ اور ریاست کی خیر خواہی اس کا فرضِ منصبی تھا۔ وزراء کے یہ اختیارات وفرائض عباسیہ کے ابتدائی دور میں تھے۔ لیکن جب امتدادِ زمانہ نے یہ ثابت کر دیا کہ اتنی انتظامی ذمہ داریاں تنہا ایک شخص صحیح طور پر انجام نہیں دے سکتا' تو چند محکموں کا اضافہ کر دیا گیا۔ جو وزیر کو ملکی نظم ونسق اور مختلف صیغوں کی دیکھ بھال اور انتظامی امور میں سہارا دیتے۔ ❷

ریاست کا نظم ونسق چند محدود قوانین کی بنیاد پر قائم تھا' جو موجودہ متمدن قوموں کے نظام سے بہت مشابہ تھا' بعض حیثیت سے وہ عہد جدید کے نظام سے زیادہ وسعت نظری کا حامل تھا' حکومتِ عثمانیہ کی طرح عباسیوں کے ہاں بھی حکومت کے تمام چھوٹے بڑے عہدے مسلمانوں' یہودیوں اور عیسائیوں کو بلا کسی تفریق وامتیاز کے دیئے جاتے تھے عباسیہ اور بنی امیہ میں سب سے بڑی مابہ الامتیاز چیز یہ تھی۔ عباسیہ کے بعد مستقبل کی تمام اسلامی سلطنتوں کا یہی دستورِ عمل رہا اور اس مساوات کو انہوں نے کبھی ترک نہیں کیا۔ ❸

گورنروں کو انتظامی معاملات میں خلیفہ کی طرف سے کلی اختیارات حاصل تھے' لیکن مدنی اور عدالتی اختیارات ''مطلق'' نہ ہوتے تھے۔ بلکہ ان پر پابندیاں لگی ہوئی تھیں' اس کا خیال رکھا جاتا تھا

---

❶ مسلمانوں کا نظم مملکت: بحوالہ بالا' ص ۱۸۳

❷ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۱۸۴ ❸ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۱۸۴

کہ گورنر کی میعادِ حکومت طویل نہ ہونے پائے۔ اس محدود مدت میں بھی ان کی طرف سے خطرہ پیدا ہو جاتا تھا تو فوراً معزول کر دیا جاتا تھا اور اسے نظم و نسق اور دوسرے امور کے بارے میں ایک مفصل رپورٹ پیش کرنا پڑتی تھی اور اس کی دیانتداری اور صداقت میں معمولی سا شبہ تمام املاک ضبط کر لینے کے لئے کافی تھا۔ منصور کے عہد میں گورنر کی حیثیت برائے نام تھی' اور خلیفہ کے اشارہ پر گردش کرتا تھا۔ عدالت کے اختیارات قاضی کے ہاتھ میں ہوتے تھے۔ جس کی امداد کے لئے مقامی سربرآوردہ لوگوں کی جیوری مقرر تھی۔ اختیارات کی اس تحدید کے باوجود بعض گورنر اس زمانہ میں بھی خودمختارانہ حیثیت سے حکومت کرتے تھے۔ اس امتیازی حیثیت میں بعض مادی اتفاقات کا دخل تھا۔ ❶

خلیفہ کی حکومت ''دیوانِ عزیز'' کے نام سے منسوب ❷ تھی۔ وزیر اس دیوان کا نگران تھا' محکموں کے افسروں کو بھی ایک زمانہ میں وزراء کہا جاتا تھا۔ یہ وزراء وزیر اعظم کے ماتحت ہوتے تھے۔

معتصم اور واثق کے دور میں نظام حکومت ہارون و مامون کے زمانہ سے مختلف نہ تھا ان کے جانشینوں کے دور میں کوئی بنیادی تبدیلی نہ ہوئی اور منصور کا دستورِ حکومت قائم رہا۔ تیسری صدی ہجری کے نصف اخیر سے خلفاء عباسیہ کی شان و شوکت اور جاہ و جلال کا جنازہ اٹھ چکا تھا۔ مامون کے بعد بیدارِ مغز اور پختہ کار خلفاء کا قحط رہا اور حکومت کے نظام میں ابتری پھیلتی گئی اس انحطاط کا اہم سبب بدنظمی اور محکمۂ عدالت کا ضعف تھا اس وقت گورنروں اور وزیروں کے سرکش جذبات کو اعتدال پر رکھنے والا کوئی نہ تھا۔ ❸

❶ A short History ..... P 408 ❷ ..... P 464.

❸ الادارۃ الاسلامیۃ فی عز العرب: محولہ بالا ص ۱۶۷

باب دوم
فصل اوّل

ادارہ خلافت و اُمارت

ادارہ خلافت و امارت قرآن وسنت کی روشنی میں تحقیقی تجزیہ

خلافت کی لغوی تعریف

لفظ خلافت 'خَلَفَ یَخْلُفُ' بروزن کَتَبَ' یَکْتُبُ کے باب سے مصدر کا صیغہ ہے جیسے کتابت' حفاظت' وقایت وغیرہ۔ اسکا مادہ "خَلْف" ہے جسکے معنیٰ ہیں پچھلی جانب یا بعد میں آنے والی نسل۔ ابن منظور اور امام راغب دونوں نے اسی طرح لکھا ہے اَلْخلف ضدّ قدّام۔ ❶ خلف آگے اور سامنے کی ضد ہے یعنی پیچھے یا پیٹھ کی جانب۔

قرآن کریم میں خلف اسی مفہوم میں بائیس (۲۲) مقامات پر آیا ہے مثلاً

"یَعْلَمُ مَابَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَاخَلْفَهُمْ" ❷

ترجمہ "وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے"

فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً" ❸

ترجمہ "پس آج بچائے دیتے ہیں' ہم تیرے جسم کو (فرعون کی لاش کو) تاکہ تو بعد میں آنے والوں کے لئے اللہ کی نشانی رہ جائے"

پیچھے ہونا وقت اور مکان کے اعتبار سے بھی ہوتا ہے یعنی بعد میں آنا یا پیٹھ کی جانب ہونا' اور مرتبے کے لحاظ سے پیچھے ہونا بھی ہوسکتا ہے' امام راغب لکھتے ہیں۔

"وَالْمتَاَ خِّرُلِقُصُوْرِ مَنْزِلَتِهِ یُقَالُ لَهُ خَلْف" ❹

---

❶ لسان العرب' ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور لأفریقی المصری' بیروت "مکتبۃ السلفیۃ" ۱۳۵۷ھ ص ۸۲ ج ۹۔ وایضاً "مفردات القرآن" حسین بن محمد راغب اصفہانی ایران' المکتبۃ المرتضویۃ" ۱۳۴۲ھ ص ۱۵۵

❷ القرآن: ۲:۲۵۵ ❸ القرآن: ۱۰:۹۲ ❹ مفردات القرآن: امام راغب اصفہانی' محولہ بالا ص ۱۵۵

ترجمہ ''جو شخص مرتبے اور درجے کے اعتبار سے دوسروں سے پیچھے ہو اسکو بھی خلف کہتے ہیں''

نائب چونکہ وقت یا مرتبے کے لحاظ سے منوب عنہ یعنی جسکا نائب ہو۔ اس سے مؤخر ہوتا ہے' اس مناسبت سے خلافت کے معنیٰ ہیں نائب'' اور نائب منوب عنہ کی موت کی وجہ سے بھی بنایا جاتا ہے اور اسکی زندگی میں بھی بنایا جاسکتا پس خلافت اور خلیفہ کے لئے منوب عنہ کی موت شرط نہیں ہے۔

امام راغب لکھتے ہیں'

وخلف فلان فلاناً قام بالأمر عنه إمامعه وإمابعده والخلافة النيّابة عن الغير امّالغيبة المنوب عنه و إمّا لموته وإمّا لعجزه وإمّالتشريف المستخلف وعلى هذاالوجه الاخيراستخلف اللّٰه أولياءَه في الارض ❶

ترجمہ ''فلاں شخص فلاں شخص کا خلیفہ بن گیا یعنی اسکی طرف سے کام کرنے کا ذمہ دار ہوگیا ہے خواہ اسکے ساتھ یا اسکے بعد..... اور خلافت کسی دوسرے کی نیابت کرنا ہے' منوب عنہ کے غائب ہونے کی وجہ سے' یا اسکی موت کی وجہ سے' یا اسکے کمزور اور عاجز ہونے کی وجہ سے یا اس شخص کو بزرگی اور شرافت عطا کرنے کے لئے جسے خلیفہ اور نائب بنایا گیا ہے۔ اسی آخری وجہ یعنی خلیفہ شرافت عطا کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے''

ابن منظور افریقی لکھتے ہیں

''والخلف المتخلف عن الاوّل هالكًا كان اوحيًّا والخلف الباقي بعدالهالك والتابع له ❷

ترجمہ ''خلف اس شخص کو کہتے ہیں جو پہلے کا نائب ہو خواہ وہ پہلا فوت ہو چکا ہو یا زندہ ہو اور خلف اسکو بھی کہتے ہیں جو مرنے والے کے بعد موجود ہو اور اسکا تابع ہو''۔

انسان چونکہ اپنے نفس کا مالک اور خود مختار حاکم نہیں ہے بلکہ خدا کا بندہ ہے اس لئے ہر انسان اس مفہوم کے اعتبار سے خدا کا خلیفہ ہے جو اپنے نفس پر بھی خدا کے احکام نافذ کرنے کا پابند ہے اور اپنے ماتحتوں پر بھی خدا ہی کے احکام نافذ کرنے کا پابند ہے' ائمہ لغت نے اسی لغوی

❶ مفردات القرآن: محولہ بالا ص ۱۵۵ ❷ لسان العرب: ابن منظور افریقی' محولہ بالا ۸۹ ج ۹

مفہوم کی مناسبت سے خلافت کے معنی امارت وحکومت اور خلیفہ کے معنیٰ امیر اور حکمران بھی کیئے ہیں چنانچہ ابن منظورؒ لکھتے ہیں

"والخلافة الامارة وهي الخلّيفىٰ وانه الخليفة بين الخلافة والخليفىٰ' وفي حديث عمرؓ لولا الخليفىٰ لاذنت وقال غيره الخليفة السلطان الأعظم وانشدالفراء

ابوك خليفة ولدته اخرى

وانت خليفة ذاك الكمال ❶

ترجمہ "خلافت کے معنیٰ ہیں امارت اور خلّیفیٰ کے بھی یہی معنیٰ ہیں عرب لوگ کہتے ہیں فلاں شخص خلیفہ ہے یعنی اسکی حکومت ایک کلی حقیقت ہے' حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا اگر خلیفّی یعنی حکومت کی ذمہ داریاں نہ ہوتیں تو میں خود اذان دیتا' بعض دوسرے لوگوں نے کہا ہیکہ خلیفہ ہر حکمران کو نہیں بلکہ بڑے حکمران کو کہا جاتا ہے' امام فرّاء نے اسکے ثبوت کیلئے یہ شعر پڑھا ہے

ترجمہ "تیرا والد خلیفہ یعنی حکمران تھا جس سے دوسرا خلیفہ پیدا ہوا تھا اور تو بھی خلیفہ ہے اور یہی تو کمال ہے۔

مذکورہ لغوی تحقیق سے معلوم ہوا کہ خلافت صرف جانشینی اور قائم مقام ہونے کو نہیں کہا جاتا بلکہ نیابت اور نیابتی حکومت کو بھی خلافت کہا جاتا ہے اسطرح خلیفہ صرف جانشین اور قائم مقام کو نہیں کہا جاتا بلکہ نائب اور نیابتی حکومت کے سربراہ کو بھی خلیفہ کہا جاتا ہے۔

خلافت کی اصطلاحی تعریف

اسلامی سیاست کے ماہرین نے خلافت یعنی اسلامی حکومت کی جو فنی اور اصطلاحی تعریفیں کی ہیں ان میں سے چند تعریفیں قابلِ ذکر ہیں۔

امام ابوالحسن ماوردیؒ (متوفیٰ ۴۵۰ھ مطابق ۱۰۵۸ء) لکھتے ہیں

"الإمامة موضوعة لخلافة النّبوة فى حراسة الدّين وسياسة الدنيا ❷

---

❶ لسان العرب: محولہ بالا ص ۸۳ ج ۹ ❷ الأحكام السلطانية: أبوالحسن ماوردی' مصر' مکتبۃ تجاریۃ' ۱۹۷۳ء ص ۷

ترجمہ ''امامت اسلامی حکومت بنائی جاتی ہے' نبی ﷺ کی نیابت کے لئے' دین اسلام کی حفاظت کیلئے اور دنیا کے نظم ونسق چلانے اوراس کی اصلاح کرنے کی غرض سے''

علامہ ابن عابدین الشامیؒ لکھتے ہیں

رياسة عامة في الدين و الدنيا خلافةً عن النبى ﷺ ❶

ترجمہ ''وہ عمومی ریاست جو دینی اور دنیاوی امور میں نبی اکرمؐ کی نیابت میں کام کرتی ہو''

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلویؒ (متوفی ۱۱۷۶ھ) لکھتے ہیں

هى الرياسة العامة فى التصدى لإقامة الدين ❷

ترجمہ ''خلافت وہ عمومی ریاست ہے جو اقامتِ دین کی جانب عملاً متوجہ رہتی ہو''

ان تعریفوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے صرف تعبیر کا فرق ہے ان تعریفوں کا حاصلِ مراد یہ ہیکہ:۔

''خلافت وہ عمومی ریاست ہے جو رسول اللہ ﷺ کی نیابت میں اقامتِ دین کا کام کرتی ہو''

عمومی سے مراد یہ ہیکہ جس ملک میں یہ خلافت قائم ہوئی ہو اس کے عام باشندوں پر اس کو اختیار حاصل ہو' گھر قبیلے یا خاندان کی حکومت کو اصطلاحاً خلافت نہیں کہا جاسکتا بلکہ اسکے لئے ولایۃِ عامہ شرط ہے۔

امارت کی تعریف

اسلامی حکومت کو حکومت بالادست سے عوام کی شیرازہ بندی کا قانونی اختیار حاصل ہے' جب یہ حکومت امور عامہ کو اپنے ہاتھ میں لیتی ہے اور امت کے افراد کو ان کی رضا کارانہ خوشنودی کے مطابق ہر اچھا کام کرنے کا حکم دیتی ہے اور برے کام کے متعلق امتناعی حکم صادر کرتی ہے تو وہ امارتِ امت اور ''اُمارتِ مؤمنین'' کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔

نظریہ امارت کی ساری عمارت لفظ امر پر قائم ہوتی ہے' امر کے معنیٰ ہیں حکم اور حکم حکومت کا

---

❶ الفتاوی الشامیة: ابن عابدین الشامیؒ کوئٹہ' مکتبۃ رشیدیہ' ۱۹۹۲' باب الامامۃ ص ۵۱۱ ج ۱

❷ ازالۃ الخفاء: شاہ ولی محدث دھلوی' کراچی' قدیمی کتب خانہ' (س۔ن) ص ۱۳ ج ۱

فعل ہے' اسلام کے قانون میں چار الفاظ ایسے پائے جاتے ہیں جن سے امارت کا تصور مأخوذ ہوتا ہے

(۱) امر اللہ (۲) امر النبیؐ (۳) اولوالأمر (۴) امر المسلمین۔

امر اللہ کا لفظ خدا کی حکومت قائم کرنا ہے۔ امر النبیؐ کا لفظ خدا کی حکومت کی ذمہ داریوں کو پیغمبر کے اختیار میں دے دیتا ہے۔ اولوالأمر کے لفظ سے خدا کے ان صالح اور نیک بندوں کی مجلسِ حکومت قائم ہوتی ہے جس کے ہاتھ میں حکومت کا اختیار پیغمبر خدا کے قانونی جانشینوں کی حیثیت سے ہوتا ہے اور امیر المؤمنین اس شخصِ واحد کا سرکاری خطاب بنتا ہے جس کو امیر کہتے ہیں۔ علماء قرآن اور فضلاءِ قانون امارت وحکومت کو بدیہی طور پر ایک ہی سمجھتے ہیں۔ ایک اور خیال کے مطابق امارت ولایت ہے۔ جسطرح خالقِ کائنات سب سے اعلیٰ حاکم ہے اور جو جب بھی کسی کام کے ہوجانے کا حکم دیتا ہے وہ ہوجاتا ہے "کن فیکون ❶" اسکی حاکمیت کی اعلیٰ ترین مثال ہے اسی طرح وہی اختیار اسکے نبی' خلیفہ' امام اور امیر کو بھی کسی نہ کسی صورت میں حاصل ہوتا ہے' چنانچہ حکومت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ فرمانروا ہر کام پر قادر ہو ادھر حکم دے اور ادھر کام ہوجائے حاکمیت کی یہ معراج ہے ❷' اسلامی خلافت وامارت کا مقصد امن قائم کرنا اور ایسے ماحول کی تشکیل ہے' جس میں لوگوں کے حقوق کی حفاظت ہوسکے' یہ صرف دنیاوی سیاست کو ہی مدِ نظر نہیں رکھتی بلکہ دین کی حفاظت اور دیکھ بھال کی بھی ذمہ دار ہے' گویا خلافت سب کو شریعت کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرنے پر آمادہ کرتی ہے لیکن شرعی احکام کے مطابق زندگی گذارنے پر آمادہ کرنے کے لئے ایک فرد کی ضرورت ہوتی ہے جو رئیس اعلیٰ یعنی خلیفہ یا امیر کہلاتا ہے اسکا کام ظلم کو ختم کرکے عدل وانصاف قائم کرنا' امن وامان بحال کرنا قانون الٰہی کی محافظت کرنا اور حدود اللہ کو نافذ کرنا ہے۔ لیکن ان فرائض کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ اسے کچھ حقوق بھی حاصل ہیں' جنھیں اسکے فرائض سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا سب سے بڑا حق یہ ہے کہ لوگ اسکی اطاعت کریں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے

"یاأیّھاالذین آمنوا أطیعوا اللّٰہ وأطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم ❸

---

❶ القرآن:۳۶:۸۲ ❷ اسلام اور جدید سیاسی وعمرانی افکار: اصغر علی شاہ' لاہور' "شیخ محمد بشیر اینڈ سنز" س۔ن ص ۱۴۵

❸ القرآن:۴:۵۹

ترجمہ ''اے ایمان والوں اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو پیغمبر کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں''

دوسری جگہ ارشاد ہے

ثم جعلناك على شريعة من الأمر فاتبعها ولا تتبع أهواء الذين لا يعلمون ❶

ترجمہ ''اس کے بعد اے نبی ہم نے آپ کو دین کے معاملہ میں ایک صاف شاہراہ پر (شریعت) قائم کیا ہے لہذا آپ اسی پر چلیں اور ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کریں جو علم نہیں رکھتے''

اسطرح حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے ''جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی ❷

اولی الأمر یعنی امیر و خلیفہ کی اطاعت پر اس لئے بہت زور دیا گیا ہے کہ امیر و خلیفہ کے فرائض کی بنیاد ہی اس حق پر مبنی ہے کہ وہ صرف اس صورت میں تمام امور کو بہتر طریقوں سے چلا سکتا ہے جبکہ ہر معاملہ میں اسکی بھرپور اطاعت و فرمانبرداری کی جائے۔

امامت

امامتِ کبریٰ، خلافت، امارتِ مؤمنین یہ سب الفاظ ایک ہی معنیٰ کیلئے مترادف الفاظ ہیں، سب کا مفہوم ایک ہی ہے اگرچہ الفاظ مختلف ہیں، علماء نے اس مفہوم سے مراد وہ منصب لیا ہے جسکی حاکمیتِ عامہ دین اور دنیا دونوں پر حاوی ہوتی ہے جس کا کام یہ ہوتا ہے کہ مصالحِ عوام پر نظر رکھے امت کے حالات کا سدھار کرے، دین کی حفاظت کرے سیاستِ دنیاوی کو صحیح اسلوب سے برتے ❸

خلیفہ منتخب کرنے والوں کی شرائط

علماء نے مسلمانوں کے اہل حل وعقد ہونے کے لئے چند شرطیں بیان کی ہیں، ماوردیؒ نے ''الأحکام السلطانیۃ'' میں لکھا ہے کہ جب قیام امامت کا وجوب ثابت ہوگیا تو اسکی فرضیت جہاد

❶ القرآن: ۴۵:۱۸ ❷ حجۃ اللہ البالغہ: شاہ ولی اللہ محدث دھلوی، لاہور ''مکتبۃ السلفیۃ'' ۱۹۷۵ء ص ۴۰۶ حصہ دوم

❸ مسلمانوں کے سیاسی افکار و ادارے: ایس ایم شاہد، لاہور ''نیو بک پیلس'' ۱۹۸۹ء ص ۴۱۶

اور طلبِ علم کی طرح علی الکفایۃ ہے۔ اور جب اسکے اہل و مستحق لوگوں نے اس کو قائم کیا تو تمام لوگوں سے اسکی فرضیت ساقط ہوگئی۔ اور اگر کسی نے قائم نہ کیا تو دو قسم کے لوگ گنہگار ہونگے اوّل اربابِ حل وعقد جو امت کے لئے امام منتخب کریں۔ دوسرے مستحقین امامت کہ ان میں کسی کو امت کے لئے متعین کیا جاسکے انتخاب کا حق رکھنے والوں میں تین شرطوں کا لحاظ رکھا گیا ہے

اوّل ''عدالت'' جو تمام شرطوں کے ساتھ پائی جائے

دوم ''علم'' جس کے ذریعے شرائطِ امامت کا لحاظ رکھتے ہوئے مستحق شخص کا علم حاصل ہو سکے

سوم ''رائے وتدبّر'' کہ اس کے ذریعے تمام مصالح کا لحاظ رکھنے والے واقف کار اور امامت کی صلاحیت رکھنے والے شخص کا انتخاب کرسکیں۔ امام کے شہر میں رہنے والے شخص کو اس پر کوئی فضیلت اور ترجیح نہیں جو اسکے شہر سے باہر ہے اگرچہ عرفاً وشرعاً امام کے شہر کا باشندہ عقدِ امامت کا مالک ہوگیا ہے۔ اس لئے کہ اسکو امام کی موت کا علم سب سے پہلے ہوتا ہے۔ نیز اس لئے کہ امامت کی صلاحیت رکھنے والے اکثر اسی شہر میں رہتے ہیں۔ ان مذکورہ شرائط کا ماخذ سلف کا طرزِ عمل ہے۔ طبری نے کہا ہیکہ ''اب اہلِ اسلام میں دین وہجرت، عقل وعلم اور تجربہ وسیاست کے لحاظ سے وہ منزلت کسی کو حاصل نہیں جو ان چھے حضرات کو حاصل تھی جن سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ کیا تھا۔ ❶

خلیفہ کا انتخاب

اسلام میں خلیفہ (رئیسِ مملکت) کے انتخاب کی کوئی واضح صورت نہیں ملتی جسے لائحہ عمل بنایا جاسکے دراصل اسلامی معاشرہ کی ابتداء کرنے والے رسول اللہ ﷺ تھے۔ جب کفارِ مکہ کے ہاتھوں تنگ آ کر آپؐ نے ہجرت کی اور مدینہ تشریف لائے، یہاں حضور اکرمؐ نے مدینہ کو ایک شہری ریاست کی صورت دی اور مسلمانوں کو سیاسی لحاظ سے منظّم اور یکجا کیا۔ چنانچہ اس ریاست کے حکمران یا بالفاظِ دیگر رئیس اول بھی حضورؐ ہی تھے جنکا انتخاب مسلمانوں نے نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو نبی مقرر کیا گیا آپؐ مسلمانوں کے نہ صرف مذہبی رہنما تھے بلکہ سیاسی رہنما بھی تھے، آپؐ نے مسلمانوں کے سیاسی نظام کو احکامِ الٰہی کے مطابق قائم کیا اور دس سال تک یہ

❶ امامت عظمیٰ: سید محمد رشید رضا مترجمہ ابوالفتح عزیزی کراچی ''محمد سعید اینڈ سنز'' س۔ن ص ۳۳، ۳۴

فرائض سرانجام دیتے رہے۔ آپؐ نے اپنی زندگی میں اپنے جانشین کو نامزد نہیں کیا تھا۔ چنانچہ آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ کی جانشینی کا مسئلہ ایک طوفان کی صورت میں اٹھا۔ انصار مدینہ وہاں جمع ہوئے تاکہ اپنے میں سے کسی کو امیر منتخب کریں۔ ان کا خیال تھا کہ خلیفہ ان میں سے منتخب ہونا چاہئے کیونکہ وہ خلافت کے زیادہ مستحق ہیں۔ انہوں نے مہاجرین کو پناہ دی تھی اور انہی کی بدولت اسلامی دعوت و تنظیمی سرگرمیوں کو تقویت پہنچی تھی۔ یہ خبر جب حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ کو ملی تو وہ بھی وہاں پہنچ گئے اور انصار کے دعوے کے جواب میں یہ کہا کہ مہاجرین اوّلین اشخاص ہیں جو ایمان لائے جسکی بناء پر انھیں شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا تھا اسکے علاوہ وہ حضور اکرم ﷺ کے ہم قوم اور اھلِ خاندان ہیں اور حسب ونسب کے لحاظ سے بھی بڑھ چڑھ کر ہیں اور یہ کہ عرب صرف ان کے مطیع ہو سکتے ہیں۔ جبکہ انصار نے خلیفہ کے لئے حضرت سعد بن عبادہؓ کا نام پیش کیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ اور حضرت بوعبیدہؓ کا نام پیش کر دیا کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو خلیفہ چن لیا جائے۔ اسپر انصار نے یہ تجویز پیش کی کہ ایک خلیفہ انصار سے ہو اور دوسرا مہاجرین سے مگر جھگڑے کو طول پکڑتے دیکھ کر حضرت عمرؓ نے فوراً ہی حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی ❶

حضرت عمرؓ کے بعد حضرت ابوعبیدہؓ اور بشیر بن سعدؓ نے بھی بیعت کر لی۔ اور ان کے بعد مہاجرین و انصار نے بھی بیعت کر لی۔ اس وقت صرف ان لوگوں نے بیعت کی تھی جو وہاں موجود تھے چنانچہ دوسرے روز مسجدِ نبوی میں بیعتِ عام ہوئی اور ان لوگوں نے بھی حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی جو پہلے دن وہاں موجود نہ تھے حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب اور مسجد نبوی میں بیعتِ عامہ کا جائزہ لینے کے بعد ثابت ہوتا ہے کہ ان کا انتخاب بھی شوری کے تحت ہوا تھا اور اس انتخاب میں دونوں گروہوں نے اپنے اپنے امیدواروں کو نامزد کیا تھا۔ اسکے علاوہ وراثتی نظام سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا کیونکہ ان کے انتخاب میں خاصی بحث وتنقید ہوئی تھی ❷

انتخاب کی دوسری صورت جو اسلامی خلافت میں ملتی ہے وہ حضرت عمرؓ کی بیعتِ خلافت ہے ۱۳ھ میں جب حضرت ابوبکرؓ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو اس وقت مسلمان دشمنان اسلام

❶ تاریخ ابن خلدون: علامہ ابن خلدون: مترجمہ احمد حسین الہ آبادی کراچی "نفیس اکیڈمی" ۱۹۸۶ص ۲۱۷ تا ۲۲۱ ج ۱

❷ اسلامی نظامِ حکومت: راشدہ شعیب اسلام آباد" بک پروموٹرز جناح سپر مارکیٹ" طبع اول ۱۹۹۵ص ۷۲

سے برسرِ پیکار تھے۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کو خدشہ ہوا کہ ان کی وفات کے بعد اگر عنانِ حکومت کسی صحیح شخص کے ہاتھ نہ آئی، تو ایسی صورت میں مسلمانوں کی وحدت پارہ پارہ ہو کر رہ جائے گی اور ان میں پھر پہلے کی طرح اختلافات پیدا ہو جائینگے۔ چنانچہ انہوں نے اس اہم کام کے لئے حضرت عمرؓ کو منتخب کیا۔ لیکن سب سے پہلے انہوں نے صاحب الرائے صحابہ کرامؓ سے بھی مشورہ کیا، جن میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت عثمانؓ شامل تھے ان دونوں حضرات نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے سے اتفاق کیا۔ اسکے بعد حضرت ابوبکرؓ نے دیگر مہاجرین وانصار سے بھی دریافت کیا اور انہوں نے بھی آپکی رائے کو پسند کیا۔ اسکے بعد حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو خلیفہ نامزد کرنے کے بارے میں ایک تحریر لکھوائی اور اسے عام لوگوں کے سامنے پڑھوایا۔ اسی دوران میں وہ خود بھی لوگوں کے سامنے آئے اور فرمایا: ''میں نے جس شخص کو تمہارا خلیفہ مقرر کیا ہے کیا تم اسپر راضی ہو؟ میں نے صرف اپنی ہی رائے سے عمرؓ کو خلیفہ نہیں بنایا بلکہ صاحب الرائے حضرات سے مشورہ کرنے کے بعد بنایا ہے اور پھر میں نے کسی اپنے عزیز اور رشتہ دار کو بھی خلیفہ مقرر نہیں کیا''۔ چنانچہ سب نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے سے اتفاق کیا اور حضرت عمرؓ کو اپنا خلیفہ مان لیا اور یوں سیدنا عمرؓ کی خلافت کا انعقاد ہوا ❶ حضرت ابوبکرؓ کا یہ طریقہ کار لائحہ عمل نہیں بنایا جا سکتا۔ یہ طرزِ عمل خطرے سے خالی نہیں۔ گو اس طریقے کی شکل توریث کی نہیں! بلکہ شوریٰ کی ہے۔ تاہم اس صورت میں خلیفہ اپنے جانشین کے انتخاب میں غلطی بھی کر سکتا ہے یا حسنِ ظن سے کام لیکر غیر مستحق کو ولی عہد مقرر کر سکتا ہے۔ یہ حسنِ اتفاق تھا، ورنہ ہر خلیفہ ابوبکرؓ نہیں اور ہر ولی عہد عمرؓ نہیں ہے۔ اس طریقہ کار میں کم از کم غلطی کا احتمال ضرور ہے ❷

انتخاب خلیفہ کا تیسرا طریقہ حضرت عثمانؓ کی بیعتِ خلافت سے ملتا ہے۔ جب حضرت عمرؓ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا اور ان کے بچنے کی کوئی امید نہ رہی، تو صحابہؓ نے آپ سے درخواست کی کہ وہ خلیفہ مقرر کریں، چنانچہ حضرت عمرؓ نے یہ فیصلہ شوریٰ کے سپرد کر دیا اور چھ اشخاص یعنی حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت زبیر بن عوامؓ، حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے نام دیئے کہ ان میں سے کسی ایک کو

---

❶ الکامل فی التاریخ: ابن الأثیر جزری، بیروت ''دار صادر'' ۱۹۶۷ء ص ۲۹۲، ۲۹۳ ج ۲
تاریخ ابن خلدون: علامہ ابن خلدون، محولہ بالا ص ۶۷۰ تا ۶۷۴ ج ۱

❷ مسلمانوں کا نظم مملکت: حسن ابراہیم حسن، مترجمہ مولوی علیم اللہ کراچی ''دار الاشاعت'' (س۔ن) ص ۵۰، ۵۱

خلیفہ مقرر کرلیا جائے' لیکن انہوں نے یہ وضاحت بھی کردی کہ عبداللہ بن عمرؓ خلافت کے امیدواروں میں سے نہیں ہونگے' یہ صرف مشورہ میں شریک ہونگے۔ یہ بھی فرمایا کہ اگر امیدواروں کے ووٹ برابر ہوں تو اس پارٹی کے امیدوار کو خلیفہ لیا جائے جس میں عبداللہ ابن عمرؓ شامل ہوں۔ یہ بھی اعلان کردیا کہ ان میں سے کوئی اگر مسلمانوں کے مشورے کے بغیر امیر بنا تو اسکی گردن ماردی جائے ❶

اس مجلس نے انتخاب کا کام حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے سپرد کردیا کیونکہ انہوں نے اپنا نام واپس لے لیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے عام لوگوں کی رائے معلوم کرنے کے بعد حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور پھر مجمعِ عام نے بھی بیعت کرلی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کا انتخاب بھی شوریٰ کے اصول کے تحت ہوا کیونکہ خلیفہ کے انتخاب کو ایک مجلسِ شوریٰ کے سپرد کردیا گیا تھا' ہر چند کہ خلافت کیلئے کئی امیدوار تھے۔ مجلسِ شوریٰ کی رائے کے بعد رائے عامہ لی گئی تھی اس طرح حضرت عثمانؓ کا انتخاب عمل میں آیا تھا۔

انتخاب خلیفہ کی چوتھی مثال حضرت علیؓ کی بیعت کی صورت میں نظر آتی ہے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ کے ہاتھ پر مدینہ طیبہ میں بیعت ہوئی اور انہیں خلیفہ مقرر کرلیا گیا ❷ چنانچہ اسلامی خلافت کے انتخاب کی یہ چار صورتیں ہیں' جنکا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ چاروں خلفاء کے انتخاب میں اللہ تعالیٰ کا فرمان: وأمرهم شورىٰ بينهم ❸

"یعنی مسلمانوں کا کام آپس کے مشورے سے چلتا ہے" کو نظر انداز نہیں کیا گیا اور ہر انتخاب کی بنیاد باہم مشاورت پر رکھی گئی۔

اسکے علاوہ مختلف زمانوں میں جن مسلم مفکروں نے خلیفہ کے انتخاب کے متعلق جو کچھ نظریات پیش کئے وہ ان چار ہی خلفاء کے انتخاب کے طریقوں پر مبنی تھے۔ الماوردی کے نظریے کے مطابق امام دو طریقوں سے منتخب ہوتا ہے ایک یہ کہ اہل اختیار اسے منتخب کریں اس صورت میں علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے دوسرا یہ کہ سابق امام نے اپنا ولی عہد بنایا ہو۔ ❹ لیکن اسکے لئے

---

❶ اسلامی نظام حکومت نظریہ اور عمل: راشدہ شعیب' محولہ بالا ص ۷۴

❷ تاریخ الرسل والملوک: محمد بن جریر طبری' مصر "دار المعارف" (س۔ن) ص ۱۱۲ ج ۴

❸ القرآن: ۴۲:۳۸ ❹ الاحکام السلطانیۃ: ابوالحسن الماوردی' مصر "مصطفیٰ البابی الحلبی" ۱۹۶۰ ص ۱۴

شرط یہ ہے کہ خلیفہ پہلے یہ دیکھے کہ جس شخص کو وہ اپنا ولی عہد مقرر کر رہا ہے وہ اسکا بیٹا یا باپ تو نہیں' اور اس میں وہ تمام صفات موجود ہیں یا نہیں جو ایک خلیفہ میں پائی جانی ضروری ہیں۔ اگر وہ شخص خلیفہ کا باپ یا بیٹا نہیں تو ایسی صورت میں اسکا ولی عہد مقرر کرنا جائز ہے۔ اگر اس سلسلہ میں اہل حل وعقد کی رائے نہ بھی لی جائے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن بعض علماء کا خیال ہے کہ انکی رائے لینا ضروری ہے' کیونکہ جب تک ولی عہد کی خلافت کو تمام مسلمان تسلیم نہ کرلیں اسکی امامت جائز نہیں ❶

الماوردی کے نزدیک دو شہروں میں دو مختلف امام نہیں ہو سکتے ایسی صورت میں ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ اس امام کی امامت جائز ہوگی جو سابق امام کے شہر سے چنا گیا ہو دوسرے گروہ کے نظریے کے مطابق دونوں اماموں کو امامت سے الگ ہو کر اس کا فیصلہ اہل الرائے کے سپرد کر دینا چاہئے ❷

ابن خلدون کے نزدیک بھی خلیفہ کا انتخاب ارباب حل وعقد ہی کا کام ہے اور اس میں عوام کو رائے دینے کا حق نہیں۔ جہاں تک ولی عہد مقرر کرنے کا تعلق ہے وہ خلیفہ کو پورا اختیار دیتے ہیں کہ وہ اپنا ولی عہد مقرر کرے۔ ان کے اس نظریے کے تحت امام والی امت ہوتا ہے اور وہ اپنی پوری زندگی میں اپنے فرائض وذمہ داریوں کا لحاظ رکھتا ہے چنانچہ اسکے مرنے کے بعد بھی یہ اعتماد بحال رہتا ہے۔ اس لئے اسے یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنا جانشین مقرر کر دے جس پر امت کو ایسا ہی اعتماد اور بھروسہ ہوتا ہے جسطرح اسپر تھا ❸

انتخابِ خلیفہ کے سلسلے میں یہ لازم ہے کہ ارباب حل وعقد پہلے یہ دیکھیں کہ ان کا کوئی شخص اس قابل ہے کہ اسکو امامت کے عہدے پر فائز کیا جاسکے۔ اگر ایسا ہو تو پھر اسکا انتخاب بحیثیت امام جائز ہے۔ لیکن اس شخص کو یہ عہدہ سنبھال لینے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ اور اگر دو اشخاص میں یہ صفات بیک وقت موجود ہوں تو ایسی صورت میں اس شخص کو امام منتخب کرلیا جائے جو عمر میں بڑا ہو۔ اگر ایک شخص میں شجاعت کی صفت موجود ہو اور اسکے مقابلے میں دوسرا شخص علم کی خصوصیت کا مالک ہو۔ تو ایسی صورت میں حالات کے پیشِ نظر فیصلہ کیا جائے۔ اگر ملک میں امن وامان

---

❶ ایضاً: محولہ بالا ❷ اسلامی نظام حکومت نظریہ اور عمل: راشدہ شعیب محولہ بالا ص ۷۶

❸ المقدمۃ ابن خلدون: ابن خلدون' مصر ''المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ'' (س۔ن) ص ۲۴۰

ہوتو ایسی حالت میں عالم شخص کو امام منتخب کرلیا جائے۔ اور اگر امن نہ ہو اور دشمن کے حملوں یا بغاوت کا خطرہ ہوتو پھر اس شخص کو خلیفہ منتخب کرلیا جائے جو شجاع ہو۔ اور اگر ایک شخص کے ہاتھ پر بیعت کرلی گئی ہے لیکن اسکے بعد دوسرا شخص ایسا نکل آتا ہے جو اس سے زیادہ صفات کا حامل ہے تو ایسی صورت میں پہلے شخص کی امامت قائم رہے گی ❶ اگر ایک خلیفہ کی حکومت جم چکی ہے اور قائم ہے اور دوسرا مدّعی کھڑا ہوتو اسکا حکم یہ ہے کہ وہ باغی ہے فرمایا ہے کہ اسکو قتل کردو اگرچہ یہ کتنا ہی اچھا اور افضل اور جامع الشروط ہو اور خواہ خلیفہ اہل ہو یا نا اہل ہو پھر بھی اس باغی سے اور اسکی جماعت سے قتال کرنا جائز ہے بشرطیکہ تبلیغ و دعوت اور دفع شکوک کے بعد بھی باز نہ آئے۔ ایک گروہ علماء نے کہا کہ نہ صرف جائز ہے بلکہ بحکم "فقاتلوا التي تبغي" ❷ واجب ہے۔

"وقد حكى في البحر عن العترة جميعًا ان جهادهم افضل من جهادالكفار إلىٰ ديارهم إذفعلهم في دارالاسلام كفعل الفاحشة في المسجد" ❸

ترجمہ "تمام ائمہ اہل بیت وعترۃ سے منقول ہے کہ ایسے باغیوں سے جہاد کرنا کفار پر حملہ کرنے سے بھی افضل ہے"

---

❶ اسلامی نظام حکومت: محولہ بالا، ص ۷۵، ۷۶ ❷ القرآن: ۹:۴۹

❸ نیل الاوطار: محمد بن علی الشوکانی، بیروت "دار صادر" ۱۹۸۱ء ص ۸۰ ج ۷

فصل دوم

خلیفہ اور امیر کے اوصاف

اسلام میں دنیوی مفادات کو دینی مفادات سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے اسلام میں خلافت سے مراد بھی ایک ایسی طرزِ حکومت ہے، جس میں دین کی حفاظت اور دنیا کی سیاست دونوں کو مدِّنظر رکھا جائے اور انھیں شرعی اصولوں اور قوانین کے مطابق چلایا جائے۔ چنانچہ جو شخص ان شرعی اصولوں اور قوانین کے مطابق دین کی حفاظت کے ساتھ دنیاوی سیاست کا تحفظ کرے گا، اس میں ایسے اوصاف کا ہونا ضروری ہے جو اس اہم کام کی انجام دہی میں اس کے لئے مددگار ثابت ہوں۔ قرآن کی مختلف آیات میں خلیفہ کے اوصاف پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسکے لئے حضور اکرم ﷺ کی احادیث سے بھی ان صفات کا پتہ چلتا ہے جن کا خلیفہ میں ہونا نہایت اہم اور ضروری قرار دیا گیا ہے۔

(۱) خلیفہ کا مسلم ہونا

عنانِ حکومت کو ہاتھ میں لینے کی اوّلین اور اہم ترین شرط مسلمان ہونا ہے قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"یاأیّھاالذین آمنوا أطیعوا اللّٰہ و أطیعوا الرسول و اولی الأمر منکم" ❶

ترجمہ: اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحبِ امر ہوں"

چنانچہ اس آیتِ کریمہ میں لفظ "اولی الأمر منکم" استعمال کیا گیا ہے، جسکے معنیٰ ہیں "جو تم (یعنی مسلمانوں میں سے) اولی الأمر ہوں۔ ایمان والوں سے مراد صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو خدا، اس کے رسول، اس کے فرشتوں اور اسکی نازل کی ہوئی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔ قرآن پاک میں ایک اور جگہ ارشاد ہے

یاأیھاالذین آمنوا لا تتخذوا بطانة من دونکم ❷

---

❶ القرآن:۴:۵۹ ❷ القرآن:۳:۱۱۸

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی جماعت کے علاوہ دوسروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ"۔

اس آیت میں بھی ایمان والوں کو اس بات کی ہدایت کی گئی ہے کہ اپنے معاملات میں کسی دوسرے کو شریکِ راز نہ کریں، یہاں پر دوسروں سے مراد غیر مسلم ہیں یعنی مسلمان اپنے معاملات خواہ سیاسی ہوں یا مذہبی صرف مسلمان ہی کے سپرد کر سکتے ہیں۔

مولانا محمود الحسنؒ دیوبندی اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ صاحب نے اس آیت کی تفسیر و تشریح میں بیان کیا ہے کہ مسلمان اپنے اسلامی بھائیوں کے سوا کسی کو راز دار نہ بنائیں، کیونکہ یہود ہوں یا نصاریٰ، منافقین ہوں یا مشرکین، ان میں کوئی جماعت بھی مسلمانوں کی حقیقی خیر خواہ نہیں، بلکہ یہ لوگ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ مسلمانوں کو بے وقوف بنا کر نقصان پہنچائیں اور ان کو دینی و دنیوی خرابیوں میں مبتلا کریں۔ ❶

قرآن پاک میں ارشاد ہے

"ام حسبتم ان تتركوا ولمّا يعلم الله الذين جاهدوا منكم ولم يتخذوا من دون الله ولا رسوله ولا المؤمنين وليجة" ❷

ترجمہ: کیا تم لوگ یہ گمان کرتے ہو کہ یوں ہی چھوڑ دیے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے تو یہ دیکھا نہیں کہ تم میں سے کون وہ لوگ ہیں جنھوں نے (اس کی راہ میں جان فشانی کی اور اللہ اور رسول اور مؤمنین کے سوا کسی کو جگری دوست نہ بنایا"

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ امتحان کی کسوٹی پر صرف وہی مسلمان پورے اترتے ہیں، جو خدا اور رسولِ خدا اور مسلمانوں کے سوا کسی کو اپنا راز دار نہیں بناتے خواہ وہ ان کا کتنا ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو۔

حضرت ابوبکرؓ فرماتے تھے: "احکام دینی و دنیاوی میں حضورؐ کی جانشین اور پیروی صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قوانین اور اصولوں کی پیروی کریگا، اور خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائے گا"۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں تو امیر المؤمنین کے لقب کو اختیار کیا تھا، یعنی مؤمنوں کا امیر۔

---

❶ تفسیر عثمانی: علامہ شبیر احمد عثمانی ص ۸۳ ❷ القرآن: ۹:۱۶

چنانچہ قرآن پاک کی آیات سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ عنانِ حکومت' خلافتِ اسلامیہ کو صرف وہی شخص اپنے ہاتھ میں لے سکتا ہے' جو مسلمانوں میں سے ہو خدا اور اسکے آخری رسولؐ کا مطیع وفرمانبردار ہو۔

(۲) مرد ہونا

خلیفہ یا امیر کیلئے جو دوسری شرط ضروری قرار دی گئی ہے وہ اسکا مرد ہونا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے

"الرّجال قوّامون علی النسآء بمافضل اللّٰہ بعضھم علی بعض و بماأنفقو من أموالھم" ❶

ترجمہ: "مرد عورتوں پر حاکم ہیں' اس بناء پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت بخشی ہے' اور اس بناء پر کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں"

اس آیت میں اس بات کی وضاحت کردی گئی ہے کہ مرد عورتوں پر قوام ہیں یعنی مردوں کو عورتوں پر اللہ تعالیٰ نے حاکم اور نگران بنایا۔ اسکی دو وجہ بیان کی گئی ہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر علم وعمل میں بڑائی عطاء فرمائی ہے اور دوسری فضیلت اس وجہ سے کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں جیسے مہر' خوراک' رہائش اور پوشاک وغیرہ جیسی جملہ ضروریات کی تکمیل کرتے ہیں۔ آیت کے دوسرے حصّہ میں یہ بات واضح کردی گئی ہے کہ نیک اور صالح عورتیں اپنے شوہروں کی اطاعت شعار ہوتی ہیں۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عورت کا سیاست میں حصہ لینا اس کے فطری دائرہ عمل سے باہر ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے

"وقرن فی بیوتکن ولاتبرجن تبرج الجاھلیۃ الأولیٰ" ❷

ترجمہ: اور اپنے گھروں میں ٹک کر رہا کرو اور گذشتہ دور جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو"

اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں عورتیں بے پردہ پھرتیں اور اپنی زیبائش کا اعلانیہ مظاہرہ کرتی تھیں۔ چنانچہ مسلمان عورتوں کو حکم دیا گیا کہ "گھروں میں قرار پکڑیں اور ایام جاہلیت کی طرح باہر نکل کر اپنی زیبائش کی نمائش نہ کریں" گویا اسلام نے عورت کا مقام اسکا گھر ٹھرایا ہے۔ ایسی صورت میں اس کے لئے سیاست وملک داری میں حصہ لینا ناممکنات میں سے ہے۔

---

❶ القرآن:۴:۳۴ ❷ القرآن:۳۳:۳۳

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے بھی خلیفہ کے مرد ہونے کی اہمیت پر زور دیا ہے ان کے نزدیک عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ خلافت کے عہدے پر فائز ہو کئی احادیث بھی ایسی ملتی ہیں جن میں خلیفہ کے لئے مرد ہونے کی شرط کا اظہار کیا گیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ جب حضور اکرمؐ کو خبر پہنچی کہ ایران والوں نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا بادشاہ بنالیا ہے' تو آپؐ نے فرمایا' وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی جس نے اپنے معاملات ایک عورت کے سپرد کردیئے ہوں'' ❶

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ام المؤمنین حضرت عائشۃ صدیقہؓ ان کے خون کا دعویٰ لیکر اٹھیں' تو ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ نے جو خط ان کو لکھا تھا' اس میں وہ فرماتی ہیں: ''آپ کے دامن کو قرآن نے سمیٹ دیا ہے آپ اسے پھیلایئے نہیں'' اور یہ کہ آپ رسول اللہؐ کو کیا جواب دیتیں اگر وہ آپ کو اس طرح کسی صحرا میں ایک گھاٹ سے دوسرے گھاٹ کی طرف اونٹ دوڑاتے ہوئے دیکھ لیتے۔ ❷

مختصر یہ کہ قرآن پاک اور احادیث کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عورت کو مسند خلافت پر بیٹھنے کا حق حاصل نہیں۔ اس اعتبار سے یہ لازمی ہے کہ وہ مرد ہو۔

(۳) عاقل' بالغ اور ذی علم ہو

خلیفہ کیلئے جو تیسری صفت ضروری قرار دی گئی ہے۔ وہ اسکا عاقل و بالغ ہونا' دانا اور معاملہ فہم ہونے کے ساتھ ساتھ ذی علم ہونا ہے۔ ❸ یہ صفت بھی قرآن کریم سے معلوم ہوتی ہے چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ہے

''ولا تؤ تو االسفهاء أموالكم التي جعل الله لكم قيامًا'' ❹

ترجمہ: اور اپنے مال' جنھیں اللہ نے تمہارے لئے زندگی کے قیام کا ذریعہ بنایا ہے' نادان لوگوں کے حوالے نہ کرو''

---

❶ حجۃ اللہ البالغہ: شاہ ولی اللہ' لاہور ''المکتبۃ السلفیۃ'' ۱۹۷۵ء ص ۴۰۲ ج ۲

❷ اسلامی ریاست: ابوالاعلیٰ مودودی' اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ'' ص ۳۳۲

❸ حجۃ اللہ البالغہ: شاہ ولی اللہ' محولہ بالا ص ۴۰۱ حصہ دوم والیضاً: احکام السلطانیۃ: الماوردی' محولہ سابقہ ص ۱۳ والیضاً: مقدمۃ ابن خلدون: ابن خلدون' محولہ سابقہ ص ۲۲۱

❹ القرآن: ۴:۵

یعنی نادان لوگوں کے ہاتھوں میں ایسے مال کا دینا جو کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لئے سامان معیشت بنایا ہے سراسر کم عقلی ہے۔ چنانچہ عنانِ حکومت بھی صرف انہی لوگوں ہی کے ہاتھوں میں دی جاسکتی ہے جو کہ عقلمند اور دانا ہوں اور جو نظم ونسق حکومت کو چلانے کی صلاحیت رکھتے ہوں اور معاملہ فہم ہوں۔

اسکے علاوہ خلیفہ کے لئے ذی علم ہونا بھی ضروری ہے۔ ابن خلدون کے نزدیک علم کی شرط اس لئے لگائی گئی ہے کہ اگر امام عالم نہ ہوگا اور شرعی احکام سے واقف نہ ہوگا تو وہ ان کو جاری نہ کرسکے گا۔ ❶

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

"وقتل داوٗد جالوت وآتٰه اللّٰه الملك والحكمة" ❷

ترجمہ: "اور داؤد نے جالوت کو قتل کیا' اللہ نے داؤد کو سلطنت اور حکومت سے نوازا اور جن جن چیزوں کا چاہا علم دیا"۔

اس آیت میں حضرت داؤد علیہ السلام کی حکمرانی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ خدا نے ان کی بادشاہت کو نہ صرف مضبوط کیا بلکہ انھیں حکمت بھی عطاء کی یعنی داؤد علیہ السلام بڑے مدبّر اور دانا تھے۔

قرآن پاک میں ایک اور جگہ ارشاد ہے:

"قال اجعلني علىٰ خزائن الأرض إني حفيظ عليم" ❸

ترجمہ: "(یوسف علیہ السلام) نے کہا کہ ملک کے خزانے میرے سپرد کردیجئے' میں حفاظت کرنے والا بھی ہوں اور علم بھی رکھتا ہوں۔"

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان لوگوں کا جو علم رکھتے ہیں اور ان کا جو علم نہیں رکھتے' موازنہ کرتے ہوئے اوّل الذکر کو فوقیت دی ہے فرمایا:

"قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لايعلمون إنّما يتذكر اولوا الألباب"۔ ❹

---

❶ مقدمہ ابن خلدون: ابن خلدون' محولہ بالا ص ۲۲۱ ❷ القرآن: ۲:۲۵۱

❸ القرآن: ۱۲:۵۵ ❹ القرآن: ۳۹:۹

ترجمہ: آپ فرمایئے کہ کیا بھلا علم والے اور بے علم کبھی برابر ہو سکتے ہیں؟ عقلمند لوگ ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں"۔

الفارابی نے بھی خلیفہ کے لئے علم کی صفت کو ضروری قرار دیا ہے ان کے نزدیک خلیفہ کو اس قابل ہونا چاہئے کہ وہ اپنے پیش رو کے زمانے کے قوانین، رسوم، روایات اور طور طریقوں کو با آسانی سمجھتا ہو۔ اور اپنے پیش رو کے زمانے میں جو مملکت کا نظام تھا اسکو بھی با آسانی سمجھ سکتا ہو۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اس میں علم کے صحیح استعمال کی اہلیت کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اسے اس بات میں بھی مہارت حاصل ہونی چاہئے کہ جب کسی مسئلہ کے متعلق کوئی اصول موجود نہیں تو وہ اپنے پیش رو کے زمانے کے قوانین کی روشنی میں خود قانون وضع کر سکے۔ ❶

الماوردی کے نزدیک امام ایسا عالم ہو کہ وہ عام ہدایات اور غیر معمولی واقعات کے وقت اجتہاد کر سکے۔ ❷

ابن خلدون بھی امام کے علم سے بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں: کہ اسکا علم اجتہادی درجے کا ہو نہ کہ تقلیدی حیثیت کا۔ کیونکہ تقلید ایک قسم کا نقص ہے، اور امامت اوصاف و احوال میں کمال چاہتی ہے اس کو نقص سے کیا واسطہ"۔ ❸ لیکن الماوردی، فارابی، شاہ ولی اللہ اور ابن خلدون کے برعکس امام غزالی، علم کو خلیفہ کے لئے ضروری خیال نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کے نزدیک خلیفہ دینی مسائل میں علماء سے مدد لے سکتا ہے، لیکن بایں ہمہ وہ بھی خلیفہ کو علوم شرعی حاصل کرنے کی تاکید کرتے ہیں۔

(۴) عدالت

خلیفہ میں عدالت کی شرط بھی ضروری ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ بلند سیرت، پرہیزگار اور ایماندار ہو اور اپنی زندگی شریعت کے اصولوں کے مطابق بسر کرے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے

"إنّ أكرمكم عند الله اتقاكم" ❹

---

❶ اسلامی نظام حکومت: راشدہ شعیب، محولہ سابقہ ص ۶۵ ❷ احکام السلطانیۃ: الماوردی، محولہ سابقہ، ص ۱۳

❸ مقدمہ ابن خلدون: ابن خلدون، محولہ سابقہ، ص ۲۲۱ ❹ القرآن: ۴۹:۱۳

ترجمہ: تم میں سے سب سے زیادہ معزز اللہ کے نزدیک وہ ہیں' جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہیں۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فضیلت اور بزرگی کا معیار نسب اور دولت نہیں بلکہ تقویٰ اور طہارت ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے خلیفہ مقرر ہونے کے بعد جو خطبہ دیا' اس میں انہوں نے اس بات کی وضاحت کردی اور فرمایا: ''اگر میں نیک کام کروں تو تمہارا فرض ہے کہ میری مدد کرو اور اگر میں کوئی غلط راہ اختیار کروں' تو فرض ہے کہ تم مجھے سیدھے راستہ پر قائم کرو۔ ❶

عدالت سے مراد بلند کردار اور بلند سیرت ہونا ہے۔ اور بلند کرداری میں دیانت کی صفت بھی شامل ہے' تاکہ وہ اس ذمہ داری کا بوجھ اٹھا سکیں۔ دیانت کے بارے میں قرآن پاک میں ارشاد ہے:

ان اللّٰہ یامرکم ان تؤ دوا الامانات الیٰ اھلھا ❷

مسلمانو' اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے خطبے میں راست گوئی کو امانت سے تعبیر کیا اور جھوٹ کو خیانت گردانا۔

بلند کرداری میں انصاف کی صفت بھی شامل ہے۔ اس کے بارے میں ارشاد ہے:

و اذاحکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل ط ❸

اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ۔

تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ نہ صرف حضور ﷺ نے بلکہ خلفائے راشدینؓ نے بھی اپنے کردار اور بلند سیرت کی بدولت دیانت' عدل و انصاف اور خدا ترسی کی بہترین مثالیں قائم کیں۔ حضور ﷺ کی دیانت کا یہ عالم تھا کہ کفار باوجود اس شدید مخالفت کے' جو انھیں آنحضرت ﷺ سے تھی' اپنی امانتیں آپ ہی کے پاس رکھوایا کرتے تھے' اور آپ کو امین کے نام سے پکارتے تھے۔ انھوں نے کبھی بھی عہد و قرار کی خلاف ورزی نہیں کی تھی۔ ❹

---

❶ سیرت النبی: شبلی نعمانی' لاہور'' مکتبہ مدینہ'' ۱۹۸۸ء ص ۴۶۴ ج ۱ ❷ القرآن: ۴:۵۸
❸ ایضاً: حوالہ بالا ❹ سیرت النبی ﷺ: شبلی نعمانی' محولہ بالا ص ۴۶۴ ج ۱

خلیفہ کے اوصاف میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ ظالم' فاسق اور فاجر نہ ہو' بلکہ خداترس ہو۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

واذابتلیٰ ابراھیم ربه بکلمٰت فاتمھن ط قال انی جاعلك للناس اماما ط قال و من ذریتی قال لاینال عھدی الظالمین❶

یاد کرو جب ابراہیم علیہ السلام کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان سب میں پورا اتر گیا' تو اس نے کہا' میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا' اور میری اولاد سے بھی یہی وعدہ ہے۔ اس نے جواب دیا' میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں۔

چنانچہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک ظالم اور فاسق شخص امامت کے منصب پر فائز نہیں ہوسکتا' اللہ نے نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے' کہ وہ ظالم اور فاسق لوگوں کو امام بنانے کا عہد نہیں کرتا۔ گویا فاسق کی امامت باطل ہے اور وہ خلیفہ نہیں ہوسکتا۔❷

(۵) حریص نہ ہو

خلیفہ کے اوصاف میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ حریص اور لالچی نہ ہو۔ اس میں سادگی اور انکساری ہو۔ وہ خدا سے غافل نہ ہو اور خواہش نفس کی پیروی نہ کرتا ہو۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذکرنا و اتبع ھواہ و کان امرہ فرطاً۔❸

اور کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو' جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی اختیار کر لی ہے اور جس کا طریق کار افراط و تفریط پر مبنی ہے۔

یعنی جن کے دل دنیا کے نشے میں مست ہو کر خدا کی یاد سے غافل اور ہر وقت نفس کی خوشی اور خواہش کی پیروی میں مشغول رہتے ہیں' ایسے لوگوں کی اطاعت لازم نہیں ہے۔ خلفائے راشدینؓ نے اپنی پاکیزہ زندگیوں کی بدولت خوفِ خدا اور بے لوث حکومت کی مثالیں پیش

---

❶ القرآن: ۲: ۱۲۴ ❷ حجۃ اللہ البالغۃ: شاہ ولی اللہؒ محولہ بالا ص ۴۰۰ ج ۳ ❸ القرآن: ۱۸: ۲۸

کیں۔ جب حضرت ابوبکرؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو انھوں نے اپنے پہلے خطبے میں کہا: ''اے لوگو! جب تک میں خدا اور رسول کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرو۔ جب میں خدا اور رسول کی نافرمانی کروں، پس میری تم پر کوئی اطاعت واجب نہیں''۔ ایک اور خطبے میں فرمایا: ''میں نے خدا کی قسم، کبھی خلافت کی حرص نہ کی، نہ دن کو نہ رات کو، نہ ظاہر میں اور نہ باطن میں، نہ مجھے اس کا شوق تھا، اور نہ میں نے کبھی پوشیدہ یا علانیہ خدا سے اس کی تمنا کی۔ مگر مسلمانوں میں فتنہ پیدا ہوتے دیکھ کر مجھ سے نہ رہا گیا اور اسے قبول کرلیا۔ مجھے حکومت میں کوئی آرام بھی نہیں ہے۔ اتنا بڑا بوجھ میرے گلے پڑ گیا، جس کے اٹھانے کی بجز تائید الٰہی کے مجھ میں طاقت نہیں ہے'' ❶

قرآن پاک میں ایک اور جگہ ارشاد ہے:

یا داوٗد انا جعلناك خليفة في الارض فاحكم بين الناس بالحق ولا تتبع الهوٰى فيضلك عن سبيل اللّٰه ❷

اے داؤد، ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے، لہٰذا تو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ حکومت کرو، اور خواہش نفس کی پیروی نہ کرو کہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی۔

حضرت عمرؓ نے بھی اپنی بیعتِ خلافت کے بعد جو خطبہ دیا اس میں خدا تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے فرمایا: ''خدایا میرے دل میں حرص ہے۔ لہٰذا مناسب موقعوں پر صرف کرنے کے لیے مجھے فیاض بنادے۔ خدایا میں عبادت گزاری میں کمزور ہوں، میرے دل میں اس کی صورت پیدا کردے'' ❸

امام غزالی نے بھی خلیفہ کی صفات میں خوفِ خدا کی صفت کو لازمی قرار دیا ہے۔

(۶) کفایت

خلیفہ میں کفایت کی صفت کا ہونا ضروری ہے۔ ابن خلدون اس کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''کفایت سے مراد یہ ہے کہ خلیفہ حدود شرعی کے قائم کرنے اور جنگ و جہاد میں شریک ہونے میں بے دھڑک و جری ہو، اور ان کے حالات سمجھنے میں تیز نظر۔ لوگوں کو پوری ذمہ داری

---

❶ تاریخ اسلام: عبدالحلیم شرر، ص ۲۲۱ ج ۱ ❷ القرآن: ۳۸:۲۶

❸ تاریخ اسلام: عبدالحلیم شرر، محولہ بالا ۲۳۰ ج ۱

سے حدودِ شرعیہ کی پابندی اور جہاد میں شرکت پر آمادہ و تیار کرے۔ عصبیت سے خوب واقف ہو اور سیاست سے پورا آشنا ہو تا کہ دین کی حفاظت، دشمنوں سے جہاد، احکامِ دینی کا اجرا اور مکمل مصالح رعایت کی جو ذمہ داریاں امام کے ذمہ رکھی گئی ہیں، ان کو بہ بطریق احسن انجام دے سکے"۔ ❶

کفایت کے نظریے کو کئی دیگر مفکرین نے بھی پیش کیا ہے۔ ابنِ خلدون سے پہلے الماوردی نے بھی خلیفہ کے لیے شجاعت و دلیری کی شرط کو لازمی قرار دیا تھا، تا کہ وہ جہاد کر سکے اور دشمنوں سے ملک کو بچا سکے۔ ابنِ خلدون اور الماوردی کے علاوہ شاہ ولی اللہ نے بھی خلیفہ کے لیے شجاع، بہادر، دلیر اور صاحب عقل و رائے ہونا ضروری قرار دیا ہے۔ ❷

مختصر یہ کہ خلیفہ میں ان خوبیوں کا ہونا ضروری ہے، جن کی بدولت لوگ اس کی اطاعت و فرماں برداری کر سکیں، اور اس کے احکام کو مانیں۔

(۷) اعضا و حواس کی صحت و سلامتی

خلیفہ کے لیے اعضا و حواس کی سلامتی بھی ضروری ہے۔ کیونکہ حکومت کے اہم فرض کو سرانجام دینے کے لیے لازمی ہے کہ اس کے اعضا اور حواس صحیح طور پر کام کر رہے ہوں۔ الماوردی، ابنِ خلدون اور شاہ ولی اللہ نے اس صفت کو خلیفہ کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔ ابنِ خلدون کے نزدیک اگر خلیفہ میں یہ صفت موجود نہیں ہوگی، تو وہ حکومت کے کاموں کو صحیح طریقے سے سرانجام نہیں دے سکے گا۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

وقالوا انی یکون له الملك علینا و نحن احق بالملك منه ولم یؤت سعة من المال ؕ قال ان اللّٰه اصطفه علیکم وزاده بسطة فی العلم والجسم ؕ ❸

وہ بولے، ہم پر بادشاہ بننے کا وہ کیسے حقدار ہو گیا؟ اس کے مقابلے میں بادشاہی کے ہم زیادہ مستحق ہیں۔ وہ تو کوئی بڑا مالدار آدمی نہیں ہے۔ نبی نے جواب دیا، اللہ نے تمہارے مقابلے میں اسی کو منتخب کیا ہے اور اس کو دماغی و جسمانی دونوں قسم کی اہلیتیں فراوانی کے ساتھ عطا فرمائی ہیں۔

چنانچہ اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ کے لیے ذہنی و جسمانی اہلیت کا ہونا ضروری ہے۔

---

❶ مقدمہ ابن خلدون: ابن خلدون، محولہ سابقہ ص ۲۲۱-۲۲۲ ❷ حجۃ اللہ البالغۃ: شاہ ولی اللہ، محولہ سابقہ ص ۴۰۱ ج ۲

❸ القرآن: ۲: ۲۴۷

(۸) دارالاسلام کا باشندہ ہونا

خلیفہ کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ دارالاسلام کا باشندہ ہو۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

والذین امنوا ولم یھاجروا مالکم من ولایتھم من شیئ حتیٰ یھاجروا ❶

رہے وہ لوگ جو ایمان تو لے آئے مگر ہجرت کر کے (دارالاسلام میں) آ نہیں گئے' تو ان سے تمہارا ولایت (دوستی) کا کوئی تعلق نہیں' جب تک کہ وہ ہجرت کر کے نہ آ جائیں۔

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر کوئی شخص اسلام قبول کر لیتا ہے۔ لیکن وہ اس علاقے سے' جہاں کافروں کا تسلط ہے' ہجرت کر کے دارالاسلام میں نہیں آتا' تو ایسی صورت میں اس کا کفار کے ساتھ جو کچھ بھی معاہدہ ہوگا' دیگر مسلمان اس کے پابند نہیں ہوں گے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ایسی صورت میں حکمران (خلیفہ) ان مسلمانوں میں سے ہونا لازمی ہے جو کہ ہجرت کر کے دارالاسلام میں آ گئے ہوں' تا کہ وہ جو بھی معاہدہ وغیرہ کرے' اس کے مسلمان پابند ہو سکیں۔

(۹) خلیفہ کا قریشی ہونا

جہاں تک خلیفہ کے قریشی ہونے کا تعلق ہے۔ اس کے متعلق مختلف زمانوں میں مختلف مفکرین نے الگ الگ آرا قائم کیں' اور اپنی اپنی دلیل کے جواز میں قرآن کریم کی آیات اور حضور ﷺ کی احادیث پیش کرتے رہے۔

لیکن قرآن' یہ کہہ کر تمام نظریات کو باطل کر دیتا ہے:

ان اکرمکم عنداللّٰہ اتقٰکم ❷

تم میں سب سے زیادہ معزز' اللہ کے نزدیک' وہ ہیں جو زیادہ پرہیزگار ہیں۔

ایسی صورت میں خلافت کو کسی ایک خاندان' گروہ یا طبقے کے لیے مخصوص کر دینا سراسر غلط ہے' جبکہ اسلام اونچ نیچ کو ختم کر کے سب کو ایک ہی مرتبے پر لا کھڑا کرتا ہے۔

---

❶ القرآن: ۸:۷۲ ❷ القرآن: ۴۹:۱۳

خلیفہ کی معزولی

اسلام میں مسلمانوں کو خلیفہ کے انتخاب کے سلسلے میں رائے دہی کی پوری اجازت دی گئی ہے۔ قرآن میں جہاں خلیفہ کے انتخاب اور اس کے اوصاف کے بارے میں آیات نازل ہوئیں، وہاں ایسی آیات بھی نازل ہوئیں، جن سے اس بات کی بھی وضاحت ہوجاتی ہے کہ کن حالات اور کن صورتوں میں مسلم ملت، خلیفہ (حکمران) کو معزول کرسکتی ہے اور کن حالات میں ان کی اطاعت لازمی ہوجاتی ہے۔ قرآن کے علاوہ آنحضرت ﷺ کی احادیث بھی اس موضوع پر روشنی ڈالتی ہیں۔ اس کے علاوہ مسلم مفکرین نے بھی اس مسئلے کو اپنی بحث کا موضوع بنائے رکھا، اور ان وجوہ کو بیان کیا جن کی بدولت خلیفہ کو مسندِ خلافت سے برطرف کردینا جائز اور صحیح قرار دیا جاسکتا ہے۔ لیکن شیعوں کے نزدیک مسلمان عوام کو نہ تو خلیفہ کے انتخاب کا حق حاصل ہے اور نہ وہ اسے معزول ہی کرنے کے مجاز ہیں، کیونکہ وہ خلیفہ کو مامور من اللہ سمجھتے ہیں۔ ❶

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں جہاں اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا ہے:

یاایھاالذین اٰمنوا اطیعوا اللّٰہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم۔ ❷

اے لوگو جو ایمان لائے، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب الامر ہوں۔

اس کے ساتھ یہ بھی فرمادیا کہ صاحب الامر کس قسم کے ہوں:

وعد اللّٰہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصٰلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ص ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضٰی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا ط یعبدوننی لایشرکون بی شیأ ط ❸

اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اس طرح زمین میں خلیفہ بنائے جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے، ان کے لیے ان کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کردے گا جسے

---

❶ اسلام کا نظامِ حکومت: حامد لاٗ نصاری، لاہور مکتبہ عالیہ ۱۹۸۷ء ص ۲۵۳، ۲۵۴

❷ القرآن: ۴:۵۹ ❸ القرآن: ۲۴:۵۵

اللہ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے اور ان کی (موجودہ) حالت خوف کو امن سے بدل دے گا بس وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔

چنانچہ ان آیات ہی کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے خلیفہ کی معزولی کے مسئلہ کو بحث کا موضوع بنایا گیا۔ خلیفہ کو مندرجہ ذیل حالات میں معزول کیا جاسکتا ہے:

(ا) معصیت کا حکم دے

خلیفہ کی اطاعت صرف اس صورت میں لازم ہے۔ جب وہ نیکی اور تقویٰ کا حکم دیتا ہے۔ اور اگر وہ معصیت (گناہ) کا حکم دیتا ہے تو ایسی حالت میں اس کی اطاعت لازم نہیں ہوتی۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

وتعاونوا علی البر و التقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان واتقوا اللّٰہ ان اللّٰہ شدید العقاب۔ ❶

جو کام نیکی اور خداترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں سے کسی سے تعاون نہ کرو۔ اللہ سے ڈرو اس کی سزا بہت سخت ہے۔

اسی سلسلے میں آنحضرت ﷺ کی حدیث ہے:

امیر کی بات سننا اور اس کی اطاعت کرنا ہر مسلمان آدمی پر ضروری ہے۔ خواہ وہ پسندیدہ بات ہو یا ناپسندیدہ جب تک کہ وہ معصیت و گناہ کا حکم نہ دے۔ جب معصیت کا حکم کرے نہ سننا ضروری ہے نہ اطاعت۔

شاہ ولی اللہؒ اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''امام یا امیر دو قسم کی مصلحتوں کی بنا پر قائم کیا جاتا ہے جس سے ملت و ملک کا نظام وابستہ ہے اور آنحضرت ﷺ کی بعثت کا بھی مقصد یہی دو چیزیں تھیں یعنی نظام ملت و ملک اور امام و خلیفہ پیغمبر کا نائب اور پیغمبر کے احکام نافذ کرنے والا ہوتا ہے۔ اس لیے امام و خلیفہ کی اطاعت خود اللہ کے رسول کی اطاعت ہے۔ اور امام و خلیفہ کی معصیت و نافرمانی خود اللہ کے رسول کی معصیت و نافرمانی ہے مگر ہاں جب وہ معصیت و گناہ کا حکم کرے تو ظاہر ہے کہ اس میں اس کی اطاعت کرنا اللہ اور اس کے رسول کی

---

❶ القرآن: ۵:۲

اطاعت وفرمانبرداری نہیں' اور نہ وہ رسول اللہ ﷺ کا نائب وخلیفہ ہے'' ❶

خوارج کے نزدیک بھی امام کے لیے اس شرط کا ہونا ضروری ہے۔ ان کے نزدیک امام صرف اس صورت میں اپنے عہدے پر فائز رہ سکتا ہے جب تک کہ وہ احکام شریعت کو نافذ کرتا ہے اور کسی قسم کا گناہ اس سے سرزد نہیں ہوتا۔ اگر وہ ایسا کرنے میں نااہل ثابت ہوتا ہے' تو ایسی صورت میں اس کا نہ صرف معزول کر دینا واجب ہے بلکہ مصلحتِ وقت کے تحت اس کا قتل کر دینا بھی جائز ہے۔ ❷

قرآن پاک میں اس سلسلے میں ایک اور جگہ ارشاد ہے:

ولا تطع منهم آثما او كفورًا ❸

اور ان میں سے کسی بدعمل یا منکر حق کی بات نہ مانو۔

(۲) یادِ خدا سے غافل ہو اور خواہشیں نفس کی پیروی کرے

ولا تطع من اغفلنا قلبهٗ عن ذكرنا و اتبع هواه و كان امرهٗ فرطًا۔ ❹

کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو' جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی اختیار کر لی ہے اور جس کا طریق کار افراط وتفریط پر مبنی ہے۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسے شخص کی خلافت بھی باطل ہے جس کے دل سے خدا کی یاد ختم ہو چکی ہے۔ یعنی وہ خدا سے غافل ہو' اور اپنی خواہش نفس کی پیروی کرتا ہو۔ ❺

(۳) عدالت کی خرابی

اگر خلیفہ ایماندار' نیک اور پرہیزگار نہ ہو اور شریعت کے اصولوں کے مطابق نہیں چلتا' تو ایسی صورت میں اسے مسندِ خلافت سے الگ کیا جا سکتا ہے۔ پھر اگر اپنے اخلاق کو درست کر کے عادل بن بھی جائے تو وہ امام نہیں ہو سکتا' جب تک کہ اس کے ہاتھ پر دوبارہ بیعت نہ کی جائے۔ ❻

---

❶ حجۃ اللہ البالغۃ: شاہ ولی اللہ' محولہ بالا' ص ۴۰۵ ج ۲

❷ ابوحنیفہ: محمد ابوزہرہ معمری' مصر' مکتبۃ القاہرۃ' ص ۲۲۲ ❸ القرآن: ۷۶:۲۴

❹ القرآن: ۱۸:۲۸ ❺ احکام السلطانیہ: الماوردی' محولہ سابقہ' ص ۳۵ ❻ ایضاً: محولہ بالا

ظالم اور فاجر خلیفہ کی معزولی بھی لازم اور جائز ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ میں اس بات کی وضاحت کردی ہے کہ خدا تعالیٰ نے ظالم و فاجر لوگوں کو خلیفہ بنانے کا عہد نہیں کیا۔

(۴) جسمانی نقائص

عنانِ حکومت کو ہاتھ میں لینے کے لیے ذہنی اور جسمانی اہلیت کا ہونا ضروری ہے' لیکن اگر وہ اس کا اہل نہیں رہتا تو ایسی صورت میں اسے معزول کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً پاگل پن کی صورت میں بھی امامت باطل ہوجاتی ہے کیونکہ خلیفہ امورِ خلافت صحیح طور پر سرانجام دینے کے قابل نہیں رہتا۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ یہ دائمی ہو۔ عارضی ہونے کی صورت میں بھی اگر حالتِ جنون کا زمانہ زیادہ طویل ہے تو ایسی صورت میں بھی اسے معزول کیا جاسکتا ہے۔ بینائی ضائع ہونے' بہرا پن اور گونگا پن ہونے کی صورت میں بھی امامت باطل ہوجاتی ہے۔ بعض اعضا کے فقدان سے بھی امامت باقی نہیں رہتی' مثلاً دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں کا نہ ہونا وغیرہ۔ ❶

(۵) دشمن کے ہاتھ گرفتاری

الماوردی نے اپنی کتاب میں چند ایسی صورتوں پر بحث کی ہے' جن کی وجہ سے امامت باطل ہوجاتی ہے' اور خلیفہ کو خلافت سے الگ کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً اگر امام کسی دشمن کے ہاتھ میں قید ہوجاتا ہے' تو اول تو اُمت کا یہ فرض ہے' کہ اسے رہائی دلانے کی کوشش کرے۔ لیکن اگر اس کی رہائی ناممکن ہوجاتی ہے تو ایسی صورت میں اس کی معزولی اور اس کی جگہ دوسرے امام کا تقرر جائز ہوجاتا ہے۔ ❷

خلیفہ کے حقوق و فرائض

اسلامی خلافت کا مقصد امن قائم کرنا اور ایسے ماحول کی تشکیل ہے' جس میں لوگوں کے حقوق کی حفاظت ہوسکے۔ یہ صرف دنیاوی سیاست کو ہی مدِنظر نہیں رکھتی بلکہ دین کی حفاظت اور دیکھ بھال کی بھی ذمہ دار ہے' گویا خلافت سب کو شریعت کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرنے پر آمادہ

---

❶ ایضاً: محولہ بالا' ص ۳۷' ۳۹ ❷ ایضاً: محولہ بالا' ص ۴۰' ۴۱

کرتی ہے' لیکن شرعی احکام کے مطابق زندگی بسر کرنے پر آمادہ کرنے کے لیے ایک فرد کی ضرورت ہوتی ہے' جو رئیس اعلیٰ (خلیفہ) کہلاتا ہے۔ اس کا کام ظلم کو ختم کر کے عدل وانصاف کو قائم کرنا' امن قائم کرنا' قانون کی حفاظت اور حدود اللہ کو قائم کرنا ہے۔ لیکن ان فرائض کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ اسے کچھ حقوق بھی حاصل ہیں۔ جنھیں اس کے فرائض سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا سب سے بڑا حق یہ ہے کہ لوگ اس کی اطاعت کریں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

یاایھاالذین امنوا اطیعوا اللّٰہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم ❶

اے ایمان والو' اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔

آنحضرت ﷺ کی حدیث سے اس آیت کی اہمیت اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے:

جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی ہے۔ ❷

اولی الامر کی اطاعت پر اس لیے زور دیا گیا ہے کہ خلیفہ کے فرائض کی بنیاد اسی ایک حق پر مبنی ہے۔ وہ صرف اسی صورت میں تمام امور کو بہتر طریقوں سے چلا سکتا ہے جب تک اس کی اطاعت وفرمانبرداری کی جائے گی۔

ایک مثالی خلافت کو قائم کرنے اور اس کے نظم ونسق کو چلانے کے لیے ایک خلیفہ کو جو فرائض سرانجام دینے پڑتے ہیں۔ وہ درجہ ذیل ہیں:

(۱) احکام اللّٰہ اور سنت رسولؐ کی اقامت

خلیفہ کے فرائض میں سب سے اہم' حدود اللہ کو قائم کرنا ہے۔ ❸ یعنی خلافت کے تمام امور کو اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت کے مطابق چلانا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

ثم جعلناك على شريعة من الامر فاتبعها ولا تتبع أهواء الذين لايعلمون ❹

اس کے بعد اے نبی' ہم نے تم کو دین کے معاملہ میں ایک ایک صاف شاہرہ (شریعت)

---

❶ القرآن: ۴:۵۹ ❷ حجۃ اللہ البالغۃ: شاہ ولی اللہ' محولہ سابقہ' ص ۴۰۶

❸ احکام السلطانیۃ: الماوردی' محولہ سابقہ ص ۳۲ ❹ القرآن: ۴۵:۱۸

پر قائم کیا ہے۔ لہذا تم اسی پر چلو اور ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو جو علم نہیں رکھتے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

تلك حدود الله فلاتعتدوها و من يتعد حدود الله فاؤلئك هم الظالمون ❶

یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں' ان سے تجاوز نہ کرو۔ اور جو لوگ حدود الٰہی سے تجاوز کریں' وہی ظالم ہیں۔

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ کا اولین فرض اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق امورِ مملکت کو چلانا ہے اور اسلامی قوانین کی حفاظت کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کے نفاذ کے بعد خلیفہ کا دوسرا اہم فرض سنت رسول کی اطاعت ہے' کیونکہ بعض ایسے امور بھی ہیں جن کے متعلق قرآن پاک کوئی حکم نہیں دیتا۔ ایسی صورت میں آنحضرت ﷺ کے فرمان کی اطاعت لازمی ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے:

وما اٰتٰكم الرسول فخذوه وما نهٰكم عنه فانتهوا و اتقوا الله ان الله شديد العقاب۔ ❷

جو کچھ رسول تمھیں دے' وہ لے لو۔ اور جس چیز سے روک دے' اس سے رک جاؤ۔ اور اللہ سے ڈرو' اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

لوگوں کو شریعت کے احکام کے مطابق چلانے کے علاوہ خلیفہ کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ مذہب کی حفاظت بھی کرے۔ اس سلسلے میں کسی شخص کے ذہن میں کوئی غلط بات پیدا ہو تو دلائل سے اس کے شبہ کو دور کرے' تاکہ دین میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔ اس فرض کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ خلیفہ کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ ان لوگوں کو سزائیں دے' جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہوں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہوں:

انما جزاؤا الذين يحاربون الله و رسوله ويسعون فى الارض فسادًا ان يقتلوا او يصلبوا ❸

---

❶ القرآن:۲:۲۲۹ ❷ القرآن:۵۹:۷ ❸ القرآن:۵:۳۳

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لیے تگ و دو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد برپا کریں ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کیے جائیں یا سولی پر چڑھائے جائیں۔

تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ خلفائے راشدینؓ نے نہ صرف لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کے مطابق چلایا بلکہ انھوں نے اپنی زندگیوں کو بھی اعلیٰ نمونہ بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے خطبۂ خلافت میں فرمایا تھا: ''اہل عرب ان اونٹوں کی مثل ہیں جو ساربان کے پیچھے پیچھے جا رہے ہوں۔ ساربان کا کام ہے کہ دیکھتا رہے کہ وہ ان کو کدھر لے جاتا ہے۔ میں پروردگار کعبہ کی قسم اٹھا کر اقرار کرتا ہوں کہ تم کو راہ راست پر لے چلوں گا''۔ ❶

(۲) امن قائم کرنا

خلیفہ کا دوسرا اہم فرض ملک میں امن و امان قائم رکھنا ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر اسلامی حکومت کا مقصد ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اسلام کا اولین فرض دنیا میں امن قائم کرنا اور شر کو ختم کرنا ہے:

ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحها ❷

اور زمین میں فساد برپا نہ کرو جب کہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے۔

ولا تعثوا فی الارض مفسدین ❸

اور دنیا میں خرابی مچاتے مت پھرو۔

ان آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فساد کرنا اور شر کو پھیلانا اسلام میں منع ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں کوئی قوم بھی ترقی کی منازل کو طے نہیں کر سکتی۔ چنانچہ خلیفہ کا یہ فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ ملک میں امن و امان کو قائم کرے' کیونکہ اس کی عدم موجودگی میں کسی بھی حکومت کو قائم نہیں رکھا جا سکتا۔ قرآن پاک نے بھی فسادی لوگوں کو سخت سزا دینے کا حکم دیا ہے۔

(۳) کفر کا انسداد اور جہاد

اسی طرح خلیفہ کا ایک فرض یہ بھی ہے کہ وہ کفر کا انسداد کرے' اسلام کی تبلیغ کرے اور نہ ماننے پر مخالفین اسلام سے جہاد کرے کیونکہ خدا تعالیٰ نے پیغمبروں کو نوع بشری کی ہدایت اور دین حق کی دعوت کے لیے بھیجا تا کہ وہ اس کی سچائی کو دیگر ادیان پر غالب کر دیں:

❶ احکام السلطانیۃ: الماوردی' محولہ بالا ❷ القرآن: ۷:۸۵ ❸ القرآن: ۲۹:۳۶

هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهرهٗ علی الدین کله❶

اس نے اپنے رسولوں کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا' تا کہ اس کی سچائی کو دنیا کے تمام ادیان پر غالب کر دے۔

لیکن یہ کامیابی صرف اس صورت میں ممکن ہے جب مسلمان' اصولِ اسلام کے پوری طرح پابند اور ایمان وتقویٰ کی راہوں میں مضبوط اور جہادِ فی سبیل اللہ میں ثابت قدم رہیں گے۔ چنانچہ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ جہاد کا حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے:

مالکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللّٰه اثاقلتم الی الارضِ.....إلّا تنفروا یعذ بکم عذاباً الیما و یستبدل قوماً غیر کم و لا تضروه شیئاً.....انفروا خفافاً وثقالاً وجاهدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللّٰه ذٰلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون۔❷

تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے اللہ کی راہ میں نکلنے کے لیے کہا گیا' تو تم زمین سے چمٹ کر رہ گئے' کیا تم نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا؟ ایسا ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ دنیوی زندگی کا یہ سب سروسامان آخرت میں بہت تھوڑا نکلے گا۔ تم نہ اٹھو گے تو خدا تمہیں دردناک سزا دے گا اور تمہاری جگہ کسی اور گروہ کو اٹھائے گا' اور تم خدا کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے' وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے.....نکلو' خواہ ہلکے ہو یا بوجھل' اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ' یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جہاد تدبیر حق ہے۔ حکم الٰہی کی تعمیل اور الہام کی اتباع و پیروی ہے۔ اور اس کی تکمیل کے لیے سعی کرنا موجب رحمت الٰہی ہے۔❸

اس سلسلے میں آنحضرت ﷺ کی احادیث بھی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثال' جب تک لوٹ کر گھر نہ آئے' ایسی ہے جیسا کوئی دن بھر روزے رکھے اور رات بھر عبادت کرے اور نماز و روزے سے نہ تھکے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کن حالات میں خلیفہ مسلمانوں کو جہاد کا حکم دے سکتا ہے: خلیفہ ایک تو اس صورت میں جہاد کا حکم دے سکتا ہے' جب کفار خود جنگ کا آغاز کریں' یا جب وہ

❶ القرآن ۶۱:۹ ❷ القرآن ۹:۳۸'۳۹'۴۰ ❸ حجۃ اللہ البالغۃ: شاہ ولی اللہ' محولہ سابقہ ص ۴۵۹ حصہ دوم

مسلمانوں کے ساتھ کیے ہوئے عہد توڑیں یا جب کفار کے ملک میں مسلمانوں کی عورتیں اور بچے ہوں، اور کفار انھیں تنگ کرتے ہوں، یا ایسی صورت میں بھی کفار پر حملہ کیا جاسکتا ہے، جبکہ ان کے حملے کا خوف دامن گیر ہو، یا اس وقت جہاد کا حکم دے سکتا ہے، جب کفار مسلمانوں کو اپنا دین بدلنے پر مجبور کر رہے ہوں۔ پھر اس وقت تک ان کے ساتھ لڑنے کا حکم ہے، جب تک کہ وہ باز نہ آجائیں:

وقاتلوهم حتیٰ لاتكون فتنة ويكون الدين كله لله❶

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، ان کافروں سے جنگ کرو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورا کا پورا اللہ کے لیے ہو جائے۔

اور جنگ کے بعد جو مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آجائے تو خلیفہ کا یہ فرض ہے کہ وہ اسے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تقسیم کرے۔ قرآن کریم میں اس کے متعلق ارشاد ہے:

واعلموا انما غنمتم من شئ فان لله خمسه وللرسول ولذی القربیٰ واليتمیٰ والمسكين وابن السبيل❷

اور جو کچھ مالِ غنیمت تم نے حاصل کیا ہے، اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔

چنانچہ خلیفہ کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ یہ تمام امور اپنے اجتہاد اور تحقیق سے سرانجام دے❸۔ اور جنگی قیدیوں سے وہی سلوک کرے، جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں دیا ہے۔

(۴) معاشرے کی اصلاح

خلیفہ کا سب سے اہم فرض معاشرے کی اصلاح ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر کسی بھی مقصد کا حصول ناممکن ہے۔ اہلِ اقتدار کی تعریف کرتے ہوئے قرآن پاک میں ارشاد ہے:

الذين ان مكنٰهم فی الارض اقاموا الصلوٰة واٰتوا الزكوٰة وامروا بالمعروف و نهوا عن المنكر❹

---

❶ القرآن: ۸:۳۹ ❷ القرآن: ۸:۴۱

❸ حجۃ اللہ البالغۃ: شاہ ولی اللہ، محولہ بالا، ص ۴۷۲ حصہ دوم ❹ القرآن: ۲۲:۴۱

یہ وہ لوگ ہیں، جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔

اصلاح معاشرہ کے ضمن میں ہی ضروری ہے کہ لوگوں میں ایک دوسرے کے لیے خلوص پیدا کیا جائے، امیر و غریب کی تفریق کو ختم کر کے انھیں یکساں حقوق دیے جائیں، انھیں قتل و غارت اور فساد برپا کرنے سے روکا جائے، ان کو نیکی کی تلقین کی جائے اور بدی سے روکا جائے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

انما المؤمنون اخوۃ❶

مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

اور حجۃ الوادع کے خطبے میں آنحضرت ﷺ نے صاف صاف فرمایا تھا:

اے لوگو، میری ان باتوں کو سنو اور خوب سمجھ لو۔ اور جان لو کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اور سب مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ پس مسلمان کے مال میں سے دوسرے مسلمان کو کوئی چیز لینی حلال نہیں ہے سوائے اس چیز کے جو وہ خوشی سے دے اور تم ایک دوسرے پر ظلم کرنے سے باز رہنا❷

اسلام ایک ایسا عادلانہ نظام تشکیل دینے کی تلقین کرتا ہے، جس میں امیر و غریب میں کوئی فرق نہ ہو، قانون کی نگاہ میں سب یکساں ہوں، کسی کو کسی پر فضیلت نہ ہو۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بیعتِ خلافت کے بعد جو خطبہ دیا، اس میں انھوں نے سب سے پہلے یہی فرمایا: ''اے لوگو میں تم پر والی بنایا گیا ہوں، حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں''۔❸

اصلاح معاشرہ میں تیسری اہم بات لوگوں کو قتل و غارت کرنے اور فساد کرنے سے روکنا ہے۔ قرآن پاک میں بار بار تاکید کی گئی ہے کہ ''زمین میں فساد نہ کرو''۔ چنانچہ خلیفہ پر یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو، جو شر پھیلاتے ہیں، ختم کرنے کی کوشش کرے۔ اس فرض کی انجام دہی میں اسے یہ حق بھی پہنچتا ہے کہ وہ لوٹ مار کرنے والے افراد کو قرآن کے ارشادات کے مطابق سخت سزائیں دے❹

---

❶ القرآن: ۴۹:۱۰ ❷ تاریخ الرسل والملوک: طبری، محولہ سابقہ، ص ۵۳۳ ج ۱

❸ سیرت ابن ھشام: ابن ھشام، مترجم محمد اسماعیل پانی پتی لاہور ''مقبول اکیڈمی'' س۔ن ص ❹ القرآن: ۵:۳۳

خلیفہ کا اصلاح معاشرہ کے سلسلے میں یہ بھی فرض ہے کہ وہ لوگوں کو بدی اور برائی سے روکے اور انھیں نیکی کی تلقین کرے۔ انہیں بہتان تراشی اور ایک دوسرے کی عزت اچھالنے سے بھی منع کرے۔ کیونکہ نیکی اور تقویٰ انسانی شخصیت کی تشکیل میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ اور ان کی عدم موجودگی میں، خود پرستی اور فساد جگہ لے لیتے ہیں، جو کہ معاشرے کے لیے سمِ قاتل ہیں۔

(۵) شورائیت

خلیفہ کا یہ بھی فرض ہے کہ تمام کاموں کو سرانجام دینے میں اہلِ الرائے سے مشورہ کرلیا کریں۔ اللہ نے اس سلسلے میں حضور ﷺ کو بھی تلقین کی ہے:

وشاورھم فی الامر❶

اے نبی ان سے معاملات میں مشاورت کرو۔

آنحضرت ﷺ سے ایک بار پھر پوچھا گیا، اگر امت کو ایسا معاملہ پیش آئے کہ اس کے متعلق نہ تو قرآن میں کوئی حکم ہو اور نہ آپ سے ہم نے سنا ہو، تو ہم کیا کریں۔ فرمایا: ''میری امت کے عابد لوگوں کو جمع کرو، اس معاملے کو آپس کے مشورے کے لیے پیش کردو۔ کسی ایک شخص کی رائے سے فیصلہ نہ کرو۔ اس حدیث سے اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ ایسے معاملات، جن کے متعلق قرآن میں واضح حکم آیا ہے یا ان کے متعلق آنحضرت ﷺ کا فرمان موجود ہے، ایسی صورت میں مشورے کی ضرورت نہیں۔ لیکن جن معاملات کے متعلق قرآن اور حدیث خاموش ہوں، ان کے متعلق مشورہ ضروری ہے۔

آنحضرت ﷺ کے علاوہ خلفائے راشدینؓ نے بھی اس کی بہترین مثالیں پیش کیں۔ چنانچہ ایک بار حضرت عمرؓ نے اپنے خطبے میں فرمایا: ''میں تمہارا ہی سا ایک شخص ہوں۔ ہر امر میں تم لوگ اپنی رائے آزادی سے دیا کرو۔❷

(۶) عدل قائم کرنا

عدل قائم کرنا بھی خلیفہ کا اہم فرض ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

---

❶ القرآن: ۳:۱۵۹ ❷ تاریخ اسلام: عبدالحلیم شرر، محولہ سابقہ، ص ۴۸۴ حصہ اول

و اذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل❶

اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل سے کرو۔

فاحکم بینھم بما انزل اللّٰہ و لاتتبع اھواءھم❷

(اے نبی)' تم خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔

خلیفہ کو انصاف کے سلسلے میں اپنی خواہشات کے مطابق فیصلہ کرنے کی بھی ممانعت کی گئی ہے بلکہ اسے حکم دیا گیا ہے کہ وہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق کرے۔ خلیفہ کسی مجرم کو اس کے جرم کی سزا صرف اتنی ہی دینے کا مجاز ہے' جتنا قرآن حکیم میں حکم ہے۔ اور خلیفہ اس وقت تک مجرم کو سزا نہیں دے سکتا' جب تک اس کے خلاف ثبوت نہ ہو۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

ان جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قوماً بجھالۃ فتصبحوا علیٰ مافعلتم نٰدمین❸

اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کرلو' ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ نقصان پہنچا دو اور پھر اپنے کیے پر پچھتاؤ۔

حضور ﷺ نے اپنی زندگی میں عدل و انصاف کی بہترین مثالیں پیش کیں۔ فتح خیبر کے بعد آنحضرت ﷺ نے یہودیوں سے پیداوار کی نصف وصولی کا معاہدہ کیا' جس کی بنا پر یہودی آپ ﷺ کے انصاف کی تعریف کرتے تھے۔❹ بنی جذیمہ کی جنگ میں ان کے ہتھیار ڈال دینے کے باوجود حضرت خالد بن ولیدؓ نے چند لوگوں کو قتل کرا دیا' چنانچہ حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو خون بہا ادا کرنے کے لیے روانہ کیا۔❺

غیر مسلم رعایا سے بھی انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس بات کی تلقین کی گئی ہے کہ ان کے ساتھ کیے گئے معاہدوں کو پورا کیا جائے' ان کے جان و مال کی حفاظت کی جائے اور ان سے جزیہ صرف اس صورت میں وصول کیا جائے' جب ان کے جان و مال کی حفاظت کی گئی ہو۔

---

❶ القرآن: ۵۸:۴ ❷ القرآن: ۴۸:۵ ❸ القرآن: ۶:۴۹

❹ تاریخ طبری: ابن جریر طبری' محولہ بالا' ص ۴۵ ❺ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۴۵۰' ۴۵۱

حضرت عمرؓ کے عہد میں جنگ یرموک کے موقع پر جو انصاف، حمص کے عیسائیوں کے ساتھ کیا گیا اس کی مثال نہیں ملتی۔ فوج کی کمی کے باعث جب مسلمان لشکر حضرت ابوعبیدہؓ کی سرکردگی میں حمص کو چھوڑ کر دمشق میں آیا تو عیسائیوں کو جزیے کی رقم واپس کر دی گئی۔ ان سے جزیہ اس شرط پر لیا گیا تھا کہ ان کے جان و مال کی حفاظت کی جائے گی۔ چونکہ حمص چھوڑ کر ان کی حفاظت ممکن نہ تھی اس لیے انھیں رقم واپس لوٹا دی گئی۔ ❶

مختصر طور پر یہ کہ اسلامی مملکت کے بہترین نظم و نسق کے لیے ضروری ہے کہ خلیفہ اپنی حکومت کی بنیاد عدل و انصاف پر رکھے۔

(۷) امور سلطنت کی نگرانی

خلیفہ پر یہ بھی فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ خود امورِ سلطنت کی نگرانی کرے اور تمام واقعات سے باخبر رہے۔ ❷ دیانتدار لوگوں کو حاکم و عامل مقرر کرے، ملکی مالیات اور اقتصادیات کی نگرانی بھی خلیفہ کے امور میں داخل ہے۔

خلیفہ کی امورِ سلطنت میں عدم دلچسپی، ایک ایسی صورتِ حال پیدا کر سکتی ہے، جس میں ظلم اور بے انصافی کا دور دورہ شروع ہو جاتا ہے اور مملکت تباہ ہو کر رہ جاتی ہے۔

خلافت کا خاتمہ

خلافت، خلفائے راشدینؓ کے عہد میں

اسلام میں خلافت کا آغاز حضور ﷺ کی وفات کے بعد، حضرت ابوبکرؓ کے خلیفہ منتخب ہونے کے ساتھ ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے بالترتیب مسند خلافت کو سنبھالا تھا۔ اور چاروں کا عہد حکومت خلافت راشدہ کہلاتا ہے۔ اسلام نے جس معاشرے کے وجود کی تلقین کی ہے، اور جن اوصاف کو اسلامی ریاست کے لیے ضروری قرار دیا ہے، وہ اس عہد میں پائے جاتے تھے۔ انھوں نے خلافت کو احکام الٰہی اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کے مطابق چلایا اور بہترین سیاسی اور مذہبی رہنما ہونے کی مثالیں قائم کیں۔ یہ کہنا غلط نہیں

❶ تاریخ اسلام: عبدالحلیم شرر، محولہ سابقہ، ص ۲۴۵ ج ۱ ❷ الاحکام السلطانیۃ: الماوردی، محولہ بالا، ص ۳۳

کہ خلافت اپنے صحیح معنوں میں صرف اسی دور میں قائم رہی۔ اس کے بعد کے زمانے کے ساتھ ساتھ خلافت کے اس مفہوم کا خاتمہ ہوگیا' جس کی ابتدا حضرت ابوبکرؓ سے ہوئی تھی۔

خلافت راشدہ ایک شورائی خلافت تھی' جس میں رائے عامہ کو بہت اہمیت دی گئی تھی۔ مملکت کے دیگر امور کو سرانجام دینے میں بھی مشورے کو نظرانداز نہیں کیا جاتا تھا۔ خلفائے راشدینؓ خود میں اور دیگر مسلمانوں میں کوئی فرق نہیں سمجھتے تھے۔ لوگوں کو تنقید اور اظہار رائے کی پوری آزادی تھی۔ وہ بیت المال سے صرف اتنی رقم ہی لیتے تھے' جن سے ان کی گزر بمشکل ہوسکتی تھی۔ خلافت کو چلانے کے سلسلے میں ان کی جو پالیسی ہوتی تھی' اس کا اندازہ ان کے خطبوں سے ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے خطبہ خلافت دیتے ہوئے فرمایا تھا:

> جو شخص تم میں کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے۔ اور میں انشاء اللہ اس کا حق اسے دلوادوں گا۔ اور جو شخص تم میں سے قوی اور زبردست ہے وہ میرے نزدیک ضعیف اور کمزور ہے۔ میں انشاء اللہ اس سے لوگوں کا حق لوں گا۔ جو اس نے جبراً لے لیا ہے..... اے لوگو' جب تک میں خدا اور رسول کی اطاعت کروں' تم میری اطاعت کرو' اور جب میں خدا اور رسول کی نافرمانی کروں' پس میری تم پر کوئی اطاعت واجب نہیں۔ ❶

اس طرح حضرت عمرؓ نے خطبہ خلافت دیتے ہوئے فرمایا:

> خداوند' میں سخت ہوں۔ مجھے اپنے فرمانبردار بندوں کے حق میں اس طرح نرم کردے کہ تیری خوشنودی اور عاقبت میں کامیابی کے لیے حق کی پیروی کرتا ہوں' اور اپنے دشمنوں اور بدکاروں کے حق میں مجھے اس حد تک سخت رکھ کہ میرے ہاتھ سے ان پر ظلم نہ ہونے پائے۔ خدایا' میرے دل میں حرص ہے۔ پس مناسب موقعوں پر صرف کرنے کے لیے مجھے فیاض بنادے' مگر اتنا بھی نہیں کہ اسراف وفضول خرچی کروں.....؟

حضرت عثمانؓ نے جو خطبہ دیا وہ یہ تھا:

> سنو میں پیروی کرنے والا ہوں' نئی راہ نکالنے والا نہیں ہوں۔ جان لو کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنے کے بعد تین باتیں ہیں' جن کی پابندی کا میں تم

---

❶ سیرت ابن ھشام: ابن ھشام' محولہ بالا' ص ۶۱۵

سے عہد کرتا ہوں۔ ایک یہ کہ میری خلافت سے پہلے تم نے باہمی اتفاق سے جو قاعدے اختیار کیے تھے ان کی پیروی کروں گا۔ دوسرا یہ کہ جن معاملات میں پہلے کوئی قاعدہ مقرر نہیں ہوا ہے ان میں سب کے مشورے سے اہل خیر کا طریقہ اختیار کروں گا۔ تیسرا یہ کہ تم پر سے اپنے ہاتھ روک رکھوں گا۔ جب تک تمہارے خلاف کوئی کارروائی کرنا قانون کی رو سے واجب نہ ہو جائے۔

حضرت علیؓ نے بھی اپنے پیش رو خلفائے کرامؓ کی پالیسی کو اختیار کیا تھا۔ انھوں نے بھی اپنے مقرر کردہ گورنروں اور والیوں کو اللہ کی کتاب اور سنتِ رسول کے مطابق عمل کرنے کی تلقین فرمائی تھی۔

خلافت، بنو امیہ کے عہد میں

خلافت راشدہؓ کے خاتمے کے بعد عنانِ حکومت بنی امیہ کے ہاتھ میں آئی۔ اسی عہد میں خلافت نے ملوکیت کا رنگ اختیار کرلیا۔ اس تبدیلی کا آغاز حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ہوا۔ حضرت عثمانؓ پر یہ بے جا الزام لگایا گیا تھا کہ انھوں نے حکومت کے تمام اہم عہدوں پر اپنے رشتہ داروں کو مقرر کردیا تھا، جن میں بیشتر نااہل اور ناتجربہ کار تھے اور اس کے ساتھ ہی انھوں نے بیت المال میں بے جا تصرف کیا اور اپنے عزیزوں میں بے دریغ دولت تقسیم کی، چنانچہ مخالفت نے سر اٹھایا۔ جس کا نتیجہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی صورت میں ظاہر ہوا، جس نے ایک اور مسئلہ کی صورت اختیار کرلی کیونکہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت معاویہؓ، جو حضرت عثمانؓ کے رشتہ دار تھے، عرصہ دراز سے شام کے گورنر تھے، خونِ عثمانؓ کا دعویٰ لے کر اٹھے اور حضرت علیؓ کی خلافت کو ماننے سے انکار کرتے ہوئے اپنی خودمختاری کا اعلان کردیا۔ مزید یہ کہ صفین کے مقام پر حضرت علیؓ کے خلاف صف آرا ہوئے۔ اسی معرکہ کے دوران تحکیم کا واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے خوارج کے فتنے نے سر اٹھایا، جس کے لیے انھیں ''جنگ نہروان'' لڑنی پڑی۔ اس کے ساتھ ہی حالات نے کچھ ایسی صورت اختیار کرلی کہ حضرت علیؓ، امیر معاویہؓ کے اقتدار کو ختم نہ کرسکے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ امیر معاویہؓ نے مصر پر بھی قبضہ کرلیا۔ اب حضرت علیؓ کی خلافت صرف عراق و ایران تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ امیر معاویہؓ کے خلاف

کوئی مؤثر قدم اٹھاتے ان کو ایک خارجی نے شہید کر دیا۔ ❶

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی گئی' لیکن بعد میں وہ امیر معاویہؓ کے حق میں اس سے دست بردار ہو گئے تا کہ مسلمانوں کے درمیان قتل و غارت کو ختم کیا جائے۔ اس طرح امیر معاویہؓ نے مسند خلافت کو سنبھالا اور بنوامیہ کی حکومت کا آغاز ہوا' اور اس نظام کا خاتمہ ہو گیا جس کی بنیاد خلفائے راشدینؓ کے عہد میں رکھی گئی تھی۔ درویشی اور سادگی کی جگہ شانِ وشوکت نے لے لی' شوریٰ کے نظام کا خاتمہ ہو گیا اور خلیفہ کی حیثیت ایک مطلق العنان حکمران کی سی ہو کر رہ گئی۔ امیر معاویہؓ نے اپنی زندگی میں ہی اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد مقرر کر کے عالمِ اسلام سے اس کے حق میں بیعت بھی لے لی۔ اس سے مقصد انکا امت کو انتشار و افتراق سے بچانا اور امت کی خیر خواہی تھی جسکی تفصیل اگلی فصل میں آئیگی بہر حال اسطرح گویا موروثی نظام کا آغاز ہوا' اور ملوکیت نے جنم لیا۔ چنانچہ بنوامیہ کے عہد میں یہ معمول رہا کہ خلیفہ اپنی زندگی میں ولی عہد مقرر کر دیتا تھا اور ممتاز افراد اور بڑے بڑے جنرلوں سے اس کی بیعت' اپنے سامنے لے لیتا۔ یزید بن معاویہؓ کے عہد میں شریعت کی حدود کو توڑنا اور سیاست کو دین پر فوقیت دینا' انتہا کو پہنچا۔ یزید کے بعد اس کا بیٹا معاویہ نامی خلیفہ مقرر ہوا' لیکن خلافت سے دست بردار ہو گیا۔ اس طرح خلافت مروان بن حکم' عبدالملک بن مروان' ولید بن عبدالملک اور سلیمان بن عبدالملک سے ہوتی ہوئی حضرت عمر بن عبدالعزیز تک پہنچی۔ ان کے بعد خلافت یزید اور ہشام بن عبدالملک کے ہاتھوں میں یکے بعد دیگرے آئی۔ ہشام کی وفات کے بعد ولید بن یزید اور یزید ثالث اور ابراہیم خلیفہ ہوئے' جن کے عہد میں بنوامیہ کی حکومت بالکل کھوکھلی ہو کر رہ گئی' چنانچہ جب مروان بن محمد خلیفہ ہوا تو خلافت کو چاروں طرف سے مختلف شورشوں نے گھیر لیا۔ اس کے قتل کے بعد بنوامیہ کی خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔

خلافت' بنوعباس کے عہد میں

بنوامیہ کے خاتمہ پر خلافت' بنوعباس کے ہاتھ میں آئی۔ ان کے عہد میں خلافت کا مفہوم بالکل ہی بدل کر رہ گیا۔ ان کا خیال تھا کہ انھیں خلافت کا حق اللہ کی طرف سے حاصل ہے اور وہ

❶ تاریخ اسلام: اکبر شاہ خان نجیب آبادی' کراچی' نفیس اکیڈمی' ۱۹۶۰ء ص ۵۶ ج ۱

شخص حکومت کا حق نہیں رکھتا جس کا تعلق شاہی خاندان سے نہ ہو❶۔

اس عہد میں بادشاہ کو مملکت کے کلی اختیارات حاصل تھے۔ مملکت کا ہر معاملہ اور ہر کام ان کی مرضی کے مطابق سرانجام دیا جاتا تھا۔ ایک سے زیادہ ولی عہد مقرر کرنے کی جس رسم کا آغاز بنوامیہ کے عہد میں ہوا تھا' وہی رسم بنوعباس کے عہد میں بھی جاری رہی۔

خلافت کا خاتمہ

خلافت عباسیہ عروج وانحطاط کی منازل طے کرتی ہوئی ۶۵۶ ہجری میں ختم ہوگئی۔ اس کے ساتھ ہی خلافت کے قدیم نظام کا خاتمہ ہوگیا۔ اس خلافت کے دورآخر میں خلفا کی کمزوری اور ان کے اقتدار کے ختم ہونے کی وجہ سے کئی دیگر خلافتیں بھی قائم ہوگئی تھیں۔ مصر میں فاطمی خلافت اور اندلس میں اموی خلافت قائم ہوچکی تھیں۔ یہ خلافتیں اتنی طاقت حاصل کرچکی تھیں کہ عباسی خلفا کی' ان کی نظر میں' کوئی وقعت نہ رہی تھی۔ فاطمی خلافت کے بعد مصر میں ملوکوں کی حکومت کا آغاز ہوا' تو انھوں نے لوگوں کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے عباسی خاندان کے ایک فرد احمد بن امام ظاہر کو مصر بلا کر مختلف طریقوں سے اس کے لیے بیعت حاصل کی❷۔ لیکن اب خلیفہ کو سیاست میں حصہ لینے کا کوئی حق نہیں رہا تھا اور اس کا تعلق مذہب تک ہی محدود ہوکر رہ گیا تھا۔ یہ نظام' سلطان سلیم اول کی تسخیر مصر تک قائم رہا۔❸

سلیم اول نے جب مصر کو فتح کیا تو وہاں خلافت عثمانیہ کا آغاز ہوا۔ ان کے دور میں' حکمرانوں نے امام یا امیر المومنین کا لقب اختیار کرنے کی بجائے بادشاہ کا لقب اختیار کیا۔ ۱۸ویں صدی عیسوی میں انھوں نے خلیفہ کا لقب سیاسی اغراض کے لیے استعمال کیا تھا۔ ۱۹ویں صدی میں خلافت عثمانیہ بھی زوال کا شکار ہوگئی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد جب حالات اور خراب ہوگئے تو ''مجلس وطن کبیر'' نے سلطنت عثمانیہ کو ختم کردیا اور جمہوریہ ترکیہ کا اعلان کیا۔ اس طرح اس خلافت کا خاتمہ ہوگیا جس کا آغاز حضورؐ کی وفات کے بعد ہوا تھا۔ اور جس کی عنان مختلف زمانوں اور ادوار میں مختلف خاندانوں کے ہاتھ میں رہی۔ اسکا تفصیلی تجزیہ بھی اگلی فصل میں پیش کیا جائے گا۔

---

❶ مسلمانوں کا نظم مملکت: حسن ابراہیم حسن' مترجم مولوی علیم اللہ کراچی' ''دارالاشاعت'' س۔ن ص ۴۹

❷ تاریخ ابن خلدون: بحولہ سابقہ' ص ۴۱۴ حصہ چہارم ❸ مسلمانوں کا نظم مملکت: بحولہ بالا' ص ۱۳۱

فصل سوم

''نظام خلافت و امارت کا تاریخی ارتقاء عہد بہ عہد''

(از ۱۱ھ تا ۶۴۰ھ یعنی آغاز سے عہدِ عباسی کے اختتام تک)

اسلام کے نظامِ سیاسی سے ہماری مراد نظامِ خلافت امارت ہے۔ ہم اپنی اس بات چیت کو اسی تک محدود رکھیں گے اور اس کے عہد بعہد کے تصورات و تغیرات سے بحث کریں گے۔ یہاں یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ ہم سیاسی عمل سے اصول اخذ کریں گے اور اپنی جانب سے اصولِ موضوعہ قائم کر کے عمل سیاست کاری کو اس کے پیکر میں ڈھالنے کی کوشش نہیں کریں گے' ہم امتِ مسلمہ کے تعامل اور ہر عہد کے سیاسی اعمال و اوضاع سے اصول مستنبط کرنے کی امکانی سعی کریں گے۔

قرآن مجید میں خلافت سے متعلق کوئی مکمل ضابطہ اور جامع اصول موجود نہیں ہے' اور یہ کوئی تعجب کی بات بھی نہیں ہے' کیونکہ قرآنِ مجید انسانوں کے اخلاق اور ان کے عقائد و عبادات کی تنزیہہ و تزکیہ اور ایک صالح معاشرہ کے قیام کے لئے نازل کیا گیا ہے۔ اسلام کی تعلیمات کا بنیادی مقصد ایک اعلیٰ و ارفع معاشرہ کا انصرام و انتظام ہے۔ یہ معاشرہ ایسا ہو جہاں محاسنِ اخلاق کی آبیاری کی جاتی ہو اور جہاں لوگ صحیح عقائد اور منصفانہ طرز بود و ماند کے اصول پر کاربند ہوں۔ یہ معاشرہ دنیا میں بھلائی (معروف) کو پنپنے اور برائی (منکر) کو روکنے میں سرگرم ہو اہلِ ایمان اس کے لئے ذمہ دار ہوں اور اہلِ عالم کے اعمال و افعال پر شاہد عدل بھی ہوں ❶۔ یہی سبب ہے کہ قرآن مجید میں خلیفہ کے انتخاب' اس کے اوصاف' اسے منتخب کرنے والوں کے اوصاف' حکومت' اس کے محکموں وغیرہ کے متعلق کوئی بلاواسطہ ذکر نہیں ہے۔ ان قرآنی آیات سے جو ایک عالمی معاشرہ کے قیام کے متعلق نازل ہوتی ہیں' ہم کچھ قواعد اور اصول ضرور مستنبط کر سکتے ہیں۔ اور چونکہ ایک صالح و کارگزار معاشرہ کے بارے میں اسلام جو کچھ چاہتا ہے' اس میں ''سیاسی قوت'' بھی شامل ہے' اور وہ اس لئے کہ اس کے بغیر کسی بھی معاشرہ کی بقاء ممکن نہیں ہے۔ یوں قرآنِ مجید میں ہمیں سیاست کاری کے اصول مل جاتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان

❶ القرآن: ۲: ۱۴۳۔ ایضاً: ۳: ۱۱۰' ۱۵۹۔ وایضاً: ۴: ۵۹ وایضاً: ۲۲: ۴۱۔ وایضاً: ۲۴: ۵۵۔ وایضاً: ۴۲: ۳۸۔

کو دوسرے حیوانات کے مانند پابند اور بے اختیار نہیں پیدا کیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی اسے بہت زیادہ بااختیار بھی نہیں بنایا ہے۔ اسے عقائد صحیحہ اور محاسن اخلاق پر عمل پیرا ہونے کا پابند بھی کیا گیا ہے اسے یہ اختیار دیا گیا ہے کہ اللہ کے مقرر کردہ حدود میں رہتے ہوئے اپنے معاملات کو سرانجام دے اور اپنے لئے ایک عادلانہ نظام سیاست کاری وضع کرے۔ سیاست کاری کی تاریخ انسانی ارتقاء کی تاریخ کے تابع ہے۔ اس بناء پر ایسا ممکن نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اہلِ اسلام کو کسی مخصوص اصولِ سیاست کاری کا پابند کر دیتا اور وہی اصول ہر دور اور ہر حال میں نافذ العمل قرار پاتا۔ یہ حقیقت ہے کہ انسان جو پہلے تھا وہ آج نہیں ہے اور وہ جیسا آج ہے' کل ویسا نہیں رہے گا۔ چونکہ انسانی معاشرہ ترقی پذیر ہے اور اس کی تاریخ تغیر پذیری اور خوب سے خوب تر کی تلاش کی ایک طویل اور غیر مختتم داستان ہے' اس لئے اگر اسلام ایک مخصوص نظام حکومت و مملکت پندرہ سو (۱۵۰۰) سال پہلے متعین کر دیتا' تو تمام انسانی ترقیاں رک جاتیں اور تہذیب و تمدن کا ارتقاء ممکن نہ رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ سیاست کاری کے نظام کے وضع کرنے کا اختیار اسلام نے اپنے ماننے والوں کو دیا ہے❶۔ اس طریقے سے نوعِ انسانی کو بہت سے فوائد حاصل ہوئے مگر اس کی خام خیالی اور بشری کمزوریوں سے کچھ نقصان بھی پہنچے۔ ہماری تاریخ کے طالب علم کو یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد مسلمانوں میں سب سے پہلا اختلاف اس مسئلہ خلافت و جانشینی رسول ﷺ سے متعلق پیدا ہوا۔ اور یہی وہ سب سے اہم مسئلہ تھا جو بعد میں اسلامی فرقوں کے وجود میں آنے کا سب سے بڑا سبب ٹھہرا❷۔ یہ ابتدائی سیاسی اختلافات' سیاسی احزاب کی صورت میں ظاہر ہوئے اور مخصوص سیاسی اہواء و اغراض رکھنے والے لوگ ایک ''حزب'' یا گروہ کہلائے۔

مگر جلد ہی یہ سیاسی دھڑے بندی مذہبی فرقہ میں بدل گئی۔ اور اپنے کو دوسروں سے ممتاز کرنے کی کوشش میں مفروضہ و مزعومہ اختلاف پیدا کئے گئے۔ فروعی تنازعات کھڑے کر کے اپنے علیحدہ تشخص کے لئے جواز پیدا کیا گیا۔ پھر بتدریج ان فروعات کو اصول میں تبدیل کر دیا گیا' اور انہیں اسلام کے اساسی ارکان و عقائد کے مماثل قرار دیا گیا❸۔ حتیٰ کہ ''توحید باری'' پر

---

❶ المقدمۃ ابن خلدون: ابن خلدون' مصر ''التجاریۃ الکبریٰ'' (س۔ن) ص ۱۹۲

❷ الملل والنحل: محمد بن عبدالکریم الشہرستانی' مصر' مطبعۃ الازھر ۱۹۷۰' ص ۲۴ تا ۲۷ ج ۱

❸ الملل والنحل: محولہ بالا' ص ۱۴' ۱۵' ۱۶

بھی حرفی و فرضی اختلافات رائے کا اظہار کیا گیا ہے۔ معتزلہ اور ان کے مخالفوں نے ذات و صفاتِ باری تعالیٰ کی نظری بحثوں کو جزوِ ایمان بنا کر تکفیر و تضلیل کے فتوے صادر کرنے شروع کئے اور نوبت قتل و غارت گری تک پہنچ گئی۔ ❶

خلافت کا استحقاق

قصہ مختصر جناب رسول اللہ ﷺ کے وصال کے فوراً ہی بعد مسلمانوں میں تین گروہ بن گئے' جن میں ایک گروہ انصار مدینہ کا تھا' جس میں زیادہ تر قبیلہ خزرج کے سربرآوردہ لوگ تھے' دوسرا گروہ حضرت علیؓ کے حامیوں کا تھا' جس میں بنو ہاشم اور بنو عبد مناف کے کچھ افراد شامل تھے اور تیسرا اور سب سے بڑا گروہ مہاجرین کا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو السابقون الاولون مہاجرین صحابہ کی خلافت کے لئے بڑے پُرزور دلائل دینے پڑے اور ایک مدلل بحث کے بعد ان کے استدلال کو سقیفۂ بنی ساعدہ میں حاضر اصحاب نے تسلیم کیا اور اس کے بعد ان کی احقیت و اولیت کے باعث لوگوں نے انہیں (حضرت ابوبکر صدیق) خلیفہ منتخب کر کے انکی بیعت کر لی ❷۔ صحابۂ کرامؓ کے اس تعامل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسلام میں جانشینی کے بارے میں کوئی واضح اور طے شدہ حکم موجود نہیں ہے۔ چنانچہ مسلمانوں میں بعض لوگ اسے خاندانی میراث قرار دیتے تھے اور اسے بنو ہاشم اور ان کے نمائندہ حضرت علیؓ کا حق سمجھتے تھے۔ دوسرا گروہ خلافت کے لئے انصار مدینہ کو حقدار سمجھتا تھا' کیونکہ وہی تھے جنہوں نے اسلام کو ایک مرکز و ماویٰ فراہم کیا تھا۔ تیسرا گروہ مہاجرین صحابہؓ کا تھا' جو سبقت فی الاسلام' جاں نثاری اور جاں فشانی کے باعث اللہ کے دین کی تائید و نصرت میں تمام اصحاب سے بڑھ کر تھا۔ یہ گروہ اسلام کی خاطر سب سے زیادہ قربانی دینے' جناب رسول مکرم ﷺ کی سب سے زیادہ نصرت و تائید کرنے اور اکابر قریش سے تعلق رکھنے کے سبب' امت کی امامت اور رسول اللہ ﷺ کی نیابت و جانشینی (خلافت) کا سب سے بڑھ کر مستحق خیال کیا جاتا تھا ❸۔ یہاں ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعت خلافت کے موقع پر کوئی ایسا مسئلہ درپیش نہ تھا کہ امت میں سے کون سے افراد امامت

---

❶ تاریخ الرسل والملوک: محمد بن جریر طبری' مصر' ''دار المعارف'' ص ۶۳۱ ج ۸

❷ الکامل فی التاریخ: علی بن ابی الکرم ابن الاثیر الجزری' بیروت' ''دار صادر'' ۱۹۶۵ء ص ۲۲۰ ج ۲

❸ تاریخ الرسل والملوک: طبری' محولہ بالا ص ۲۲۰ ج ۳

کے بارے میں رائے دینے کے اہل و مجاز ہیں اور انہیں امام و خلیفہ کے تقرر کا سب سے زیادہ حق حاصل ہے۔ یہ بات قریب قریب حتمی ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ اور مسجد نبویؐ میں انتخاب امام و خلیفہ سے متعلق پہلے سے کوئی طے شدہ اصول موجود نہ تھا' بلکہ یہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا اجتہاد تھا جسے صحابہ کرام نے قبول کیا اور یوں اصول اجماع کے تحت ان کا تقرر جائز قرار پایا۔ یوں حالات پیش آمدہ کے تحت امام و خلیفہ کا تقرر اجتہاد سے طے پایا اور انصار کے ایک نمائندہ حضرت سعد بن عبادہؓ کے سوا کسی صاحب نے اس انتخاب سے اختلاف نہ کیا جہاں تک حضرت علیؓ کا تعلق ہے' تو ایک روایت کی رو سے انہوں نے بیعت عامہ کے موقع پر دوسرے اصحاب کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعت کر لی تھی۔ ایک دوسری روایت کے مطابق انہوں نے حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد خلیفۃ الرسول کی بیعت کی ❶۔ لیکن کسی معتبر تاریخ سے ان کے ادعاء خلافت کا پتا نہیں چلتا۔ ان کے دعویٰ خلافت کی داستان بعد کے وضاعین کے ذہنوں کی پیداوار ہے۔ بلکہ روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بعض حضرات کے مشورہ پر اپنی خلافت کے بارے میں جناب رسول ﷺ سے دریافت کرنے سے بھی یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ آنحضرت ﷺ منع فرما دیں گے تو خلافت انہیں کبھی نہ مل سکے گی ❷۔ اس طرح بعد میں انہیں بیعت خلافت کی پیشکش کرنے والوں کو بھی سختی سے انہوں نے ڈانٹ دیا تھا۔ ❸

بہر کیف انعقادِ خلافت و امامت کے سلسلہ میں یہ پہلا اختلاف تھا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعت کسی پہلے سے طے شدہ اصول کے تحت نہیں ہوئی تھی۔ مگر اس میں اجتہاد و اجماع کا اصول ضرور کارفرما تھا جمہور اہلِ اسلام کے نزدیک اجماع مستند ہے اور اس کی حجتِ شرعیہ ہونے پر ان کا اتفاق ہے ❹۔ ہر چند کہ بعض مسلمان فرقے اجماع کو حجتِ شرعیہ نہیں مانتے' مگر ان کا انکار محض ہوائے نفس اور تحکم ہے' جس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ کی نامزدگی

۱۳ھ میں اسلام کے نظام سیاست کاری نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور حضرت ابوبکر

---

❶ البدایۃ والنہایۃ: اسماعیل بن عمر ابن کثیر دمشقی' القاہرۃ' مطبعۃ السعادۃ' ۱۳۵۸ھ ص ۳۰۲ ج ۶

❷ الکامل فی التاریخ لابن الاثیر: محولہ بالا' ص ۲۱۷ ج ۶

❸ ایضاً: محولہ بالا' ص ۲۲ ج ۲ ❹ المقدمۃ ابن خلدون: ابن خلدون' محولہ بالا' ص ۱۹۱

صدیقؓ کے مرض موت میں خلافت کا مسئلہ ایک بار پھر اٹھا۔ مؤرخ کبیر محمد بن جریر طبری اور دوسرے مؤرخین کے بیان کے مطابق انہوں نے حضرت عمر فاروقؓ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ واقعہ یہ ہوا کہ آپ نے حضرت عمر فاروقؓ کی نامزدگی پر صحابۂ کرامؓ میں سے اربابِ حل وعقد سے مشورہ کیا' اور دلائل سے اپنی جانشینی کے لئے ان کو موزوں تر' اصلح وامثل ثابت کیا۔

بعدازاں آپ نے صحابۂ کرامؓ کے مجمع سے جو' ان کے دولت کدہ کے باہر اکٹھا ہو گیا تھا' خطاب فرمایا اور منصب خلافت کے لئے حضرت عمر فاروقؓ کا نام پیش کیا۔ تمام اصحاب نے آپ کی رائے سے اتفاق کیا اور یوں سیدنا عمر فاروقؓ کی خلافت کا انعقاد ہوا❶۔ قاضی ابوالحسن علی الماوردی کے خیال میں یہ انعقاد' ولی عہدی کی ایک صورت تھا اور اس سے انہوں نے اس کے جواز کی سند بہم پہنچائی ہے❷۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے' تو ''استخلاف عمرؓ'' میں ولی عہدی یا نامزدگی کا کوئی شائبہ تک نہ تھا' بلکہ ایک طرح کا انتخابی طریقہ ہی اختیار کیا گیا تھا' کیونکہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کی شخصیت سب سے نمایاں اور ممتاز تھی اور ان کے ہوتے ہوئے کسی اور کے انتخاب کا سوال ہی نہ تھا❸۔ چنانچہ جب ارباب حل وعقد کے سامنے خلیفہ رسولؐ نے ان کا نام پیش کیا تو سبھی نے ان کے فضل واہلیت کا کھلے دل سے اعتراف کیا اور صرف حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ان کی امثلیت اولیت کے اعتراف کے ساتھ ان کے مزاج کی قدرے سختی کا ذکر کیا (اِنَّہ فیہ غِلظۃٌ)۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ ''چونکہ مجھ میں نرمی ہے' اس لئے عمر میں قدرے سختی ہے' مگر جب میں نہ ہوں گا تو ان کے مزاج میں نرمی پیدا ہو جائے گی''۔ اس سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی مطمئن ہو گئے❹۔ حقیقت یہ ہے کہ آئندہ ہونے والے خلیفہ کا نام خلیفہ حال نے عام وخاص اصحاب کے سامنے پیش کیا' جو صرف ایک طرح کی تجویز تھی' سبھی نے اس تجویز کی تائید توثیق کی اور جنہیں اس سے کچھ اختلاف تھا' وہ بھی دلائل کے بعد اس سے متفق ہو گئے۔ حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت مسلمانوں پر مسلط نہیں کی گئی' بلکہ اس پر اکابر صحابہؓ سے مشورہ کیا گیا اور عامۃ المسلمین سے اس کی

❶ الکامل فی التاریخ: ابن الأثیر' محولہ بالا' ص ۲۹۲' ۲۹۳ ج ۲

❷ الأحکام السلطانیۃ: أبوالحسن الماوردی' القاھرہ' ''مصطفیٰ البابی الحلبی'' ۱۹۶۰ء' ص ۵ وبعد

❸ تاریخ الرسل والملوک: طبری' محولہ بالا' ص ۲۳۲ ج ۴

❹ الکامل فی التاریخ: ابن الأثیر' محولہ بالا' ص ۲۹۱' ۲۹۲ ج ۲

تائید وتوثیق کرائی گئی۔ اس کے بعد اس کا اعلان کر دیا گیا' جبکہ ولی عہدی ایک جبر کے تحت لوگوں پر محض قرابت داری کے زیر اثر مسلط کر دی جاتی ہے اور اس میں امت کا اختیار غیر اہم وغیر موثر ہوتا ہے۔ ہم آگے چل کر ولی عہدی کی مختلف صورتوں کا ذکر کریں گے جس سے ہمارے معروضہ کی تصدیق مزید ہوگی۔ قصہ مختصر حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت عام منظوری کے بعد منعقد ہوئی لہذا الماوردی اور دوسرے سیاسی مفکرین کا یہ دعویٰ درست نہیں ہے کہ اسلام میں یہ ولی عہدی کا آغاز تھا' اور یہیں سے اس کے جواز کی سند ملتی ہے۔

حضرت عثمانؓ کی خلافت

سیدنا عمر فاروقؓ کے بعد ایک بار پھر مسئلہ خلافت زیر بحث آیا کہ امت کا امام وخلیفہ کسے مقرر کیا جائے۔ جب زخمی ہونے کے بعد حضرت عمرؓ کے زندہ رہنے کی امید ختم ہوگئی تو ان سے درخواست کی گئی کہ وہ اپنے جانشین کا فیصلہ کر دیں۔ چنانچہ اس غرض سے حضرت عمر فاروقؓ نے ممتاز صحابہ (بقیہ عشرہ مبشرہ) میں سے چھ (٦) حضرات کی مجلس شوریٰ مقرر کی کہ یہ اصحاب اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کر لیں۔ بقیہ عشرہ مبشرہ میں حضرت سعید بن زید عدویؓ بھی شامل تھے' مگر چونکہ وہ حضرت عمر فاروقؓ کے برادرِ عم زاد اور برادرِ نسبتی بھی تھے' اس لئے اپنے قرابت دار ہونے کی وجہ سے خلیفہ رسولؐ نے انہیں مجلس شوریٰ میں شامل نہ کیا❶۔ ان کا یہ عمل ''نظام ولی عہدی'' کے خلاف ایک قوی دلیل ہے۔ نیز یہ بھی مروی ہے کہ ان سے یہ درخواست بھی کی گئی تھی کہ وہ اپنے لائق بیٹے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو اپنا جانشین نامزد کر دیں' مگر انہوں نے اس تجویز کو یکسر مسترد کر دیا❷۔ یوں نظام ولی عہدی کے انکار پر یہ ایک اور دلیل ہے۔ بہر کیف یہ چھ (٦) افراد جنہیں حضرت عمر فاروقؓ نے مجلس شوریٰ کے ارکان کے بطور نامزد کیا' حضرات عبدالرحمٰن بن عوف' عثمان بن عفان' علی بن ابی طالب' طلحہ بن عبیداللہ' زبیر بن عوام اور سعد بن ابی وقاصؓ تھے۔ یہ لوگ امت محمدیہؐ کے نہایت ممتاز افراد تھے اور ان میں سے ہر شخص خدمت اسلام اور مثالی کردار کے سبب منصب امامت وخلافت کا تمام افراد سے زیادہ اہل اور مستحق تھا۔ انہیں میں سے کسی ایک کو حضرت عمر فاروقؓ کا جانشین (خلیفہ) اور مسلمانوں کا پیشوا (امام)

---

❶ تاریخ الرسل والملوک: طبری' محولہ بالا' ص ۲۲۸ ج ۴ ❷ ایضاً: محولہ بالا' ص ۲۲۷' ۲۲۸ ج ۴

مقرر کیا جاتا تھا❶۔ گویا یہ ایک طرح کا ''حلقہ انتخاب'' تھا۔

کافی بحث وتمہید اور عامۃ المسلمین سے استصواب رائے کے بعد حضرت عثمان بن عفانؓ کو خلیفہ منتخب کرلیا گیا اور تمام مسلمانوں نے بلا کسی اختلاف کے ان کی بیعت کرلی❷۔ حضرت عثمانؓ کے طریقہ انتخاب سے جو اصول وضع ہوا وہ یہ تھا کہ ان کی بیعت دو طریقوں سے ہوئی۔ پہلے ''بیعت خاصہ'' یعنی ارکانِ شوریٰ کی بیعت' بعدازاں ''بیعت عامہ'' یعنی عامۃ المسلمین کی بیعت۔ ہم بجا طور پر سمجھتے ہیں کہ یہ طریقہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے طریقہ انتخاب سے مختلف نہیں ہے' کیونکہ وہاں بھی پہلے سقیفۂ بنی ساعدہ میں ان کی ''بیعت خاصہ'' ہوئی اور اس کے بعد مسجد نبویؐ میں ان کی ''بیعت عامہ'' کا انعقاد ہوا۔

خلفاء راشدین کے انتخاب کے یہ دونوں طریقے (یعنی انتخاب حضرت ابوبکر صدیقؓ و انتخاب حضرت عثمانؓ کا طریقہ اور انتخاب حضرت عمر فاروقؓ کا دوسرا طریقہ) ''اختیار و انتخاب'' کی جانب رہنمائی کرتے ہیں اور ان میں نامزدگی اور ولی عہدی کا کوئی تصور کارفرما نہیں ہے' بلکہ ''انتخاب واختیار'' کی روح جلوہ گر ہے اور ''اجماع امت'' کے اصول پر اس کی اساس استوار ہے۔

لیکن مجلس شوریٰ کے رکن کی حیثیت سے ان حضرات کی نامزدگی سے یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ ان اصحاب کی موجودگی میں کسی دوسرے شخص کو امام وخلیفہ مقرر نہیں کیا جاسکتا۔ تاریخ سے گو واضح نہیں' لیکن بطریق استقراء یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ امت مسلمہ شوریٰ کے ان ارکان کو منصب خلافت کا مستحق ترین شخص نہیں' تو کم از کم اس پر کسی کو منصوب وفائز کرنے کا مجاز ضرور سمجھتی تھی' اور اس میں وہ حق بجانب بھی تھی۔❸

شہادت عثمانؓ

امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ کی شہادت کے ساتھ سیاسی کشمکش اور اقتدار کی رسہ کشی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اس خلفشار کی صدائے انتشار اسلامی تاریخ کے بیشتر ادوار میں سنائی دیتی ہے۔

---

❶ الکامل فی التاریخ: ابن الأثیر' محولہ بالا' ص ۲۷ ج ۳

❷ ایضاً: محولہ بالا' ص ۳۴ تا ۴۰ ج ۳ ❸ تاریخ الرسل والملوک: طبری' محولہ بالا' ص ۲۲۸ ج ۴

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے ساتھ امت محمدیہؐ کے اتحاد و اتفاق کا شیرازہ بکھر گیا اور اختلاف و تشتت کا ایک غیر مختتم سلسلہ شروع ہوگیا۔ اجناد (جند' فوجی چھاؤنیاں) میں مقیم مقاتلہ ایک دوسرے سے دست و گریباں ہوگئے' جس سے اسلام کا نظامِ سیاست متاثر ہوا' لامرکزیت بڑھنے لگی اور عربوں کی ''مرکز گریز'' فطرت دوبارہ جاگ اٹھی۔ اس لامرکزیت کو اس سانحہ سے کافی تقویت بہم پہنچی' جب مدینہ سے دارالخلافہ کوفہ منتقل کر دیا گیا۔ ❶

حضرت علیؓ کی خلافت

بہرحال حضرت عثمانؓ کے خلاف مدینہ پر باغیوں کی یورش کے باعث ''اس شہر نبیؐ میں انارکی اور مزاج کی بدترین صورت پیدا ہوئی' اس سے فائدہ اٹھا کر شہر (المدینۃ النبوۃ) پر باغی قاتلین عثمانؓ قابض ہوگئے۔ شہر کے بیشتر باشندے حالات کے جبر کے سبب بے بس ہوگئے اور ممتاز صحابہ بھی اس شورش پر قابو پانے پر کسی طرح بھی قادر نہ ہوسکے۔ اس ہنگامہ خیز فضا میں امت کے امام اور نبیؐ کے خلیفہ کے تقرر و نصب کا مسئلہ بڑی شدت سے اٹھا۔ ''ارباب حل وعقد'' بے اختیار تھے ''ارکانِ شوریٰ'' بے بس تھے اور باغیوں کے سرغنے شہر پر قابض اور چیرہ دست ہوگئے تھے۔ ان حالات میں حضرت علیؓ کی بیعت خلافت عمل میں آئی اور رسول اللہ ﷺ کے چوتھے ہدایت یافتہ جانشین (خلیفہ راشد) مسند نشین خلافت ہوئے ❷۔ اس بیعتِ خلافت سے متعلق تاریخ میں بالکل غیر منضبط اور ژولیدہ روایات نقل کی گئی ہیں۔ ہم اس الجھی ہوئی گتھی کو سلجھانے کی کوشش کریں گے اور اس سے ایک ''قاعدہ کلیہ'' اخذ کریں گے۔

جیسا کہ معلوم ہے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے پانچ دن بعد ذوالحجہ ۳۵ھ کے آخری ہفتہ میں حضرت علیؓ کی خلافت کی بیعت کی گئی۔ مگر دنیائے اسلام کے تمام مراکز نے متفقہ طور پر انہیں خلیفہ تسلیم نہیں کیا اور ان کی بیعت سے لوگوں کی معتدبہ تعداد نے تخلف کیا۔ بیعت نہ کرنے والوں کا یہ استدلال تھا کہ خلافت کے انعقاد کے لئے ارباب حل وعقد یعنی نخبہ مہاجرین و انصار کی رضامندی ضروری ہے' جب کہ مجرموں کے ٹولے نے ایک سازش کے تحت مدینہ پر قبضہ کر کے خلیفۃ المسلمین (حضرت عثمانؓ) کو شہید کر دیا اور حضرت علیؓ کو منصب خلافت پر فائز

---

❶ الکامل فی التاریخ: ابن الأثیر' محولہ بالا' ص ۱۱۴ ج ۳ ❷ المقدمہ ابن خلدون: ابن خلدون' محولہ بالا' ص ۲۰۵

کر کے ان اصحاب سے جو مدینہ میں مقیم تھے جبراً ان کی بیعت کرائی ❶۔ خود حضرت علیؓ نے مدینہ پر باغیوں کی چیرہ دستی اور اپنی بے بسی کا اظہار کئی موقعوں پر کیا ❷۔ یہ بات درست ہے کہ باغیوں کے ٹولے کو جو قتل عثمانؓ میں ملوث تھے' امام اور خلیفہ کے انتخاب کا کوئی حق نہ تھا' یہ بھی درست ہے اکابر صحابہ میں سے کچھ سے باغیوں نے زبردستی بیعت لی تھی' مثلاً حضرت طلحہ و حضرت زبیرؓ سے بزور شمشیر بیعت لی گئی ❸۔ مگر تاریخ کی یہ بھی شہادت ہے کہ مدینہ ہی میں موجود صحابۂ کرامؓ کی اکثریت نے حضرت علیؓ کی بیعتِ خلافت برضاء و رغبت کی تھی' یہ بھی حقیقت ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد بقیہ ارکان شوریٰ میں حضرت علیؓ نمایاں اور ممتاز تھے' سبقت الی الاسلام' عہد رسالت میں اعلیٰ حربی خدمات اور اپنے سے پہلے تینوں خلفاء کے ادوار میں اپنے صائب مشوروں کے باعث وہ امامت مسلمین اور خلافت نبویہ کے سب سے زیادہ اہل اور مستحق تھے۔ حضرت علیؓ کے استحقاق خلافت کو ان کے مخالفوں نے بھی تسلیم کیا تھا اور انہیں انعقاد خلافت کے طریقہ و نیز قصاصِ خلیفہ مظلوم (حضرت عثمانؓ) میں تاخیر پر اعتراضات تھے ❹۔ حضرت علیؓ بوجوہ قصاصِ عثمانؓ نہ لے سکے اور سیاسی منظر کے بتدریج تبدیل ہونے کی وجہ سے وہ انہیں لوگوں پر اعتماد کرنے پر مجبور ہو گئے' جو قتلِ عثمانؓ میں گلے گلے ڈوبے ہوئے تھے' مثلاً مالک اشتر نخعی' محمد بن ابی بکر' عمرو بن الحمق' کنانہ بن بشر تجیبی وغیرہ ❺۔ ان سب باتوں کے باوجود امت محمدیہ نے انہیں خلیفہ راشد امام و مجتہد تسلیم کیا اور انہیں کے اندازِ جہاں بانی کو خلافت راشدہ کا تسلسل قرار دیا' سو جمہور کے نزدیک وہی امام برحق ہیں ❻۔ بہرکیف ساری صورتحال کا جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی خلافت میں بھی انتخاب کا عنصر غالب ہے' کیونکہ مسلمانوں کی بڑی تعداد نے ان کی بیعت کی تھی اور اس بیعت سے تخلف کرنے والوں (متخلفین) کی تعداد کم تھی ❼۔ یوں ایک تیسرا طریقہ انتخاب وجود میں آیا' جو کسی صورت میں ناجائز نہیں تھا' بلکہ اکثریت کی حمایت و بیعت کے باعث حضرت علیؓ کی خلافت جائز اور خلافت راشدہ کا تسلسل ہی تھی۔

---

❶ تاریخ الرسل والملوک: طبری' محولہ بالا' ص ۴۲۹' ۴۳۲' ۴۳۷ ج ۴

❷ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۴۳۷ ج ۴ ❸ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۴۲۹ تا ۴۳۱' ۴۶۷' ۴۶۸ ج ۴

❹ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۴۴۲ ج ۴ ❺ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۴۵۶ ج ۴

❻ المقدمۃ ابن خلدون: ابن خلدون' محولہ بالا' ص ۲۰۵ ❼ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۲۱۴

خلفاء راشدین کے انتخاب کے ان تینوں طریقوں میں شوریٰ کا اصول کارفرما ہے اور یہی تین طریقے اسلامی سیاسی نظام کی اساس ہیں۔ یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عثمانؓ کے انتخاب کا طریقہ' حضرت عمر فاروقؓ کے انتخاب کا طریقہ اور حضرت علیؓ کے انتخاب کا طریقہ۔

حضرت معاویہؓ

۴۰ھ میں امیر المومنین علیؓ کی شہادت کے بعد اس نظام میں بتدریج تبدیلی واقع ہونے لگی۔ جن لوگوں نے حضرت علیؓ کی بیعت سے تخلف کیا تھا' ان میں امیر شام حضرت معاویہؓ سب سے نمایاں اور اہم فوجی قوت کے مالک تھے۔ شام کے لوگوں نے حضرت علیؓ کی کبھی بیعت نہ کی اور وہ قصاص عثمانؓ کے مطالبہ پر ڈٹے رہے۔ جنگ صفین کے بعد حضرت معاویہؓ کی سیاسی و عسکری قوت میں اضافہ ہوتا گیا اور جلد ہی مصر پر بھی ان کا قبضہ ہو گیا❶۔ بعدازاں انہوں نے حضرت علیؓ کے مقبوضات پر چھاپے مارنے شروع کئے۔ آخرکار ۴۰ھ میں ایک معاہدہ کے تحت ان سرحدی جھڑپوں کے سلسلے بند ہو گئے❷ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ حضرت معاویہؓ' عہد فاروقی سے شام میں مختلف فوجی عہدوں پر فائز تھے اور عہد عثمانؓ کے اختتام تک وہ پندرہ سال سے وہاں کے والی اور حاکم تھے۔ وہ ایک منظم و مستعد فوج' ایک اعلیٰ نظم حکومت اور ایک عظیم سیاسی قوت کے مالک تھے۔ والی شام کی حیثیت میں وہ رومیوں سے بری و بحری جنگوں میں مسلسل سرگرم رہتے تھے اور ان کی زیر کمان افواج' عراقی افواج سے زیادہ مستعد' جنگ آزما اور منظم تھیں۔ اس بہترین فوج کے کمان دار ہونے کے باوجود حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی حیات میں' خلافت کا کوئی دعویٰ نہیں کیا اور امیر شام ہی کہلائے۔ انہوں نے حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد ۴۰ھ میں بیت المقدس میں اپنی خلافت کا اعلان کیا❸۔ یوں ۳۵ھ کے اواخر سے ۴۰ھ کے رمضان تک دنیائے اسلام میں تمام تر اختلافات کے باوجود ایک ہی خلیفہ حضرت علیؓ رہے۔

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد اہلِ کوفہ نے ان کے صاحبزادہ جناب حسنؓ کی خلافت کی بیعت کر لی❹۔ یوں پہلی بار دنیائے اسلام میں بیک وقت دو خلفاء برسرِ اقتدار آئے اور دونوں

❶ تاریخ الرسل والملوک: طبری' محولہ بالا' ۱۰۱ ج ۵ ❷ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۱۴۰ ج ۵
❸ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۱۶۱ ج ۵ ❹ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۱۴۶' ۱۴۷ ج ۵

ہی آمر وناہی تھے۔ حضرت حسنؓ کی خلافت' اگرچہ صرف چند ماہ رہی' مگر وہ اسلام کے نظام سیاسی پر غور کرنے والوں کے لئے بڑی اہم ہے۔ اول تو اس لئے کہ باپ کے بعد بیٹے کی جانشینی وخلافت کا وہ پہلا واقعہ ہے' دوم یہ کہ ایک ہی وقت میں حضرت معاویہؓ شام ومصر کے امیر وخلیفہ تھے اور حضرت حسنؓ عراق وخراسان کے' یہ پہلا موقع تھا کہ اسلام کے دو مراکز اقتدار ایک ہی وقت میں قائم ہوگئے۔ حضرت حسنؓ کے مختصر عہد خلافت کی تیسری اہمیت اس امر کی وجہ سے ہے کہ خلافت کے دو دعویداروں میں صلح ہوگئی اور ایک سخت شورش وانتشار کے بعد ربیع الثانی ۴۱ھ میں حضرت معاویہؓ کی خلافت کی بیعت کرلی گئی جس سے اتحاد وآشتی کا دور شروع ہوا۔ جو حضرت معاویہؓ کی ۶۰ھ میں وفات تک باقی رہا۔ اس لئے اس سال (۴۱ھ) کو ہماری تاریخ میں ''عام الجماعۃ'' یعنی اتحاد واتفاق' امن وسلامتی اور توسیع وقوت کا سال کہا گیا ہے❶۔ بہرحال ۳۵ھ کے اواخر سے ۴۱ھ کے اوائل تک اسلام کے نظام سیاسی میں جو خلل در آیا تھا' وہ دور ہوگیا' ہرچند کہ اسے عسکری طاقت سے دور کیا گیا جو مستحسن نہ تھا۔

جب حضرت معاویہؓ کی خلافت کا اعلان کیا گیا' تو شام ومصر کے تمام مسلمانوں نے ان کی بیعت برضا ورغبت کرلی' اسی طرح حجاز (مکہ ومدینہ) میں بھی ایک معتدبہ جماعت نے ان کی خلافت کو تسلیم کرلیا۔ ارباب حل وعقد کی اکثریت ان کی بیعت پر متفق تھی اور ان میں منصب خلافت پر فائز ہونے کے اوصاف وشروط بدرجۂ اتم موجود تھے۔ ۴۱ھ میں حضرت حسنؓ کی خلافت سے دست برداری اور اہل عراق کی بیعت کے بعد وہ دنیائے اسلام کے امام وخلیفہ ہوگئے' ان کے خلیفہ مقرر کئے جانے میں انتخاب واختیار کا غالب عنصر موجود ہے' مگر اس کے ساتھ ہی یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ یہاں ''اقتدار'' بیعت سے مقدم ہے' جبکہ اسے مؤخر ہونا چاہئے تھا۔ اس طرح حضرت معاویہؓ کا طریقہ انتخاب پہلے تینوں طریقوں سے مختلف ہے' لیکن ان کی خلافت پر امت مسلمہ کے اتفاق سے' بقول ابن خلدون' وہ جائز ٹھہرتی ہے❷۔ یوں ان کا انتخاب بحیثیت امام وخلیفہ' جائز اور شوروی ہے۔ اور یہ انتخاب خلیفہ کی چوتھی صورت ہے۔

ولی عہدی کا آغاز

اس کے بعد اسلام کا نظام سیاست کاری ایک نئی صورتحال سے دوچار ہوا۔ ۵۶ھ میں

---

❶ أیضاً: حوالہ بالا' ص ۱۶۲' ۱۶۳ ج ۵ ❷ المقدمۃ ابن خلدون: ابن خلدون' ص ۲۰۵' ۲۰۶

حضرت معاویہؓ اس خیال سے کہ ان کی وفات کے بعد امت محمدؐیہ پھر کسی انتشار کا شکار نہ ہو جائے' اپنی زندگی میں ہی اپنے بڑے بیٹے یزید کو جس کی سب سے بڑی فضیلت یہ تھی کہ وہ خلیفہ کا فرزند تھا اور شامی عربوں کی عصبیت و حمایت اسے حاصل تھی' اپنا ولی عہد بنا دیا۔ اس ولی عہدی کی دنیائے اسلام میں کوئی قابل ذکر مخالفت نہ ہوئی اور ارباب حل وعقد نے اسے تسلیم کر لیا۔ صرف مدینہ کے چار ممتاز بزرگوں نے اس کی مخالفت کی اور اسے سنتِ شیخین کے خلاف ٹھہرایا۔ یہ حضرات تھے عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق' عبداللہ بن عمر فاروق' عبداللہ بن زبیر اور حسین بن علیؓ۔ حضرت معاویہؓ ان حضرات کو ولی عہدی' یزید پر متفق کرنے کی غرض سے بنفس نفیس مدینہ آئے اور ان حضرات سے اس مسئلہ پر بات چیت کی' مگر اپنی تمام تر ذہانت' علم و تدبر کے باوجود وہ ان لوگوں کو یزید کی ولی عہدی پر اپنا ہم خیال نہ بنا سکے ❶۔ اپنی اس ناکامی کا حضرت معاویہؓ کو شدید احساس تھا' چنانچہ اپنے مرض الموت میں بھی انہوں نے یزید کو جو نصیحتیں کیں ان میں ان حضرات کی مخالفت کا بطور خاص ذکر کیا۔ ❷

ان چار حضرات کی مخالفت نہایت اہم تھی کیونکہ حجاز میں بالخصوص اور دنیائے اسلام میں بالعموم ان کو ان کے قابلِ احترام آبائے کرام کی وجہ سے بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ کبار صحابہؓ میں سے اکثر کی وفات اور بعض کے پس منظر میں چلے جانے کے باعث یہ لوگ' کہ عہدِ عثمانی تک صغار صحابہؓ میں شمار ہوتے تھے' اب اشرافیہ کے ارکان' صاحبانِ دانش و بینش اور اربابِ بست و کشاد سمجھے جاتے تھے۔ یہ حضرات نہ صرف یہ کہ خانوادہ' صدیقی' فاروقی و علوی کے نمائندہ تھے' بلکہ مدینہ و مکہ کے انصار' مہاجرین اور قریش کے مقتدا و پیشوا بھی تھے۔ اس کے علاوہ عالم اسلام میں انہیں ''مذہبی عصبیت'' بھی بڑی حد تک حاصل تھی۔ اس بناء پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اہلِ حجاز' جو دنیائے اسلام میں اب بھی قابلِ احترام سمجھے جاتے تھے' یزید کی ولی عہدی پر راضی نہ تھے۔ انہیں راضی نہ کرنے کی وجہ سے بیعت یزید کا مقصد' کہ مسلمان انتشار کا شکار نہ ہوں' پورا نہیں ہوا۔ ہمارے اس خیال کی تائید خلافت یزید میں رونما ہونے والے سانحات سے بھی ہوتی ہے اور اس کی موت کے بعد کے شورش انگیز حادثات سے بھی۔

بہر کیف انعقاد خلافت کی روایت میں اکثریت کو جو کلیدی حیثیت حاصل تھی۔ اس نامزدگی

❶ تاریخ الرسل والملوک: طبری' ۳۰۱' تا ۳۰۴ ج ۵ ❷ ایضاً: حوالہ بالا' ۳۲۳ ج ۵

اور ولی عہدی میں بھی اسے برقرار رکھا گیا۔ اور امت محمدیہ کی بھاری اکثریت کو اس ولی عہدی اور اس کے نتیجہ میں خلافت کے انعقاد پر حضرت معاویہؓ کے تدبر کے سبب کوئی اعتراض نہ ہوا۔

خلیفہ کی زندگی میں اس کے ولی عہد کی بیعت سے موروثی نظامِ حکومت کا آغاز ہوا اور منصب خلافت میں کسرویت و قیصریت کی پیوندکاری کردی گئی۔ یہ ایسی صورتحال تھی جو اسلام کے نظام سیاست کاری کے بالکل الٹ تھی اور سنتِ خلفائے سلف سے کسی طور پر بھی ہم آہنگ نہ تھی۔ اس امر کی نشاندہی اس زمانہ میں بھی کردی گئی تھی۔ چنانچہ جب حضرت معاویہؓ یزید کی ولی عہدی کی بیعت کے سلسلے میں مدینہ آئے' تو اہلِ مدینہ کے نمائندہ کی حیثیت سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ان سے دوٹوک لفظوں میں کہا کہ ہمارے نزدیک انعقادِ خلافت کے وہی طریقے معتبر ہیں جنہیں حضرات شیخین نے اختیار کیا تھا اور ان کے علاوہ کسی اور طریقہ کو مسلمان کسی صورت میں قبول نہ کریں گے ❶۔ یوں اسلامی نظام خلافت کے تاریخی ارتقاء میں ایک نیا سفر داخل ہوگیا یعنی خلیفہ کی زندگی میں ہی اس کا جانشین (ولی عہد) نامزد کردیا جائے اور امت سے اس کی بیعت بھی لے لی جائے' تاکہ خلیفہ کے انتقال کے وقت کوئی انتشار نہ پیدا ہو اور ولی عہد کو ایک نئی بیعت سے مسند نشین خلافت کردیا جائے۔

اس طریقہ کی حمایت میں سب سے قوی دلیل یہ دی جاسکتی ہے کہ ایسا کرنا امت میں انتشار کو رد کرنے کے لئے ضروری تھا۔ مگر یہ کہ ''ولی عہدی'' خلیفہ وقت کا بیٹا ہی کیوں ہو ''تقویٰ'' کی بناء پر ''اربابِ حل وعقد'' کے مشورہ اور اجماعِ امت کے ذریعہ کیوں نہ اس کی نامزدگی عمل میں لائی جائے۔ جو مفکرین نظامِ ولی عہدی پر حضرت عمر فاروقؓ کے استخلاف سے استدلال کرتے ہیں' اگر ان سے اتفاق کرلیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ اختلافِ امت کے خوف سے حضرت معاویہؓ کو سنتِ صدیقی پر عمل پیرا ہوکر کسی ''اصلح'' و ''امثل'' فرد کو اپنا ولی عہد بنانا چاہئے تھا۔ ابن خلدون کے خیال میں یہ ممکن نہ تھا' کیونکہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق کو اسی بنا پر اپنا جانشین نامزد کرنا چاہا تھا مگر وہ ایسا نہ کرسکے' کیونکہ امت کی ''عصبیت'' بنوامیہ کے سوا کسی اور کو حاصل نہ تھی اور اس کے علاوہ کسی کی نامزدگی سخت انتشار کا سبب بنتی ❷۔

---

❶ الکامل فی التاریخ: ابن الاثیر' محولہ بالا' ۲۵۲ ج ۳ ❷ المقدمۃ ابن خلدون: ابن خلدون' محولہ بالا' ص ۲۰۶' ۲۰۷

یزید کی خلافت

رجب ۶۰ھ میں جناب معاویہؓ نے نسبۃً طویل عمر پا کر انتقال کیا اور ان کے حسبِ انتظام ان کا فرزند اول یزید بن معاویہ دمشق میں مسند آرائے خلافت ہوا۔ تمام دنیائے اسلام میں اسی کی بیعت کی گئی اور کہیں جبر سے کہیں رضا سے یہ مرحلہ بیعت انجام پایا۔ جیسا کہ صفحات گزشتہ میں عرض کیا گیا ہے کہ مدینہ کے چار اصحاب سے یزید کی مخالفت کا خطرہ تھا۔ ان میں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے صاحبزادہ حضرت عبدالرحمٰنؓ۔ وفات پا چکے تھے حضرت عمر فاروقؓ کے فخر امت صاحبزادہ حضرت عبداللہ نے اپنے کو اس مناقشہ سے الگ کر لیا اور کہہ دیا کہ امت جس شخص کی بیعت پر راضی ہوگی وہ بھی اس کی بیعت کر لیں گے ❶۔ یوں یزید کی بیعت خلافت کے موقع پر حضرت حسین بن علیؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے ہی اختلاف کا خطرہ تھا۔ چنانچہ یزید کے حکم سے امیر مدینہ ولید بن عقبہ بن ابی سفیان کو اس بات کی خاص طور سے ہدایت کی گئی کہ ان صاحبوں سے وہ ضرور بیعت لے، مگر بوجوہ ان دونوں حضرات نے یزید کی بیعت نہ کی اور مدینہ سے مکہ چلے گئے ❷۔ اس طرح جس متوقع خطرہ کے پیش نظر یزید کی اپنے والد کی حین حیات ولی عہدی کا اعلان کیا گیا تھا وہ ٹلا نہیں، بلکہ بڑے شدومد سے سر پر آ گیا۔

حضرت حسینؓ کی شہادت

محرم ۶۱ھ میں عراق کے مقام کربلاء میں حضرت حسینؓ یزید کے حق خلافت اور اپنی خلافت کی جدوجہد میں اپنے مٹھی بھر جانثاروں کے ساتھ کوفیوں کے ہاتھوں شہید کر دیئے گئے ❸۔ ان کی شہادت اسلام کی تاریخ کے نہایت اہم واقعات میں سے ہے۔ وہ جگر گوشہ رسولؐ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے فرزند دل بند، امیر المؤمنین علی مرتضیٰؓ کے سبطِ اصغر، رسول اکرم ﷺ کے عزیز نواسے اور جنت فردوس کے ریحان تھے۔ ان کی شہادت نے اسلام کے نظام یاسی پر اپنے گہرے نقوش چھوڑے اور بعد کے حوادث پر اس حادثہ فاجعہ کی گہری چھاپ ہے۔ جن لوگوں کے ہاتھوں یہ المیہ ظہور پذیر ہوا انہیں شاید اس بات کا اندازہ نہ تھا کہ ''خون حسین'' اسلام کی مذہبی و سیاسی تاریخ کے لئے ایک عظیم المیہ ثابت ہوگا اور اس کے بڑے دوررس اثرات مرتب ہوں گے۔ ❹

---

❶ تاریخ الرسل والملوک: طبری، محولہ بالا، ص ۳۴۲ ج ۵ ❷ أیضاً: حوالہ بالا، ص ۳۳۸ تا ۳۴۲ ج ۵

❸ أیضاً: حوالہ بالا، ص ۴۰۰ و بعد ج ۵ ❹ أیضاً: حوالہ بالا، ص ۴۸۵ ج ۵

حضرت ابن زبیرؓ کا خروج

یزید کی خلافت کے دوسرے بڑے مخالف حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی حمایت میں اہلِ مدینہ نے ۶۲ھ میں یزید کی بیعت فسخ کردی' اسے منصب خلافت سے خلع کردیا اور اس کے خلاف علم بغاوت بلند کردیا۔ یزید نے ان لوگوں کو افہام وتفہیم کے ذریعہ مخالفت سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ ناکامی کے بعد شامی افواج نے مدینہ پر حملہ کردیا۔ ذوالحجہ ۶۳ھ میں مدینہ کے باہر ''واقعہ حرہ'' پیش آیا' اہلِ مدینہ کو شکست ہوئی اور کشت وخون کے بعد مدینہ پر یزید کی حکومت بحال ہوگئی۔ ❶ شہر نبیؐ پر مدینۃ الرسولؐ پر یہ حملہ اسلام کے لئے بڑا افسوس ناک ثابت ہوا۔

اس کے بعد شامی افواج نے مکہ کا رخ کیا۔ وہاں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے یزید کے خلاف خروج کیا تھا۔ محرم ۶۴ھ میں افواج شام نے مکہ کا محاصرہ کرلیا اور جناب ابن زبیرؓ سے جنگ شروع ہوگئی جس کے نتیجہ میں خانہ کعبہ آتش زنی کا شکار ہوگیا۔ اس محاصرہ کے دوران ہی یزید نے ربیع الاول ۶۴ھ میں انتقال کیا اور شامی افواج مکہ سے واپس چلی گئیں۔ ❷

یزید کے دورِ حکومت کے یہ تین واقعات یعنی شہادت حسینؓ، جنگ حرہ اور حصار مکہ' اسلام کی سیاسی ومذہبی تاریخ میں بڑے دوررس نتائج کے حامل ثابت ہوئے۔ ۶۴ھ سے ۷۳ھ تک کے نو (۹) سال کہ اسلام کے نہایت پُرآشوب ماہ وسال ہیں انہیں کی صدائے بازگشت ہیں۔ یہ زمانہ دنیائے اسلام کے تفرق وتشتت کا عبرت انگیز مرقع ہے اور اس مرقع خوں ریز ونفاق بیز میں ہماری سیاست کاری کی جو تصویر نمایاں ہوتی ہے وہ حد درجہ تاریک ہے' فَھَل مِن مُدَّکِر۔

معاویہ بن یزید

ربیع الاول ۶۴ھ میں یزید کی موت کے بعد اس کا بڑا بیٹا' کہ ولی عہد' سلطنت تھا' سریرآرائے خلافت ہوا۔ معاویہ بن یزید بن معاویہ کی بیعت صرف چالیس دنوں تک قائم رہی۔ اس نے لوگوں کو اکٹھا کیا اور ان کے سامنے یہ تقریر کی:

''لوگو! میں نے تمہاری امارت وقیادت سے متعلق بہت غور کیا' اس کے نتیجہ میں میں نے خود کو اس بار کے اٹھانے اور اس ذمہ داری کو سرانجام دینے سے عاجز وناتواں پایا۔ میں نے تمہاری

---

❶ اَیضاً: حوالہ بالا' ص ۴۸۷ ج ۵ ❷ اَیضاً: حوالہ بالا' ص ۴۹۶ ج ۵

امارت کے لئے ابوبکر صدیقؓ کی سنت پر عمل کر کے عمر فاروقؓ جیسا شخص تلاش کیا' مگر مجھے ایسا کوئی شخص نہ مل سکا۔ پھر میں نے چاہا کہ عمر فاروقؓ کی اتباع میں چھ اصحاب کی شوریٰ مقرر کردوں' جو اپنے میں سے کسی کو امام خلیفہ چن لے' لیکن مجھے ایسے چھ افراد بھی نہ مل سکے۔ اس لئے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ خود کو اس بار عظیم سے سبک دوش کرلوں اور تمہیں یہ اختیار دے دوں کہ جسے چاہو اپنی امامت وقیادت کے لئے چن لو'۔

یہ کہہ کر نوجوان ابولیلیٰ معاویہ بن یزید قصر امارت میں چلا گیا اور پھر وہاں سے مر کر ہی نکلا۔ یہ تقریر سنت شیخین کی تائید مزید وتوثیق کرتی ہے۔ ❶

انتشار امت

اس طور سے ۶۴ھ میں دنیائے اسلام پھر ایک نئی صورتحال سے دوچار ہوئی۔ لیکن اب وقت بہت آگے جاچکا تھا' یہ دور اُس دور سے بہت مختلف تھا جو آنحضرت ﷺ کے وصال کے وقت تھا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ کی بہت بڑی تعداد اوصاف امامت و خلافت سے متصف تھی' نیز اس زمانہ میں اسلامی ریاست سادہ اور سیاسی عمل غیر پیچیدہ تھا۔ اس زمانہ میں ایسی مشکلات نہ تھیں جیسی کہ ۶۴ھ میں پیدا ہوچکی تھیں۔ اب پہلے کی طرح صرف مدینہ ہی ارباب حل وعقد کا مرکز نہ تھا' بلکہ ان کی بڑی تعداد نومفتوحہ ممالک کے پرانے اور نوآباد شہروں میں منتقل ہوچکی تھی۔ ان شہروں میں عراق میں کوفہ و بصرہ' مصر میں فسطاط اور شام میں دمشق' حمص' فلسطین' اردن اور قنسرین کے ''اجناد'' (فوجی چھاؤنیاں) تھے۔ ہرچند کہ مدینہ بھی ایک ''جند'' تھا' مگر اس کی اہمیت دوسرے ''اجناد'' کے مقابلہ میں بہت گھٹ گئی تھی۔ ایک تو حضرت علیؓ کے زمانہ میں دارالخلافت کی منتقلی کے باعث' دوسرے واقعہ حرہ کی تباہ کاری کے سبب اور تیسرے معاشی وسائل کی کم یابی اور اقتصادی وسیاسی ابتلاء کے نتیجے میں بڑے پیمانے پر آبادی کے انخلاء اور ''اجناد'' میں منتقلی کی وجہ سے۔ اس لئے اب بنوساعدہ کے سقیفے میں جمع ہوکر نہایت سادگی سے خلیفہ منتخب نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اب بدلے ہوئے حالات کا یہ اقتضاء تھا کہ تمام مراکز سے لوگ ایک جگہ جمع ہوکر' اور وہ مقام مدینہ ہی ہوسکتا تھا' اصول شوریٰ کے مطابق خلیفہ کا انتخاب کرلیتے۔ مگر ایسا کرنا ممکن نہ تھا' کیونکہ یہ اسلامی سیاست کاری کا ایک چھپا ہوا نقص تھا' جو اس موقع پر ابھر

❶ أیضاً: حوالہ بالا' ص ۵۳۰'۵۳۱ ج ۵

کر سامنے آیا' اور یہاں کوئی ایسا گروہ یا ایسے اصول موجود نہ تھے' جو اس مسئلہ کو حل کرنے میں مدومعاون ہوتے اور ان کے مطابق مناسب قدم اٹھائے جاتے۔ کبار صحابہؓ کے بعد ایسی شخصیات بھی نگاہوں سے اوجھل ہوتی جارہی تھیں جن پر سب لوگ بلا اختلاف متفق ہوسکتے تھے۔ یوں اسلام کا نظام سیاست کاری ایک ایسی مشکل صورتحال سے دوچار ہوا' جو اس سے پہلے اسے کبھی پیش نہ آئی تھی۔ اس کے نتیجے میں دنیائے اسلام ۶۴ھ سے ۷۳ھ تک نو (۹) سال بدترین انتشار اور طوائف الملوکی کا شکار رہی۔

یہ وہ دور تھا جب ایک عجیب معاشرتی تبدیلی وجود میں آچکی تھی۔ خلفاء راشدین کے آخری دور اور بنوامیہ کے اوائل عہد میں جو غیر عرب اقوام (عجمی) ''اجناد'' خصوصاً کوفہ و بصرہ میں آباد ہوگئی تھیں' ان کا اپنا ایک شاندار ماضی تھا' وہ پڑھے لکھے اور ایک فکری ورثے کے امین بھی تھے ❶' جبکہ وہ عرب قبائل جو ان کے ساتھ انہیں ''اجناد'' میں آباد تھے' ان کی اکثریت بے پڑھی لکھی' اجڈ اور شوریدہ سر تھی۔ عراق میں یہ نو آباد عرب بیشتر یمنی تھے اور فتنہ ارتداد میں ملوث بھی رہ چکے تھے ❷' ان سب کو قابو میں رکھنے کے لئے سیدنا عمر فاروقؓ، حضرت معاویہؓ یا زیاد بن ابی سفیان جیسے نابغہ روزگار منتظمین کی ضرورت تھی۔ ایسے حضرات کی عدم موجودگی میں یہ لوگ بے سری فوج اور شتر بے مہار کی طرح تھے۔ انہیں عربوں کو فوجی اقتدار حاصل تھا۔ لیکن دینی علوم پر غیر عرب مسلمانوں کا تسلط قائم ہو چکا تھا۔ مگر حکومت کے معاملات میں انہیں کوئی خاص عمل دخل حاصل نہ تھا۔ اس لئے ان شہروں میں جو ''مرکز اطاعت'' قائم ہوا' وہ ''دوعملی'' کا شکار ہوگیا' کیونکہ جو فوجی اقتدار کے مالک تھے' وہ عموماً دینی علوم سے دور تھے اور جو دینی علوم کے ماہر تھے' وہ دینوی اقتدار سے بہت حد تک محروم تھے۔ اس صورت میں ارباب حل وعقد کی تعیین جوئے شیر لانے سے کم نہ تھی' کہ قوت بے علم اور علم بے قوت دونوں ہی انہدام معاشرہ کا باعث ہیں اور انضباط کے لئے قوت وعلم دونوں کی یکجائی ضروری ہوتی ہے۔ ❸

عہد زیر نظر میں دنائے اسلام میں جو ''اجناد'' تھے' ان کو ''فوجی قوت'' کا مرکز اور نظام سیاسی کی تکوین وتعین میں اساسی حیثیت کا مالک سمجھنا اور ہر سیاسی تبدیلی میں انہیں کو کلیدی اہمیت کا

---

❶ فجر الاسلام: احمد امین' قاہرہ' ''مکتبۃ النہضۃ المصریۃ'' ۱۹۶۵ء ص ۹۱ وبعد

❷ الکامل فی التاریخ: ابن الاثیر' محولہ بالا' ص ۲۷۶' ۲۹۸ ج ۲ ❸ فجر الاسلام: احمد امین' محولہ بالا' ص ۱۵۲ تا ۱۵۶

حامل خیال کرنا چاہئے۔ مدینہ اگرچہ ایک جند کی حیثیت سے پہلی جیسی مرکزیت کا مالک نہ رہا تھا اور اس عہد میں اس کی اہمیت بہت کم ہوگئی تھی، پھر بھی اسے اس بناء پر اہم خیال کیا جاتا تھا کہ وہ تین بڑے سیاسی گروہوں (احزاب سیاسیہ) یعنی مہاجرین، قریش اور انصار کا مستقر، مہبط و مرکز تھا۔ اس کے علاوہ دین کا علم اسی شہر میں تھا، رسول اکرم ﷺ کی احادیث اسی شہر میں تھیں اور مہاجرین وانصار کہ اسلامی ریاست کی ریڑھ کی ہڈی تھے۔ ان کی نسلیں بھی اسی شہر سے تعلق رکھتی تھیں، اس لئے مرکز سیاسی وفوجی نہ ہوتے ہوئے بھی اور عظیم ابتلاء کے باوجود یہ شہر بڑی اہمیت کا مالک تھا۔ اسلامی دنیا کی اشرافیہ اور اولاد صحابہؓ کا ایک معتدبہ گروہ یہیں رہتا تھا اور دین کے علم کے حصول کی غرض سے لوگ یہیں آتے تھے۔ ❶

عراق

عراق (کوفہ وبصرہ) میں نسلی گروہوں کے ساتھ نظریاتی گروہ بھی وجود میں آچکے تھے۔ ان میں کوفہ کے ''شیعانِ علیؓ'' اور بصرہ کے ''خوارج'' نمایاں ہیں۔ عراق خصوصاً بصرہ میں ایک تیسرا ''کلامی'' وعقلی گروہ، کہ سیاست میں ایک مخصوص نظریہ رکھتا تھا، اور مذہب کے معاملات میں عقل کی کارفرمائی کا قائل تھا، ''معتزلہ'' کہلاتا تھا۔ معتزلہ حریتِ فکر کے داعی تھے اور اپنے سیاسی و مذہبی افکار کو بڑی جرأت کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کرتے تھے، لیکن ''اعتزال'' کا یہ پودا ابھی کم زور اور نشوونما کے ابتدائی مرحلے میں تھا ❷۔ اس طور سے عراق میں عربی، عجمی، کشمکش، قبائلی عصبیت وفکری ونظری اختلافات موجود تھے۔

شام

عہد زیر نظر میں شام ہی عربوں کی اصل قوت کا مرکز تھا۔ لیکن یہاں بھی شمالی عرب کے بنو مضر اور جنوبی عرب کے بنو قحطان، بلکہ زیادہ درست تعبیر کی رو سے شمالی عربوں کے قبیلہ خزاعہ کی شاخ بنو کلب اور شمالی عربوں کے بنو مضر کی شاخ بنو قیس کے قبائل، سیاسی وقبائلی مفادات کی خاطر مختلف ٹولیوں میں بٹے ہوئے تھے اور ان کے اس افتراق سے سیاسی مہم جو اور اقتدار کے متلاشی حسب دل خواہ فائدہ اٹھاتے رہتے تھے۔ یہ قبائلی منافرت بعد میں شامی عربوں کے زوال کا سب سے بڑا سبب ثابت ہوئی۔ ❸

---

❶ أیضاً: حوالہ بالا، ص ۱۷۰ ❷ أیضاً: حوالہ بالا، ص ۱۸۲ ❸ تاریخ الرسل والملوک: طبری ص ۲۶۲ ج ۷

جب معاویہ بن یزید بن معاویہ خلافت سے دست بردار ہوگیا❶ تو ان تمام مراکز میں نہ تو کسی قسم کا رابطہ تھا اور نہ ان کے اہواء واغراض یکساں تھے اس لئے سب نے اپنے اپنے طور پر الگ الگ قدم اٹھایا۔ بصرہ میں خوارج نے، کوفہ میں شیعانِ علیؓ نے، حجاز میں خلافت راشدہ کے احیاء کے حامیوں نے اس سیاسی انتشار سے فائدہ اٹھانے یا اگر حسن ظن ہو تو اس انتشار کو ختم کرنے کے لئے کوششیں شروع کیں۔ اس طرح شام میں کلبی وقیسی قبائل نے اپنے قبائلی مفاد کی حفاظت کی خاطر اقتدار کی رسہ کشی میں حصہ لیا، شام کے قیسی اہل حجاز کے ہم نوا ہوگئے اور وہاں کے کلبی اموی خاندان کے حامی وناصر❷۔ دوسری جانب کوفیوں نے مختار ثقفی کا ساتھ دیا❸ اور بصرہ کے خوارج نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنالی❹۔ یوں دنیائے اسلام میں انتشار، افتراق اور لامرکزیت کا فتنہ در آیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نو (۹) سال تک بیک وقت چار دعویدارانِ خلافت، منصب خلافت پر قبضہ کے لئے ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہے، حتیٰ کہ حج کے موقع پر بھی، کہ اسلام کی اجتماعیت اور مسلمانوں کی یکجہتی واتحاد کا مظہر ہے، مسلمانوں نے چار (۴) مختلف دھڑوں میں بنٹ کر چار (۴) مختلف پرچموں تلے اور چار (۴) سیاسی قائدین کی امارت میں فریضہ حج ادا کیا۔ یہ نتیجہ تھا❺ انتخاب خلیفہ وامام سے متعلق اصول وضوابط کی عدم موجودگی کا۔

شام میں قیسی قبائل، ضحاک بن قیس فہری (قریشی) کی قیادت میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے حامی اور حجازی گروہ کے ہم نوا تھے۔ بنو کلب جن کا قائد حسان بن مالک بن بحدل کلبی تھا وہ ابن زبیرؓ کا سخت مخالف اور نتیجۃً اموی حکومت کی بازیابی واستقرار کے لئے کوشاں تھا۔ اس کی وجہ سے مروان بن حکم نے اس گروہ کی قیادت قبول کی، ورنہ وہ ابن الزبیرؓ کی بیعت کرنے پر آمادہ تھا۔ اموی گروہ میں مزید استحکام کی غرض سے یہ فیصلہ کیا گیا کہ حکمراں مروان ہو، اس کا ولی عہد وجانشین یزید اول کا بیٹا خالد ہو جو بنو کلب کا نواسہ تھا، خالد کے بعد عمرو بن سعید اموی کو ولی عہد دوم نامزد کیا گیا، جو مروان کا عمزاد اور داماد تھا اور ایک باصلاحیت فوجی قائد اور بہادر سپاہی بھی تھا❻۔ یوں ''اموی پارٹی'' یا حزب اموی میں پہلی بار ایک ساتھ ایک سے زائد ''ولی عہد'' کی نامزدگی کا طریقہ رائج ہوا، جس سے بعد میں انتشار اور بدمزگی میں اضافہ ہوا۔ قصہ کوتاہ شام پر

❶ أیضاً: حوالہ بالا، ص ۵۳۰، ۵۳۱ ج ۵
❷ أیضاً: حوالہ بالا، ص ۵۳۴ ج ۵
❸ أیضاً: حوالہ بالا، ص ۷ ج ۶
❹ أیضاً: حوالہ بالا، ص ۱۱۹ ج ۶
❺ أیضاً: حوالہ بالا، ص ۱۳۸ ج ۶
❻ أیضاً: حوالہ بالا، ص ۵۳۶، ۵۳۷ ج ۵

اقتدار حاصل کرنے کی غرض سے قیسی وکلبی عربوں یا زبیری واموی احزاب میں دمشق کے قریب ''مرج راہط'' کے مقام پر ایک خون ریز جنگ ہوئی' جس میں کلبی عرب اور اموی پارٹی کو اپنے حریف پر بھرپور کامیابی ہوئی اور دمشق میں مروان بن حکم کی قیادت میں ۶۴ھ میں اموی خلافت کا استقرار ہوگیا' اس خاندان کے سفیانی گھرانے کے بجائے مروانی گھرانے میں اور بعد کے تمام اموی خلفاء اسی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ جنگ مرج راہط نے اپنے عہد کی تاریخ اور اس دور کے عربی ادب پر بڑے گہرے نقوش ثبت کئے ہیں ❶' جن کا بیان ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

دوسری جانب عرب (حجاز یمن) اور بصرہ کے لوگوں نے امام وخلیفہ کی حیثیت سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی بیعت کرلی۔ ابن زبیرؓ نے مصر وشام سے بھی اپنی بیعت لینی چاہی مگر عمرو بن سعید کے ہاتھوں ان کی افواج کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن خراسان میں ان کی بیعت کرلی گئی اور کوفہ میں بھی لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ یوں مصر وشام کے علاوہ ایک مختصر عرصہ کے لئے تمام اسلامی دنیا نے ان کی خلافت کو تسلیم کرکے ''نظام شوروی'' کی تائید وتوثیق کردی ❷۔ مگر یہ سوال جواب طلب ہے کہ کیا حضرت ابن زبیرؓ نے خلافت راشدہ کو بحال کیا؟ کیا ان کا انتخاب اجماع واختیارات کے ذریعہ ہوا؟ اور کیا انہوں نے انہیں اصول جہاں بانی کو اختیار کیا جو مثلاً سیدنا عمر فاروقؓ کے اسوے سے ثابت ہیں؟ یہاں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ کیا اس عہد کے دگرگوں اوضاع واطوار میں ایسا کرنا ممکن بھی تھا؟ کہنے والے یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ابن زبیرؓ کے قول وعمل میں تضاد تھا اور مشہور اموی قائد روح بن زنباع جذامی نے یہ کہا بھی تھا۔ ❸ اگرچہ یہ کہنا سراسر غلط ہے۔

تیسرا گروہ شیعان علیؓ کا تھا' جسے کوفہ اور اس کے توابع میں کافی قوت حاصل تھی۔ اس عہد کے انتشار سے اہل کوفہ نے بھی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی' ان کے متفق الخیال ہونے سے پہلے عبداللہ بن زبیرؓ نے کوفہ پر قبضہ کرکے اپنا گورنر (والی) مقرر کردیا تھا ❹' اس زمانے میں جناب سلیمان بن صرد خزاعیؓ کی قیادت میں کوفہ کے معززین نے حمایت حسینؓ نہ کرنے پر سخت ندامت

---

❶ أیضاً: حوالہ بالا' ص ۵۳۵ ج ۵
❷ أیضاً: حوالہ بالا' ص ۵۳۰ ج ۵
❸ أیضاً: حوالہ بالا' ص ۵۳۶ ج ۵
❹ أیضاً: حوالہ بالا' ص ۵۲۹' ۵۳۰ ج ۵

کا اظہار کیا اپنی اس غلطی پر توبہ کی اور تاریخ میں ''التوابون'' کے نام سے شہرت پائی۔ کوفہ کے چھ ہزار اشراف شیعہ نے شام پر حملہ کرنے اور قاتلینِ حسینؓ کو کیفر کردار تک پہنچانے کی غرض سے ۶۵ھ میں شامی افواج سے ''عین الوردہ'' کے مقام پر جنگ کی اور شکست کھائی ❶۔ التوابون کے کوفہ کے افق سے ہٹتے ہی مختار بن ابی عبید ثقفی کو موقع مل گیا' اس نے شہر سے زبیری گورنر کو لڑ کر نکال دیا اور شیعان علیؓ کے ترجمان وخون حسینؓ کے انتقام کے داعی کی حیثیت سے ۶۶ھ میں کوفہ اور اس کے متعلقہ علاقوں میں زبردست جنگی قوت بہم پہنچالی۔ اس نے امامتِ آلِ علیؓ کا نعرہ بلند کیا اور حضرت علیؓ کے غیر فاطمی بیٹے محمد بن حنیفہ کی لوگوں سے بیعت لینی شروع کردی ❷۔

چوتھا گروہ ''خوارج'' کا تھا۔ یہ خوارج بصرہ اور اس کے اعمال یعنی ماتحت انتظامی علاقوں میں کافی قوت کے مالک تھے۔ مگر ان کا مرکز وسطی عرب میں یمامہ و بحرین تھا۔ عہد زیر نظر میں ان کے سردار نافع بن ازرق حنظلی' عبداللہ بن اباض صریمی' ابوفدیک یشکری اور نجدہ بن عامر حنفی تھے۔ ان خوارج نے اسلامی ممالک میں کشت وخون کا بازار گرم کردیا یہ لوگ اپنی خیرہ سری کی وجہ سے مخالفوں کے قتل کے ساتھ ہی اپنے حامیوں کو معمولی اختلاف پر تلوار کی دھار پر رکھ لیتے تھے۔ یوں یہ گروہ نہایت خطرناک تھا۔ بات بات پر تکفیر' اور قتل ان لوگوں کا معمول تھا۔ امامت وخلافت کے مسئلہ پر ان کے خیالات سب سے الگ اور ان کا رویہ بے لچک تھا۔ ❸

سطور بالا سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عہدِ انتشار میں کہ ۶۴ھ سے ۷۳ھ تک محیط ہے دنیائے اسلام میں بیک وقت چار مدعیانِ امامت وخلافت تھے اور ان میں سے ہر ایک کے دعویٰ کی اساس دوسرے سے بالکل مختلف تھی۔ اہل شام بنوامیہ کی حمایت عربوں کی نسلی برتری وقبائلی عصبیت کی بناء پر کرتے تھے۔ ان کے نزدیک دنیائے اسلام کی قیادت کا حق صرف عربوں کو تھا اور ان عربوں کی غالب اکثریت بنوامیہ کی حامی تھی' اس لئے وہی دوسروں کے مقابلہ میں امت کی امامت اور قیادت کے حقدار تھے ❹۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے حامی خلافت کو ''شوروی''

---

❶ أیضاً: حوالہ بالا' ص ۵۵۱ ج ۵ ❷ أیضاً: حوالہ بالا' ص ۱۳' ۱۴ ج ۶

❸ فجر الاسلام: أحمد أمین' محوالہ بالا' ص ۲۵۷

❹ تاریخ الاسلام السیاسی: حسن إبراھیم حسن' بیروت ''دار أحیاء التراث العربي'' ۱۹۶۴ء' ص ۳۴۲ ج ۱

سمجھتے تھے' ان کے خیال میں خلافت و امامت کیلئے انہیں اوصاف کی ضرورت تھی جو خلفائے راشدین میں تھے ۔تقویٰ اور اصلیحت کی وجہ سے ان کا حق امامت وخلافت دوسروں سے مرجح و مقدم تھا۔ان میں اس منصب کی مطلوبہ صفات وشروط بدرجہ اتم موجود تھیں یعنی وہ صفات وشروط جو حضرت ابوبکر صدیق وحضرت عمر فاروقؓ کے انتخاب واختیار کی بنیاد تھیں اور جو زمانہ مابعد میں خلافت وامامت کے امیدوار کے انتخاب میں معیار کا درجہ رکھتی تھیں۔ان کے نزدیک اس معیار پر صرف حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پورے اترتے تھے اور وہی اس منصب کے اصلح' امثل واقعی ہونے کے باعث حقدار تھے ❶۔خلافت کے بقیہ دو دعویداروں کے نظریات بہت مختلف تھے۔ جب مختار بن ابی عبید ثقفی کو آلِ علیؓ کے نام پر اقتدار حاصل ہوگیا اور اس نے اپنی سہولت کی خاطر محمد بن حنفیہ کو امام وخلیفہ کی حیثیت سے متعارف کردیا' تو واقعی اقتدار اس کے ہاتھ میں رہا اور محمد بن حنفیہ کو اسمیں سے کوئی حصہ نہ ملا۔وہ اقتدار پر مستبدانہ قابض تھا اور ابن حنفیہ کا نام اپنے ذاتی اغراض کے حصول کی خاطر استعمال کرتا رہا❷۔اس نے حضرت علی مرتضیٰؓ کی فاطمی اولاد (خانوادہ حسنؓ وحسینؓ) کے بجائے غیر فاطمی اولاد کا سہارا اس لئے بھی لیا کہ ان لوگوں کو کوئی خاص حمایت واہمیت حاصل نہ تھی اور آل فاطمہؓ کے مقابلہ میں ان کی کوئی حیثیت نہ تھی۔اس تیسرے فریق نے جو امامت آل علیؓ کا نعرہ بلند کیا وہ اولاً تو امامت آل محمدؐ کے نعرہ سے مختلف تھا' کیونکہ آل محمدؐ میں حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی اولاد داخل تھیں حضرت علیؓ کی غیر فاطمی اولاد نہیں۔بہرکیف مختار نے اپنے دعویٰ کی وجہ سے اسلام کے نظام سیاست کاری میں جو جوہری تغیرات پیدا کئے وہ یہ تھے کہ امامت موروثی اور ایک خاندان کا حق ہے اور وہ خاندان خلیفہ چہارم کا ہے' جگر گوشہ رسولؐ اور ریحانہ جنت فردوس کا نہیں' دوسری تبدیلی یہ آئی کہ امام محض برائے نام ہو اور واقعی اختیار کسی اور کو حاصل ہو' یہی عمل عہد انحطاط کے عباسی و فاطمی خلفاء کے زمانوں میں بروئے کار آیا' تیسری تبدیلی یہ رونما ہوئی کہ امامت وخلافت شوروی نہیں' بلکہ موروثی ہے' امت کو اختیار امام کا حق نہیں ہے بلکہ یہ ''ضرورت دین'' ہے۔اور امام کا عزل ونصب امت کے دائرہ کار سے باہر ہے' اسے صرف اطاعت کرنا چاہئے' کہ یہی اطاعت دین ہے اور اس سے انحراف دین سے انحراف ہے۔امام امت کے سامنے جواب دہ نہیں ہے اور امت کا مرجع اطاعت وہی' منصوص من

❶ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۴۱۱ ج ۱ ❷ الملل والنحل: شہرستانی' محوالہ بالا' ص ۱۴۷ تا ۱۵۰ ج ۱

اللہ وہی اور آمر وناہی وہی ہے ❶۔ مختار ثقفی کے مذہبی افکار اور اس کی بدعات کے ذکر کا یہ موقع نہیں ہے کہ اس سے یہ بحث غیر ضروری طور پر دراز ہو جائے گی' مختار ثقفی کے بعد خلافت وامامت کے چوتھے دعویدار کے افکار پر غور کرنا چاہئے' یہ چوتھا گروہ خوارج کا ہے۔ ان کے نظریات پہلے تینوں احزاب' اموی' شوروی وعلوی' سے یکسر الگ تھے۔ پہلے تینوں گروہ کم از کم اس بات پر متفق تھے کہ امام وخلیفہ کو خاندانِ قریشی سے ہونا چاہئے' ہر چند کہ وہ جزئیات یا کلیات میں باہم مختلف الخیال تھے۔ لیکن خوارج کا یہ گروہ امام کے لئے قریشیت کی شرط کے بھی خلاف تھا' اس کے عقیدہ کی رو سے کوئی بھی مسلمان اس منصب پر فائز ہونے کا حق رکھتا تھا' خواہ وہ عرب ہو یا عجم' اسی طرح اس کا آزاد (حُر) ہونا بھی ضروری نہ تھا وہ غلام (عَبد) بھی ہوسکتا تھا۔ خوارج کے گروہ مختلف الخیال اور باہم دگر مجادل بھی تھے' ان کے نزدیک منصب امامت وخلافت دوسرے احزاب کے برخلاف' واجب اور ضروری بھی نہ تھا' اس کا انعقاد امت پر لازم نہ تھا' اس سے اس منصب کی اہمیت ان کی نگاہوں میں حد درجہ کم ہو کر رہ گئی یا اس کے علاوہ امام کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ وہ اپنے مخالفوں سے جنگ کرے اور تلوار کے ذریعہ اپنے استحقاق کو امت سے تسلیم کرائے۔ ایک ہی وقت میں ان خوارج کے مختلف دھڑوں کے متعدد امام وامیر تھے' یہ تعدد' تشتت وتفرق کا سبب بنتے تھے' چنانچہ دنیائے اسلام میں یہ لوگ ''لاقانونیت'' کی علامت بن گئے تھے۔ ❷

محولہ بالا بات چیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پہلی صدی ہجری کے اختتام سے پچیس (۲۵) سال پہلے ہی خلافت وامامت' طاقت' شوریٰ' تقدیسِ نسل علیؓ اور انتشار وتشتت کے متضاد وباہم متصادم نظریات کی پیچیدگیوں میں الجھ گئی' اور اختلافات کی ایسی مضبوط ومستحکم بنیادیں وجود میں آ گئیں جن سے دین کی دعوت متاثر ہوئی' احزاب سیاسیہ' فرق دینیہ کی شکل اختیار کر گئے اور امت کی سربراہی وامامت وخلافت کے انعقاد کا اصل مقصد فوت ہو گیا کہ اتحاد ملت اور شیرازہ بندی امت کے سوا کچھ اور نہ تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ اختلاف اصول دین قرار پایا اور عقائد وافکار کی بلند وبالا عمارت اس کی بنیاد پر تعمیر کی گئی' اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو ہر گروہ' ایک فرقہ نہیں' ایک جداگانہ مذہب قرار پایا اور انسانی اقدار کے اشتراک کے علاوہ ان میں باہم دگر کوئی بات مشترک اور کوئی اصل مابہ الاتحاد نہیں رہی۔

---

❶ فجر الاسلام: احمد امین' محوالہ بالا' ص ۲۶۷ ❷ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۲۵۸ تا ۲۶۱

قصہ کوتاہ پایان کار ''نظریہ طاقت وتفوق عرب'' کو کامیابی حاصل ہوئی اور مروانِ اول کا فرزند و جانشین عبدالملک ۷۳ھ میں اپنے تمام مخالفوں کو زیر کر کے دنیائے اسلام کا واحد مقتدر حکمراں ہوگیا❶۔ عبدالملک کے جانشینوں کے عہد میں اسلامی دنیا ۱۲۵ھ تک متحد رہی اور عظیم فتوحات وشاندار کامیابیوں کا یہ زمانہ پچاس (۵۰) سال سے زیادہ عرصہ پھیلا ہوا ہے۔

بنوامیہ

بنوامیہ نے دوبارہ برسراقتدار آ کر نظام ولی عہدی میں مزید تبدیلیاں کیں۔ ایک تبدیلی یہ کی گئی کہ خلیفہ ولی عہد کی بیعت کو منسوخ کرنے لگا۔ چنانچہ جب اہل شام نے مروان بن حکم کو خلیفہ منتخب کیا تو اس کے بعد خالد بن یزید اور عمرو بن سعید کو یکے بعد دیگرے اس کا ولی عہد نامزد کیا❷۔ لیکن مروان بن حکم نے اپنی مختصر ترین مدت خلافت میں ان دونوں ولی عہدوں کی ولایتِ عہد منسوخ کر کے اپنے بعد اپنے بیٹوں عبدالملک اور عبدالعزیز کو یکے بعد دیگرے ولی عہد مقرر کر دیا❸۔ جب عبدالملک کی باری آئی تو اس نے اپنے بھائی عبدالعزیز کی ولی عہدی پر خط تنسیخ کھینچنے کی کوشش کی مگر موت نے عبدالعزیز کو میدانِ سیاست سے دور کر دیا اور عبدالملک نے اپنے بیٹوں ولید اول اور سلیمان کو ولی عہد نامزد کر لیا❹۔ ولید اول نے سلیمان کو ولی عہدی سے ہٹانے کی سرتوڑ کوشش کی، لیکن موت نے اسے مہلت نہ دی❺۔ ولید کی ناکام کوشش کا نہایت افسوس ناک نتیجہ نکلا اور سلیمان کی آتش انتقام میں دنیائے اسلام کے عظیم فاتحین موسیٰ بن نصیر لخمی، قتیبہ بن مسلم باہلی اور محمد بن قاسم ثقفی جل کر راکھ ہوگئے اور اسلامی فتوحات کے بڑھتے ہوئے قدم یکبارگی رک گئے۔ موسیٰ جس کی عتابانہ نگاہیں جبل برنات کے پار جنوبی فرانس کی تسخیر پر مرتکز تھیں، ولی عہدی کی تنسیخ وکشمکش کی بھینٹ چڑھ گیا۔ قتیبہ کو بقول خواجہ عطاء امت محمدیہ کا شیرِ نر تھا۔ چین کے دروازے پر دستک دے رہا تھا اپنے ہی سپاہیوں کے ہاتھوں جان سے گیا اور محمد، کہ دنیا کا نہایت کم سن مگر قابل ترین فاتح وسپہ سالار تھا، برصغیر میں ملتان کے صحراؤں کے پرے لشکر کشی کے منصوبے بنا رہا تھا اسے پابجولاں عراق واپس لے جایا گیا اور ایسی موت مرا جو ایک عظیم جنرل کے شایانِ شان نہ تھی۔❻

---

❶ تاریخ الرسل والملوک: طبری، محوالہ بالا، ص ۴۱۸ ج ۶ ❷ أیضاً: حوالہ بالا، ص ۵۳۷ ج ۶

❸ أیضاً: حوالہ بالا، ص ۶۱۰ ج ۵ ❹ أیضاً: حوالہ بالا، ص ۴۱۶ ج ۶

❺ أیضاً: حوالہ بالا، ص ۴۹۸، ۴۹۹ ج ۶ ❻ الکامل فی التاریخ: ابن الاثیر، محوالہ بالا، ص ۱۳۷ تا ۱۴۲ ج ۴

بیک وقت ایک سے زائد ولی عہدوں کی نامزدگی سے خود اموی خاندان بھی اختلاف کا شکار ہوا۔ مروان کے بعد عمرو بن سعید کا عبدالملک کے ہاتھوں قتل اس خاندان میں پھوٹ کا پہلا بیج تھا جو بویا گیا❶ اسی طرح خالد بن یزید کی ولی عہدی کی تنسیخ سے خاندان میں ایک اور تفرقہ پڑا اور مروانی و سفیانی خانوادے ایک دوسرے کے دشمن ہوگئے❷۔ اس کے علاوہ خلیفہ سابق کے عہد میں دو ولی عہدوں کی بیعت اور خلیفہ حال کے دور میں ان میں سے ایک کی تنسیخ' ادارہ بیعت کی بے قدری اور بے وقعتی تھی۔ لوگوں کے دلوں میں ایسی بیعت کی کیا قدر ہوسکتی تھی جو ایک خلیفہ منعقد کرے اور اس کا جانشین خود کو برقرار مگر دوسرے ولی عہد کی بیعت کو توڑ کر اسے بازیچہ اطفال بنادے۔

سلیمان بن عبدالملک' عمر بن عبدالعزیز

جب ۹۶ھ میں سلیمان بن عبدالملک سریر آرائے خلافت ہوا' تو اس نے اپنے پیش رو خلفاء کی روش سے انحراف کیا اور اپنے بھائی یا بیٹے کو اپنا جانشین (خلیفہ) نامزد کرنے کے بجائے خاندانِ اموی کے ایک ایسے فرد کا انتخاب کیا جو بلاشبہ اصول شوریٰ اور خلفاء راشدین کے اسوے کے مطابق بھی خلافت وامامت کی اہلیت رکھتا تھا❸۔ اس طور سے سلیمان کے نامزد خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن حکم کی ذات میں طریق شوروی و روایت تفوق نسل عربی دونوں مجتمع ہوگئیں' یہ یقیناً ایک خوش گوار تبدیلی تھی اور امت نے بجا طور پر اطمینان کا سانس لیا' حتیٰ کہ خوارج نے اپنی تمام شورہ پستی و خیرہ سری کے باوجود اس تقرر کو پسند کیا ان کے دور خلافت میں انہوں نے عموماً مسلح جدوجہد سے احتراز کیا' اس طرح شیعان علیؓ نے بھی ان کی خلافت کو قبول کیا❹۔ یوں ۹۹ھ میں ایک اصلاح کی صورت نکلی' بگاڑ کی فضاء بدلی اور امت میں اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ جناب عمر بن عبدالعزیز کی نامزدگی کے لئے سلیمان بن عبدالملک کی کھلے دل سے تعریف کی گئی ہے اور فاتحینِ اسلام کے استیصال کو بھی امت نے اس کار خیر کی وجہ سے برداشت کرلیا۔ امت نے سلیمان کو "مفتاح الخیر" یعنی کلید خوبی' کے لقب سے نوازا' لیکن اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد دوسرا جانشین اپنے بھائی یزید بن عبدالملک کو نامزد کرکے اس تبدیلی کے اچھے اثرات کو

---

❶ تاریخ الرسل والملوک: طبری' محوالہ بالا' ص ۱۴۵ ج ۶

❷ الکامل فی التاریخ: ابن الاثیر' محوالہ بالا' ص ۳۴۷ ج ۳

❸ تاریخ الرسل والملوک: طبری' محوالہ بالا' ص ۵۵۰ ج ۶

❹ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۵۵۵ ج ۶

محدود اور اس کی برکات کو کم کر دیا❶۔ ہم بجا طور پر یہ توقع رکھتے ہیں کہ اگر حضرت عمر بن عبدالعزیز کو موت نے مہلت دی ہوتی اور وہ تین سال کے مختصر عرصہ کے بجائے زیادہ طویل عرصہ تک مسند نشین خلافت رہتے تو اسلام کے نظام سیاست کاری میں بہتری پیدا ہوتی اور اس کی وہ گت نہ بنتی جو بعد کے ادوار (بقیہ عہد اموی' عہد عباسی وغیرہ) میں ہوئی' کیونکہ تاریخ نے یہ واقعہ محفوظ رکھا ہے کہ وہ یزید ثانی کی ولی عہدی کے باوجود اتقی' امثل اور اصلح ہونے کی بناء پر سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے پوتے قاسم بن محمد کو اپنا جانشین (خلیفہ) اور امت کا امام مقرر کرنا چاہتے تھے۔❷

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد ۱۰۱ھ میں ولی عہدی کی بناء پر یزید بن عبدالملک سریر آرائے خلافت ہوا۔ خاندانی شرف میں وہ اپنے بھائیوں سے ممتاز تھا کہ یزید اول کا نواسہ اور سفیانی خانوادہ کا بھی فرد تھا اور مروانی خانوادہ کا بھی۔ مگر جناب معاویہؓ کی پوتی عاتکہ بنت یزید اور مروان بن حکم کے بیٹے عبدالملک کے فرزند ہونے کے سوا اس میں کوئی خصوصیت و اہلیت نہ تھی۔ بہر حال جوں توں کر کے اس نے پانچ سال کی مدت گزار دی اور ۱۰۵ھ میں مرنے سے پہلے اپنے بھائی ہشام بن عبدالملک کو اور اس کے بعد اپنے بیٹے ولید بن یزید (ولید ثانی) کو اپنا جانشین مقرر کر لیا۔ یوں بیک وقت دو ولی عہدوں کی بدعت جاری و ساری رہی۔❸

ہشام بن عبدالملک کا عہدِ خلافت ۱۰۵ھ سے ۱۲۵ھ تک اور نسبۃً ایک طویل عرصہ ہے۔ اپنی اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں اور سادہ اخلاق کے لئے اس کے دور کی مؤرخین نے تعریف کی ہے' وہ اپنے خاندان کا آخری مدبر تھا' مگر ولی عہد دوم نکما اور نااہل ترین شخص تھا' اس لئے ہشام اپنے اس جانشین کو معزول کرنا چاہتا تھا' مگر یہ اموی خاندان اور دنیائے اسلام کی بدقسمتی تھی کہ وہ اپنے اس ارادے میں کامیاب نہ ہو پایا اور جب ۱۲۵ھ میں اس کا انتقال ہوا تو بدترین خاندانی عداوتوں کے پس منظر میں ولید بن یزید بن عبدالملک بن مروان بن حکم' اپنے چچا ہشام بن عبدالملک جیسے مدبر اور منتظم کا جانشین ہوا۔ اس کے ساتھ ہی خاندانی عداوتوں اور قبائلی لڑائیوں کا آغاز ہو گیا جس نے اموی خلافت کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا۔❹

---

❶ الکامل فی التاریخ: ابن الأثیر' محوالہ بالا' ص ۱۵۱ ج ۴

❷ المقدمۃ ابن خلدون: ابن خلدون' محوالہ بالا' ص ۲۰۶' ۲۰۷

❸ تاریخ الرسل والملوک: طبری' محوالہ بالا' ص ۵۷۴ ج ۶ ❹ أیضاً: حوالہ بالا' ص ۲۰۹ ج ۷

ولید بن یزید (ولید ثانی) نے ۱۲۵ھ سے ۱۲۶ھ تک سوا سال کے قریب حکومت کی' ولید اول اور ہشام کے گھرانوں سے اس کی عداوت نفرت میں بدل گئی تھی' یوں بنوامیہ کا اتحاد پارہ پارہ ہوگیا' لیکن ولید ثانی کی مخالفت کی سب سے بڑی وجہ اس کی مذہب سے بے راہ روی اور خلاف مذہب حرکات تھیں' اس کا چچا ہشام اس سے اسی لئے ناراض تھا اور اسے منصب خلافت سے اس کے فسق و فجور کے باعث ہٹانا چاہتا تھا۔ عہد عباسی کے مؤرخین نے' یقیناً ولید ثانی کی جانب بہت سی غلط باتیں بھی منسوب کردی ہیں' مگر یہ سچ ہے کہ اس کی مے نوشی' موسیقی سے شغف' شعائر اسلام کے استخفاف اور فسق و فجور کی روایتیں متواتر ہیں اور ان سے انکار ممکن نہیں ہے۔ اس کی ان ''مذہب مخالف'' حرکات کی وجہ سے شام میں اس کے خلاف مخالفت کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا' جس میں پیش پیش اس کے خاندان کے افراد ہی تھے۔ مخالفوں کے ٹولے کا سردار یزید بن ولید بن عبدالملک بن مروان (یزید ثالث) تھا' جو اپنے تقویٰ اور نیکوکاری کے لئے مشہور تھا❶۔ بہرکیف جمادی الآخر ۱۲۶ھ میں اپنے محاصرہ کے دوران ولید ثانی نے محاصرین کے سرغنہ یزید بن عنبسہ سکسکی سے اس کی مخالفت کی وجہ دریافت کی' تو اس نے یہ جواب دیا:

''ہم تمہارے مخالف اس لئے نہیں ہیں کہ ہمیں تم سے کوئی ذاتی عداوت ہے' ہم تو تمہاری مخالفت اس لئے کررہے ہیں کہ تم نے ان چیزوں کو حلال کرلیا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے' تم شراب پیتے ہو' تم اپنے باپ کی لونڈیوں کے ساتھ بدکاری کرتے ہو اور تم اللہ کے دین کا استخفاف کررہے ہو اور اللہ کے احکام کو پامال کررہے ہو''۔❷

اسلام کے نظام سیاست کاری کی تاریخ میں خصوصاً عہد اموی کے تناظر میں یہ ایک نئی اور مستحسن روش تھی' بعد میں بھی ہم اس کی مثالیں دیکھتے ہیں۔ ان مثالوں سے عہد اموی کی مزعومہ ''لامذہبیت'' کی ان روایتوں کی بے اصلی ثابت ہوجاتی ہے' جنہیں عہد عباسی کے درباری وضاعین نے اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کی غرض سے بڑی آب و تاب سے بیان کیا ہے۔❸

جمادی الآخرہ ۱۲۶ھ میں ولید ثانی کے قتل کے بعد اس کا برادر عم زاد یزید بن ولید (یزید ثالث) سریر آرائے خلافت ہوا۔ اس کا عہد نہایت مختصر اور داخلی انتشار سے پُر ہے۔ اس نے چھ

---

❶ اَیضاً: حوالہ بالا' ص ۲۳۱ ج ۷ ❷ اَیضاً: حوالہ بالا' ۲۴۶ ج ۷

❸ تاریخ الخلفاء: جلال الدین سیوطی' کراچی' ''اصح المطابع'' (س۔ن) ص ۱۸

ماہ کی حکومت کے بعد ذوالحجہ ۱۲۶ھ میں انتقال کیا۔ اس کے دور کی دو باتیں ہمارے موضوع سے بطور خاص تعلق رکھتی ہیں' ایک اس کی ''مذہبیت'' دوسری اس کی ''شورویت''۔ جب اس کی بیعت کی جانے لگی اور اس کے حامیوں نے اس کا نام تجویز کیا تو وہ کھڑا ہوا اور کہا:

''بارالہا! اگر میری خلافت تیری رضاء کی خاطر ہے' تو میری دستگیری فرما اور میری اصلاح کر' لیکن اگر ایسا نہ ہو' اور یہ بیعت خلافت تیری خوشنودی کے لئے نہ ہو' تو اسے مجھ سے میری موت کے ذریعہ پھیر لے (یعنی مجھے موت دے دے)''۔ ❶

یزید ثالث کے شش ماہہ عہد کی دوسری اہم بات جو سیاسی تغیرات اور نظام میں تبدیلی کے طالب علم کے نقطہ نگاہ سے بڑی اہمیت کی مالک ہے' وہ اس کی وہ تقریر ہے جو اس نے اپنے بیعت کے بعد لوگوں کے سامنے کی تھی۔ اس نے مجمع کو مخاطب کر کے کہا:

''لوگو! اللہ کی قسم میں نے غرور و تکبر' دنیا کی حرص و طمع اور حکومت کی طلب و رغبت کے سبب یہ خروج نہیں کیا' اگر میں ایسا کروں' تو میں اپنے نفس پر بڑا ظلم کروں گا' اور میرا رب مجھ پر رحم نہ کرے گا۔ میں نے یہ خروج اللہ' اس کے رسول اور اس کے دین کی خاطر کیا کیونکہ ہدایت کے نشانِ راہ کو ڈھایا جا رہا تھا' پرہیزگاروں کے نور کو بجھایا جا رہا تھا' سرکش ظالم غالب ہو گیا تھا' جس نے ہر حرمت کو حلال کر دیا تھا اور ہر بدعت کا ارتکاب کیا تھا۔ وہ بخدا نہ اللہ کی کتاب (قرآن) کی تصدیق کرتا تھا اور نہ روز حساب (قیامت) پر اس کا ایمان تھا۔ وہ حسب میں میرا ابن عم اور نسب میں میرا کفوء و ہم سر تھا۔ جب میں نے یہ حالات دیکھے تو اس معاملہ میں اللہ سے بھلائی طلب کی (استخارہ کیا) اور یہ دعا کی کہ میں اپنے نفس پر اعتماد نہ کروں۔ چنانچہ میں نے اپنے علاقہ کے لوگوں کو جنہوں نے میری پکار پر لبیک کہا' بلایا اور اس کام (ولید ثانی کے عزل) میں کوشش کی یہاں تک کہ اللہ نے عباد (بندوں) اور بلاد (ملک) کو ولید سے نجات دلائی۔ ایسا میری قوت و طاقت سے نہیں بلکہ اللہ کی قوت و طاقت سے ہوا۔ لوگو! مجھ پر تمہارا یہ حق ہے کہ میں اس وقت تک پتھر پر پتھر اور اینٹ پر اینٹ نہ رکھوں (کوئی عمارت تعمیر نہ کراؤں) نہ کوئی نہر کھدواؤں' نہ کسی قسم کا مال اکٹھا کروں' نہ اسے زن و فرزند کو بخشوں اور نہ ایک علاقہ (بلد' صوبہ' خطہ) سے دوسرے علاقہ کو منتقل کروں' جب تک کہ اس علاقہ کی سرحدوں کی حفاظت کا بندوبست نہ کر لوں

❶ تاریخ الرسل والملوک: طبری' محوالہ بالا' ص ۲۴۰ ج ۷

اور وہاں کے ضرورت مندوں کی اعانت و دستگیری نہ کرلوں۔ اگر اس علاقہ کی ضروریات کی تکمیل کے بعد بھی کچھ مال بچ رہے گا' تو اس سے اس کے متصل زیادہ ضرورت مند علاقے کو منتقل کردوں گا۔ میں تم لوگوں کو تمہاری سرحدی فوجی چھاؤنیوں میں زیادہ عرصہ تک مقیم نہ رکھوں گا جس سے تم اور تمہارے اہل خانہ فتنے میں مبتلا ہوجائیں۔ میں تم لوگوں پر اپنے دروازے بند نہ کروں گا' کہ تمہارے قوی افراد تمہارے کمزور اشخاص کو ہڑپ کرجائیں۔ میں تمہارے ذمیوں کو جزیہ سے اس قدر زیر بار نہ کروں گا کہ وہ اپنے علاقوں سے ترک وطن کرجائیں اور ان کی نسل ختم ہوجائے۔ میں تم لوگوں کو تمہارے عطیے (عطیات) سالانہ اور تمہاری تنخواہیں (ارزاق) ماہانہ ادا کرتا رہوں گا تا آنکہ مسلمانوں کے مابین معیشت کے وسائل کی فراوانی ہوجائے اور ان میں جو لوگ دور ہیں وہ ان کے مانند ہوجائیں جو قریب تر ہیں۔ تم لوگوں سے میں نے جو وعدے کئے ہیں' اگر میں انہیں پورا کروں تو تم پر میری اطاعت' فرماں برداری وحسن ومشورہ (ذمہ داری میں ہاتھ بٹانا) لازم ہے۔ اگر میں اپنے وعدے ایفاء نہ کروں' تو تمہیں اختیار ہے کہ مجھے منصب خلافت سے علیحدہ کردو' یا پھر مجھ سے توبہ کرواؤ اور اگر میں توبہ کرلوں' تو میری توبہ کو تسلیم کرلو۔ اگر کوئی ایسا شخص تمہارے علم میں ہو' جو صلاح وتقویٰ سے معروف ہو اور تمہیں اپنی طرف سے ان حقوق کے دینے پر آمادہ ہو جو میں تمہیں دے رہا ہوں' اور تم اس کی بیعت کرنا چاہتے ہو' تو میں پہلا شخص ہوں گا جو اس کی بیعت کرکے اس کی اطاعت قبول کرلے گا۔

لوگو! خالق کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت لازم نہیں' وعدہ خلافی سے اس کے لئے کوئی ایفاء نہیں' بے شک اطاعت تو اللہ ہی کی ہے' اس وقت تک امام کی اطاعت کرو جب تک وہ اللہ کی اطاعت کرے' اگر وہ اللہ کی نافرمانی کرے اور معصیت کی جانب لوگوں کو بلائے' تو وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی نافرمانی کی جائے اور اس کی گردن ماردی جائے' میں یہ بات کہتا ہوں اور اللہ سے اپنے لئے اور تم سب کے لئے دعا مغفرت کرتا ہوں''۔ ❶

یزید ثالث کا یہ خطبہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے خطبۂ خلافت کے صدائے بازگشت ہے۔ ربیع الاول ۱۱ھ میں مسجد نبوی میں منبر رسول ﷺ سے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے روبرو کی گئی تقریر' اسلام کے نظام سیاست کی اساس اور اس کی کارکردگی کی بنیاد ہے۔ امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے حمد وصلوۃ کے بعد لوگوں سے یہ خطاب کیا تھا:

❶ البیان والتبیین: الجاحظ' بیروت ''دار صعب'' (س۔ن) ص ۲۸۴ ج ۲

''لوگو! مجھے تمہارا والی و امیر مقرر کیا گیا ہے' لیکن میں تم لوگوں سے برتر نہیں ہوں۔ اگر میں اچھے کام کروں' تو میری مدد کرو' اور اگر میں غلطی کروں' تو میری اصلاح کرو' صدق امانت ہے اور کفر خیانت ہے۔ تم میں سے جو لوگ کمزور ہیں وہ میرے نزدیک قوی ہیں' تا آنکہ میں ان کے لئے ان کا حق نہ لے لوں' اور تم میں جو لوگ قوی ہیں وہ میرے نزدیک کمزور ہیں' یہاں تک کہ میں ان سے حق واپس نہ لے لوں' انشاء اللہ۔ تم میں سے کسی کو جہاد سے پہلو تہی نہیں کرنی چاہئے' کیونکہ جو قوم جہاد ترک کر دیتی ہے' اللہ اسے ذلیل و خوار کر دیتا ہے۔ میں جب تک اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کروں' میری اطاعت کرو۔ اگر میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کروں' تو تم لوگوں پر میری اطاعت فرض نہیں ہے''۔ ❶

یزید ثالث کے خطبہ میں جن مالی اصلاحات و مواعید کا ذکر ہے' وہ عہد اموی کی بے اعتدالیوں کی نشاندہی کرتی ہے اور ان سے اس بات کا بھی پتا چلتا ہے کہ اسلامی نظام سیاسی میں ''مقامیت'' یا صوبائیت کا کس حد تک عمل دخل ہو گیا تھا۔ یہ امر عربوں کی مرکز گریز فطرت کا عکاس ہے اور اموی عہد کے تحزب' تشیع و قبائلی تعصب کا اسے لازمی نتیجہ سمجھنا چاہئے۔ اوپر ذکر کی گئی دونوں تقریروں سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ امام و خلیفہ کے ''عزل'' کا اختیار ''امت'' کو حاصل تھا' لیکن کسی واضح و مسلم طریقہ کی عدم موجودگی میں یزید ثالث کو تلوار کا سہارا لینا پڑا اور جب تلوار حکم بنتی ہے تو انتشار و تشتت کی کوکھ سے ''فتنہ'' جنم لیتا ہے جو ''فساد'' اور بگاڑ کی آخری حد ہوتا ہے۔ یہاں بھی یہی ہوا اور شام میں عربوں کے اختلاف سے فائدہ اٹھا کر ''الجزیرہ'' کے اموی گورنر مروان بن محمد بن مروان نے' کہ پہلے مروانی خلیفہ کا پوتا تھا' علم بغاوت بلند کر دیا اور ۱۲۷ھ میں دمشق پر اپنا قبضہ کر کے یزید ثالث کے ولی عہد و نامزد جانشین ابراہیم بن ولید بن عبدالملک بن مروان کو معزول اور ولی عہد دوم عبدالعزیز بن حجاج بن عبدالملک بن مروان کو ولایت عہد سے الگ کر دیا۔ ❷

مروان بن محمد بن مروان (مروان ثانی) کا شش سالہ عہد ۱۲۷ھ سے ذوالحجہ ۱۳۲ھ تک ❸۔ داخلی انتشار کا دور ہے شامی عربوں' اولاد ولید اول' سلیمان و ہشام کی مخالفتوں اور خانہ جنگیوں پر

---

❶ الکامل فی التاریخ: ابن الاثیر' محوالہ بالا' ص ۲۲۴' ۲۲۵ ج ۲

❷ تاریخ الرسل والملوک: طبری' محوالہ بالا' ص ۳۰۰ ج ۷

❸ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۴۴۲ ج ۷

مستزاد الجزیرہ اور عرب کے خوارج کی بغاوتوں نے حکومت کے شیرازے کو بکھیر کر رکھ دیا' جس سے مشرق (خراسان) سے سیاہ بادلوں کی طرح اٹھنے والی عباسی تحریک (دعوتِ عباسیہ) اپنے سیلاب میں اموی حکومت کو بہا لے گئی اور پایانِ کار دریائے ''زاب'' کے کنارے اموی خلافت کا سفینہ کہ عربوں کی بالادستی کی کشتی نوح تھا' غرق آب ہوگیا❶ اور پھر عربوں کی خالص بالادستی (اقتدار بحت) کا خواب ''دیوانے کا خواب'' بن گیا۔ اس عبرت ناک سانحہ کی نوحہ خوانی و داستان سرائی ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

آخری اموی خلیفہ مروانِ ثانی کے استحقاق خلافت کی بنیاد بھی ولی عہدی ٹھہری۔ ولید ثانی نے اپنے پندرہ ماہ کے مختصر اور پُرشور و پُرفسق و فجور عہد میں بھی اپنے بعد اپنے دو بیٹوں حکم بن ولید ثانی و عثمان بن ولید ثانی کو ولی عہد نامزد کیا تھا❷ اور تمام ممالک محروسہ سے ان دونوں کی ولی عہدی کی بیعت لی گئی تھی۔ یزید ثالث نے ان دونوں کو ان کے باپ کے قتل کے بعد قید کر دیا تھا' جب ابراہیم بن ولید اول خلیفہ ہوا اور مروان ثانی نے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور دمشق کے قریب فوج لے کر چڑھ آیا تو ابراہیم کے آدمیوں نے ولید ثانی کے محبوس ولی عہدوں کو قتل کر دیا تاکہ مروان ثانی انہیں منصب خلافت پر متمکن نہ کر سکے' اس ہنگامہ قتل و غارت سے ایک اموی سردار ابو محمد سفیانی زندہ بچ رہا تھا' اس نے مروان کے روبرو یہ شہادت دی کہ ان ولی عہدوں نے اسے اپنا جانشین مقرر کیا ہے اور حکم بن ولید ثانی کے چند اشعار سنائے جن میں یہ شعر بھی تھا:❸

فاِن اَهلِكَ انَا وَوَلِيُّ عَهدِى
فَمَر وان اميرُ المؤمنينا۔

(یعنی اگر میں اور میرا ولی عہد (عثمان) مارے جائیں تو مروان (ثانی) مسلمانوں کا امیر اور امام خلیفہ ہوگا)

ہم اس بحث کو اموی عہد تک کے تغیرات و تصورات کے حوالہ سے مروان ثانی کے ایک مکتوب کے اہم نکات پر ختم کرنا چاہتے ہیں' جن سے اموی خلفاء کا خلافت سے متعلق نظریہ واضح ہوتا ہے۔ یہ مکتوب ولید ثانی کے بھائی عمر بن یزید بن عبدالملک بن مروان کو لکھا گیا تھا:❹

---

❶ اَیضاً: حوالہ بالا' ص ۳۰۰ ج ۷ ❷ اَیضاً: حوالہ بالا' ص ۲۱۸ ج ۷ ❸ اَیضاً: حوالہ بالا' ص ۳۱۱' ۳۱۲ ج ۷
❹ اَیضاً: حوالہ بالا' ص ۲۸۱ ج ۷

''یہ خلافت اللہ کی جانب سے اس کے رسولوں کے منہج وسنت پر اور اس کے دین کے قوانین (شرائع) کے قیام وانصرام پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خلفاء کو یہ منصب عطاء فرما کر شرف وبزرگی عطاء کی ہے' اللہ نے ان خلفاء کو اور ان کے احترام کرنے والوں کو عزت واقتدار ارزانی فرمایا ہے' جنہوں نے ان کی مخالفت کی اور ان کے برخلاف راستہ اختیار کیا ان پر ہلاکت ہو' مسلمانوں کی مدد کے ساتھ خلافت کے حقوق کو مرعی رکھنے والے یکے بعد دیگرے اٹھتے رہیں گے''۔

حصہ ب

اموی عہد کے بعد عباسی دور کا آغاز ہوتا ہے جو کہ ۱۳۲ھ تا ۶۵۶ھ پر محیط ہے عہدِ بنوامیہ کے خاتمہ کے بعد ابو العباس عبداللہ بن محمد تختِ خلافت پر بیٹھا' اسکی امامت کی بیعت ابراہیم کی گرفتاری کے بعد ۱۲۹ھ ہوئی تھی لیکن یہ بیعت محض ابراہیم کی جانشینی کی بیعت تھی اوران کے حامیوں تک محدود تھی۔ خلافت کی بیعت عراق پر عباسیوں کے قبضہ کے بعد ربیع الاوّل ۱۳۲ھ میں ہوئی۔ اور مروان کے قتل کے بعد ذی الحجہ ۱۳۲ھ میں وہ دنیائے اسلام کا خلیفہ تسلیم کیا گیا اوراس نے بحیثیت خلیفہ پہلا خطبہ دیا۔ اس کا زمانہ زیادہ تر فتنوں کے دبانے اور نئی حکومت کے استوار کرنے میں گذرا❶ ''سفاح'' کے لفظی معنیٰ ''خونریز'' کے ہیں۔ اس نے بنی امیہ کے افراد کو چن چن کر قتل کیا اور بنی امیہ نے ۴۰ھ (سال شہادت علیؓ) سے لے کر آخری دور ۱۳۲ھ تک ۹۲ برس میں اہل بیت اوران کے طرفداروں کے ساتھ جو کچھ کیا تھا' سفاح نے اسکا انتقام پانچ ہی برس میں لے لینا چاہا سینکڑوں امویوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا' یہاں تک کہ بنی امیہ کی قبریں اکھاڑ کر ان کی ہڈیاں جلائی گئیں❷ اور خراسانیوں کے ہاتھوں نئی عباسی حکومت کا رعب بٹھانے کیلئے بہت کچھ مظالم کا ارتکاب کیا گیا۔

بنی امیہ میں سے صرف ایک جواں مرد عبدالرحمٰن مشرق سے بھاگ کر مغرب چلا گیا اور اسپین پہنچ کر بنی امیہ کی عظیم الشان حکومت قائم کی' جو تین سو برس تک اسپین میں کامیابی کے ساتھ قائم رہی❸۔ ۱۳۶ھ میں سفاح نے اپنے بعد اپنے بھائی ابوجعفر منصور کو اور اسکے بعد اپنے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہد مقرر کیا❹ سفاح کے بعد اسکا بھائی ابوجعفر عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب خلیفہ ہوا اسکا دورِ خلافت ۱۳۶ھ تا ۱۵۱ھ پر محیط ہے' سفاح کی وفات کے وقت وہ مکہ میں تھا دارالخلافہ میں اسکے چچا عیسیٰ بن علی نے اسکی جانب سے بیعت لی' راستہ میں منصور کو سفاح کی وفات کی خبر ملی ابومسلم ساتھ تھا پہلے اس نے خود بیعت کی اسکے بعد جس قدر بنوہاشم اور اراکین سلطنت ساتھ تھے ان سے بیعت لی اور ذی الحجہ ۱۳۶ھ میں منصور تخت خلافت پر متمکن ہوا اس وقت اسکا اکتالیسواں سال تھا❺ سفاح اپنے زمانے میں بنوامیہ کا

❶ تاریخ اسلام: شاہ معین الدین احمد ندوی' کراچی' ''مظفر اکیڈمی'' ۱۹۷۵ء ص ۲۲ ج ۳

❷ تاریخ ابن خلدون: ابن خلدون' محولہ سابقہ' ص ۳۶۶ تا ۳۶۹ حصہ دوم، ❸ تاریخ اسلام: معین الدین' محولہ بالا' ص ۲۲

❹ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۲۵ ❺ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۲۷

استحصال کر کے منصور کے لئے میدان صاف کر گیا تھا اس لئے ان کی طرف سے وہ بالکل مطمئن رہا۔ لیکن ابھی اموی حکومت کو مٹے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا اس لئے مختلف صوبوں میں بغاوت کے شعلے بھڑکے' علویوں نے علیحدہ زور پکڑا' خود عباسیوں کے بعض افراد تختِ خلافت کے مدعی بن کر کھڑے ہو گئے لیکن منصور کی بیدار مغزی' تدبر اور مستعدی ان تمام مشکلات پر غالب آئی اور اس نے ہر طرح کی شورشوں کے باوجود سلطنت میں کوئی انقلاب نہ ہونے دیا عبداللہ بن علی اپنے چند حمایتیوں کے ساتھ مدعی خلافت ہوا منصور نے اسے گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا وہیں پر اسکی موت واقع ہوئی ❶

ابو مسلم اپنے آپ کو عباسی سلطنت کا بانی سمجھتا تھا اور اسکو یہ بھی یقین تھا کہ یہ حکومت اس کے بل پر قائم ہے اس لئے وہ آزاد اور خودسرانہ حکومت چاہتا تھا لیکن منصور جیسے بیدار مغز حکمران کے زمانے میں یہ ممکن نہ تھا خصوصاً جب سے اس نے منصور سے بغاوت کر کے علوی حکومت قائم کرنے کا قصد کیا تھا اس وقت سے منصور اسکو مستقل خطرہ سمجھنے لگا تھا منصور نے خفیہ منصوبہ کے تحت اپنے دربار میں اسے بلا کر مسلح افراد سے قتل کرا دیا اور عباسی حکومت کا یہ بانی اعظم جس نے اسکی تاسیس میں چھے لاکھ آدمیوں کا خون کیا تھا' خود خاک و خون میں تڑپنے لگا ❷ سنباد اسکے انتقام کیلئے کھڑا ہوا یہ عجمی اور مجوسی تھا اس نے مسلمان عورتوں کو قید کر کے کعبہ کو ڈھانے کا عزم ظاہر کیا' منصور نے اسکے مقابلے کیلئے جمہور بن مرار عجلی کو دس ہزار فوج کے ساتھ بھیجا اس نے ہمدان اور رے کے درمیان سنباد کو بڑی فاش شکست دی سات ہزار مجوسی مارے گئے سنباد جان بچانے کیلئے طبرستان نکل جانا چاہ رہا تھا لیکن راستہ میں اسکا کام تمام کر دیا گیا یہ عباسیوں سے عجمیوں کی پہلی جنگ تھی' اسکے بعد سے عجمیوں کے دل میں عباسیوں کی طرف سے غبار پیدا ہو گیا ❸ منصور ذی الحجہ میں پیدا ہوا تھا' ذی الحجہ ہی میں تخت نشین ہوا اس لئے اسکو وہم ہو گیا تھا کہ میں ذی الحجہ ہی میں مرجاؤں گا اور میری موت کا یہی سال ہے۔ چنانچہ اس نے مہدی کو امور سلطنت سے متعلق ضروری ہدایت جاری کیں اور ایک مفصل ہدایت نامہ دے کر حج کے قصد سے نکلا اور احرام کی حالت میں بئر معونہ پہنچ کر مر گیا' اسی حالت میں اسکو دفنا دیا گیا ❹ .

المنصور کے بعد اسکا بیٹا محمد الملقب بہ المہدی خلیفہ بنا منصور کی وفات کے بارہویں دن بغداد میں بیعت عام ہوئی اور ماہ ذی الحجہ ۱۵۸ھ میں مہدی تخت خلافت پر بیٹھا اس وقت اسکا

❶ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۲۸ ❷ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۲۹ ❸ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۳۰ ❹ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۵۴

۳۲واں سال تھا❶ اس نے اپنے دور خلافت (۱۵۸ھ۔۱۶۹ھ) کی ابتداء تمام باغی قیدیوں کی رہائی سے کی❷ اس نے ضبط شدہ جائیدادیں لوگوں کو واگزار کیں اور علوی قیدیوں کو نہ صرف آزاد کیا بلکہ ان کے وظائف بھی مقرر کئے یوں اس نے اپنے عہد حکومت کی ابتداء اخلاق اور عفو و درگزر سے کی❸

محرم ۱۶۹ھ میں مہدی نے انتقال کیا مہدی کے بعد اسکا لڑکا موسیٰ الملقب بہ ہادی مسند خلافت پر متمکن ہوا اسکا دورِ خلافت ۱۶۹ھ تا ۱۷۰ھ پر محیط ہے ہادی کے بعد ہارون ولی عہد تھا ۱۷۰ھ میں ہادی نے اپنے اسلاف کی تقلید کرتے ہوئے ہارون کا نام ولی عہدی سے خارج کرتے ہوئے اپنے بیٹے جعفر کو ولی عہد مقرر کر دیا❹

ہادی نے کچھ لوگوں کے کہنے سننے پر یحیی بن خالد جو کہ ہارون کے اتالیق اور مشیر کار تھے سے مشورہ کیا انہوں نے ہادی کو سمجھایا کہ اگر آج امیر المؤمنین! امیر المؤمنین مہدی کے نامزد کردہ ولی عہد کو لوگوں کے کہنے سننے سے ولی عہدی سے خارج کر دینگے تو کل ان کے لئے امیر المؤمنین کے نامزد کردہ ولی عہد کا علیحدہ کر دینا بھی آسان ہوگا' ہاں اگر آپ ہارون کے بعد جعفر کو ولی عہد بنانا چاہیں تو یہ ولی عہدی زیادہ پائیدار ہوگی۔ بات معقول تھی ہادی کی سمجھ میں آ گئی اس نے کہا تم سچ کہتے ہو' لیکن افسران فوج اور اسکی ہم خیال جماعت نے پھر ہادی کو بھڑکا دیا چنانچہ اس نے یحیی کو قید کرا دیا۔ یحییٰ نے قید خانے سے کہلا بھیجا کہ امیر المؤمنین سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں' ہادی نے اجازت دیدی' اس نے آ کر کہا اگر نصیب اعداء امیر المؤمنین کا سایہ سر سے اٹھ جائے تو کیا امیر المؤمنین کو اسکی امید ہیکہ لوگ نابالغ شہزادے جعفر کی خلافت قبول کر لینگے؟ اور وہ نماز' حج اور جہاد وغیرہ میں انکی امامت پسند کرینگے؟ ہادی نے کہا کہ اس میں تو ضرور شبہ ہے۔ یحییٰ نے کہا ایسی صورت میں آپ یہ خطرہ محسوس نہیں کرتے کہ آپ کے بعض بزرگ اہل خاندان' خلافت کے مدعی ہو جائیں اور یہ شرف آپ کے پدر بزرگوار کی اولاد سے ان میں منتقل ہو جائے❺ میں تو کہتا ہوں کہ اگر امیر المؤمنین مہدی ہارون کو ولی عہد نہ بھی بنائے ہوتے تو بھی آپکا یہ فرض تھا' نہ کہ آپ خود ان کو ولی عہدی سے خارج کر رہے ہیں❻ مصلحتِ وقت یہی ہیکہ اپنے بھائی ہی کو

---

❶ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۶۶

❷ اسلامی ریاست میں محتسب کا کردار: ڈاکٹر ایم ایس ناز' اسلام آباد' ادارہ تحقیقات اسلامی' ۱۹۹۹ء ص ۲۶۶

❸ الفخری: محولہ سابقہ' ص ۱۶۲ ❹ تاریخ اسلام: محولہ بالا' ص ۸۰' ۸۳ ❺ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۸۳' ۸۴ ❻ ایضاً: حوالہ بالا

ولی عہد بنائے رکھیئے اور میں اقرار کرتا ہوں کہ جب جعفر جوان ہو جائے گا تو ہارون کو اس پر آمادہ کرلوں گا کہ وہ خلافت سے دست کش ہو کر جعفر کی بیعت قبول کرلے۔ ہادی نے یحییٰ کی سب باتیں منظور کرلیں اور قید سے رہا کر دیا❶ درمیان میں ہارون الرشید کے خلاف پھر سازشیں جاری رہیں ہارون بہانے سے شکار کی اجازت لیکر قصر مقاتل کی طرف چلا گیا اور وہاں ایام گذاری شروع کی ہادی نے بلوایا تو بیماری کا عذر کیا اور نہ آیا❷ اس واقعہ کے چند روز بعد ہادی بلاد موصل کی طرف چلا گیا اور کچھ روز بیمار رہ کر انتقال کر گیا بعض تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہادی کو اسکی ماں خیرزان نے ایک لونڈی کے ذریعے زہر دیکر قتل کروایا❸

قصہ کوتاہ یہ کہ ہارون الرشید نے نماز جنازہ پڑھائی اور ہرثمہ بن اعین نے ہارون الرشید کو دربار عام میں لاکر تخت خلافت پر بٹھادیا۔ ہارون نے یحییٰ بن خالد کو بلاکر قلمدان وزارت سپرد کر دیا اور تمام ممالک محروسہ میں ہادی کی موت اور ہارون کی خلافت کی خبر لکھ بھیجی❹ خلیفہ ہادی کے انتقال کے بعد خلفاءِ عباسیہ کا یہ پانچواں تاجدار ربیع الاول ۱۷۰ھ کی سولہویں تاریخ کو مقامِ عیسیٰ باز میں تخت نشین ہوا اس وقت اسکی عمر بائیس برس کی تھی۔ ۱۷۴ھ میں عیسیٰ بن جعفر بن المنصور اور فضل بن یحییٰ کی کوششوں سے اپنے لڑکے محمد امین بن زبیدہ کی ولی عہدی کی بیعت لی اس وقت اسکی عمر پانچ برس تھی❺ ۱۸۲ھ میں خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے لڑکے عبداللہ کی ولی عہدی کی بیعت لی کہ امین کے بعد تخت خلافت کا یہ وارث ہوگا اور ''المامون'' کے مبارک لقب سے ملقب کر کے خراسان اور ملحقات صوبہ کی ''ہوان'' تک کی سند گورنری مرحمت کی❻ ۱۸۶ھ میں ہارون نے انبار سے بقصد حج مکہ معظّمہ کا سفر اختیار کیا اس سفر میں اسکے ساتھ اسکے تینوں بیٹے محمد امین، عبداللہ مامون اور قاسم تھے۔ سب سے پہلے امین کی ولی عہدی کی بیعت لی تھی اور اسکو عراق، شام اور عرب کی حکومت عطا کی تھی۔ اسکے بعد مامون کو ولی عہد مقرر کیا اور اسکو خراسان اور ہمدان کے صوبہ جات تا اقصائے مشرق دیئے تھے۔ اور مامون کے بعد اپنے تیسرے بیٹے قاسم کی ولی عہدی کی بیعت لی تھی اور اسکو موتمن کا لقب دیا تھا مگر مامون الرشید کو اسکی معزولی کا بصورت نالائق ہونے کے اور بحالی کا بصورت لائق ہونے کے اختیار دیا تھا۔ اسکو جزیرہ شغور اور

---

❶ تاریخ ابن خلدون: محولہ سابقہ، ص ۱۱۶ ج ۳ ❷ ایضاً: حوالہ بالا، ص ۱۱۶ ج ۳

❸ تفصیل کیلئے دیکھئے: تاریخ ابن خلدون: ص ۱۱۷ ج ۳ ❹ ایضاً: حوالہ بالا، ص ۱۱۸ ج ۳

❺ ایضاً: حوالہ بالا، ص ۱۲۲ ❻ ایضاً: حوالہ بالا، ص ۱۲۹

عواصم گا کی حکومت دی تھی ❶ بعدازاں مدینہ پہنچ کر وہاں کے لوگوں سے تجدید بیعت کی اور اپنی طرف سے ایک کروڑ پانچ لاکھ دینار راہِ خدا میں صرف کئے۔ مکہ معظمہ میں بھی داد و دہش سے کام لیا فقہاء قضاۃ اور سردارانِ لشکر کو طلب کر کے دونوں شہزادوں کی جانب سے جدا جدا عہد نامے لکھوائے۔ ان دستاویزات کو شہادتوں سے مکمل کر کے خانہ کعبہ میں آویزاں کیا۔ اور پھر جب ۱۸۹ھ میں طبرستان گیا تو وہاں بھی سردارانِ لشکر و اراکین دولت کو جمع کر کے یہ کہا کہ یہاں پر جو کچھ میرے لشکر میں مال، خزانہ، آلاتِ حرب اور دیگر ساز و سامان ہے اسکا مستقل مالک کلی طور پر مامون ہے اور لوگوں سے مامون کی ولی عہدی کی تجدید بیعت کر کے بغداد کی جانب کوچ کیا۔ اسی طرح بغداد میں روساءِ شہر و سرداران لشکر کو جمع کر کے امین کی ولی عہدی کی بیعت کی تجدید کی ❷

۱۹۳ھ میں خلیفہ ہمارہوا دارالخلافت بغداد سے بہ قصد خراسان روانہ ہو کر ماہ صفر ۱۹۳ھ میں جرجان پہنچا وہاں سے موسیٰ کے پاس طرسوس چلا گیا علالت روز بروز شدت اختیار کرتی گئی۔ جب اسکو زندگی سے بالکل ناامیدی ہوگئی تو قبر تیار کرنے کا حکم دیا چنانچہ جس مکان میں مقیم تھا اسکے ایک گوشہ میں قبر کھودی گئی قرآن کے حافظوں نے قبر میں جا کر ختم قرآن کیا اور یہ لیٹا ہوا دیکھتا رہا۔ بار بار کہتا جاتا تھا ''واسواتاہ عن رسول اللہ ﷺ'' یہاں تک کہ جان بحق تسلیم ہوا تیئیس برس یا کچھ زیادہ حکومت کی اور بیت المال میں نوے کروڑ دینار چھوڑے ❸ ہارون الرشید کے بعد محمد امین تخت خلافت پر متمکن ہوا اسکا دور ۱۹۳ھ تا ۱۹۸ھ پر مشتمل ہے امین اور مامون کے درمیان مسئلہ خلافت بے پناہ شورشیں برپا ہوگئیں کیونکہ محمد الامین تدبر و سیاست سے خالی اور عیش و عشرت کا دلدادہ تھا ❹ اسکے برعکس عبداللہ بن ہارون الملقب بہ مامون کے دور ۱۹۸ھ تا ۲۱۱ھ میں ہارون الرشید کے عہد کو زندہ کرنے کی از سر نو کوشش کی گئیں مؤرخین لکھتے ہیں کہ مامون کے زمانے میں عباسی حکومت کو کافی عروج حاصل ہوا۔ فضل بن سہل کی وزارت کے دور تک تو مامون کو بذاتِ خود امور مملکت اور معاملات رعایا کی طرف توجہ دینے کا موقع نہ ملا کیونکہ ابن سہل خلیفہ کو حالات سے عموماً بے خبر رکھتا تھا، لیکن جونہی امام علی رضا کی ولی عہدی کے بعد بغداد سے مامون کی حکومت اٹھی، تو اس نے اسے چوکنا کر دیا تب مامون نے خراسان سے بغداد کا سفر کیا ❺ ۲۱۸ھ میں خلیفہ مامون بزبر بروں پر پہنچ کر علیل ہوا اسی حالت میں عراق چلا گیا اور مقام طرسوس

❶ تاریخ ابن خلدون: ص ۱۳۱ ج ۳ ❷ ایضاً: حوالہ بالا ص ۱۳۱ ج ۳ ❸ ایضاً: حوالہ بالا ص ۱۴۸، ۱۴۹ ج ۳
❹ تاریخ طبری: ص ۹۵۲، ۹۵۳ ج ۱۱ ❺ تاریخ یعقوبی: ص ۵۵۰ ج ۶

میں جاں بحق تسلیم کی ❶ مامون کا ولی عہد اسکا بھائی معتصم تھا اسکی کنیت ابواسحاق تھی اور نام محمد تھا۔ خلیفہ مامون کے مرنے پر معتصم کی خلافت کی بیعت لی گئی یہ واقعہ پندرہ رجب ۲۱۸ھ کا ہے۔ لشکریوں نے شوروغل مچایا کہ عباس بن مامون کو مسندِ خلافت پر متمکن کیا جائے۔

خلیفہ معتصم نے عباس بن مامون کو دربار خلافت میں طلب کیا۔ عباس نے حاضر ہوکر بطیب خاطر بیعت کرلی شوروغل ختم ہوگیا ❷ بعد میں لوگوں نے عباس کو معتصم کے خلاف ورغلایا اس نے بغاوت کی کوشش کی لیکن راز کھل گیا اور گرفتار کرکے بورے میں بند کردیا گیا اسی میں دم گھٹ کر مرگیا ❸ خلیفہ معتصم ۱۵ ربیع الاول ۲۲۷ھ کو آٹھ برس آٹھ مہینے خلافت کرکے اس دارفانی سے انتقال کرگیا صبح ہوتے ہی اسکا بیٹا واثق باللہ ہارون مسندِ خلافت پر رونق افروز ہوا اراکین دولت وسرداران لشکر نے بیعت کی اسکی کنیت ابوجعفر تھی اسکا دور حکومت ۲۲۷ھ تا ۲۳۲ھ پر مشتمل ہے اس نے پانچ برس نو مہینے خلافت کرکے بعارضہ استسقاء جبکہ چھ راتیں ماہ ذی الحجہ میں ۲۳۲ھ کی باقی رہ گئی تھیں وفات پائی ❹ اسکی موت کے بعد قاضی احمد بن ابی داود' اتیاخ' وصیف' عمر بن فرج اور ابن الزیات وغیرہ قصرِ خلافت میں جمع ہوئے اور محمد بن واثق باللہ کو جو ایک نوعمر لڑکا تھا تخت خلافت پر بٹھانے کی غرض سے سیاہ زرہ پہنائی یہ بچہ چھوٹا نکلا جس پر وصف نے لوگوں کو تنبیہ کی کہ کیا تم اتنے چھوٹے بچے کو خلیفہ بناتے ہوئے خدا سے نہیں ڈرتے اسکی تنبیہ پر لوگ متنبہ ہوئے اور مشاورت کے بعد جعفر بن معتصم کو طلب کرکے احمد بن ابی داود نے لباس فاخرہ اور عمامہ پہنایا اور اسکی دست بوسی کی اور المتوکل علی اللہ کا لقب دیا ❺ اسکا عہد ۲۳۲ھ تا ۲۴۶ھ پر مشتمل ہے اسکے دور میں بھلائیوں' خوبیوں سرسبزی و شادابی اور فارغ البالی کا دور دورہ تھا۔ المسعودی نے تصریح کی ہے کہ خواص وعوام سب اس عباسی خلیفہ سے خوش تھے ❻ ایک سازش کے تحت اس خلیفہ کو ۲۴۶ھ میں قتل کردیا گیا اسکے بعد محمد بن جعفر الملقب بہ المستنصر باللہ نے بیعت خلافت لی اور مسندِ خلافت پر متمکن ہوا اپنی تخت نشینی کے چھٹے مہینے پانچویں ربیع الاول ۲۴۸ھ میں بعارضہ ذبحہ وفات پائی ❼ مستنصر کے بعد معتصم کا پوتا احمد المستعین باللہ خلیفہ ہوا۔

---

❶ تاریخ ابن خلدون: ص ۲۰۶ ج ۳ ❷ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۲۰۸ ج ۳

❸ تفصیل کیلئے دیکھئے: تاریخ ابن خلدون: ص ۲۲۴' ۲۲۵ ج ۳ ❹ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۲۴۳

❺ تاریخ ابن خلدون: ص ۲۴۴ ج ۳ ❻ اسلامی ریاست میں محتسب کا کردار: محولہ بالا' ص ۲۷۱

❼ تاریخ ابن خلدون: ص ۲۶۴ ج ۳

معتز اور موید ولی عہدی سے خارج ہو چکے تھے کیونکہ اسکی خلافت ترکوں کے مصالح کے خلاف تھی ان کی خلافت کا معنیٰ ترکوں کا زوال تھا۔ اس لئے ان کو وہ کسی طرح پسند نہ کرتے تھے ان کے آقائے ولی نعمت معتصم کی اولاد میں اسکا پوتا احمد المستعین موجود تھا۔ چنانچہ بغا کبیر' اتامش اور احمد بن خصیب کے مشورہ سے اسکو خلیفہ بنایا اور ربیع الثانی ۲۴۸ھ میں وہ تخت نشین ہوا بعدازاں معتز سے ایک معاہدہ طے پایا اور محرم ۲۵۲ھ میں خلافت سے دست بردار ہوگیا❶ اسکی دست برداری کے بعد ابوعبداللہ محمد بن جعفر الملقب بہ معتز باللہ کی بیعت عام محرم ۲۵۲ھ میں ہوئی چند ممالک کے سوا باقی تمام ممالک محروسہ نے اسے خلیفہ تسلیم کرلیا❷ اسکا عہد خلافت ۲۵۲ھ تا ۲۵۵ھ پر مشتمل ہے اسکے خلاف بھی شورشیں برپا ہوئیں معتز جان و مال کی امان لے کر رجب ۲۵۵ھ میں باقاعدہ خلافت سے دست بردار ہوگیا اور ترکوں نے محمد بن واثق کو خلیفہ بنایا۔ معتز کی مدت خلافت ۴ سال ۸ مہینے چند دن تھی❸ ترکوں نے معتز کی معزولی کے بعد ابوعبداللہ محمد بن واثق الملقب بہ مھتدی باللہ کو خلیفہ بنایا۔ اسکا دور خلافت ۲۵۵ھ تا ۲۵۶ھ پر مشتمل ہے۔

۲۵۶ھ میں مھتدی بھی ترکوں کے استبداد کا شکار ہوا اور تخت سے اتار کر بے دردی سے قتل کردیا گیا اسکا قتل خالص اسکے اصلاحی مساعی کا نتیجہ تھا❹ اسکے بعد ابوالعباس احمد بن متوکل الملقب بہ معتمد علی اللہ جو کہ ایک کوفی لونڈی کے بطن سے تھا اور مہتدی کی معزولی کے وقت قید میں تھا اسکے قتل کے بعد ترکوں نے معتمد کو قید سے نکال کر خلیفہ بنایا عباسی افواج کے سپہ سالار موسیٰ بن بغا نے بیعت کی اسکی بیعت کے بعد کسی کی مخالفت کا خطرہ باقی نہ رہا اور جب ۲۵۶ھ میں معتمد تخت خلافت پر متمکن ہوا❺ معتمد فقط نام آوری کیلئے ۲۳ سال تک تخت حکومت پر رہا۔ لیکن حقیقت کے اعتبار سے ایک دن کیلئے بھی اسکو حکومت نصیب نہ ہوئی ممالک محروسہ کا کل نظم و نسق موفق کے ہاتھ میں تھا' جملہ احکام وہی جاری کرتا تھا۔ معتمد چھوٹے سے چھوٹے معاملے میں دخل دینے کا مجاز نہ تھا❻ وہ محض نام کا خلیفہ تھا صرف خطبہ اور سکہ اس کے نام کا تھا باقی جملہ امور سلطنت' احکام کا اجراء' فوجوں کی قیادت' صلح و جنگ' سرحدوں کی حفاظت' وزارت کی ترتیب' جملہ امور اسکے بھائی موفق کے ہاتھوں میں تھے۔ معتمد اس بے بسی کا غم غلط کرنے کیلئے عیش پرستی میں مشغول رہتا تھا۔ موفق پر معتمد کو بے بس کرنے کا الزام ہے لیکن اس سے عباسی حکومت کو بڑا فائدہ پہنچا۔ معتمد میں کوئی عملی

❶ تاریخ اسلام: محولہ بالا' ص ۲۱۳ ج ۳ ❷ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۲۱۵ ج ۳ ❸ ایضاً: ص ۲۲۹ ج ۳
❹ ایضاً: ص ۲۳۹ ج ۳ ❺ ایضاً: ص ۲۴۶ ج ۳ ❻ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۲۵۷ ج ۳

صلاحیت نہ تھی۔ اسکے مقابلہ میں موفق جملہ اوصاف جہانبانی کا حامل تھا۔ فضل و کمال، تدبیر و سیاست و اخلاق، عدل و انصاف وغیرہ تمام محاسن اس میں موجود تھے رعایا کی دادرسی کیلئے قضاۃ کے ساتھ بیٹھتا تھا اور بذات خود مقدمات کی سماعت کرتا تھا اور منصفانہ فیصلے دیتا تھا۔

شجاع و بہادر تھا۔ خود فوجوں کی قیادت کرتا تھا۔ صاحب الزنج کے انقلاب انگیز شورش میں اس نے بڑے کار ہائے نمایاں انجام دیئے اور اپنے زمانے میں اس نے ترکوں کو ان کی حد سے آگے نہ بڑھنے دیا❶ رجب ۲۷۹ھ میں بغیر کسی بیماری کے معتمد کا دفعۃً انتقال ہوگیا بعض روایات میں اسے زہر دینے کا شبہ ظاہر کیا ہے جو کہ درست نہیں بلکہ ایک رات اس نے نبیذ زیادہ پی اور اسکے بعد کھانا کھالیا اس سے بدہضمی ہوئی اور صبح ہونے سے قبل ہی انتقال کر گیا۔

چونکہ اسکی موت اچانک واقع ہوئی تھی اسلئے معتضد نے قضاۃ اور اعیان سلطنت کو بلا کر لاش دکھائی ان کے ملاحظہ کے بعد سامرا لیجا کر دفن کر دیا وفات کے وقت اسکی عمر پچاس سال چھے مہینے کی تھی مدت خلافت ساڑھے تیئس سال ہے❷ معتمد کی زندگی ہی میں موفق ۲۷۸ھ میں انتقال کر چکا تھا جو کہ ولی عہد تھا اسکے انتقال کے بعد معتمد نے اسکے بیٹے معتضد کو ولی عہد بنا دیا تھا❸ چنانچہ اسکی وفات کے بعد ربیع الاول ۲۷۹ھ میں معتضد تخت نشین ہوا اس وقت اسکی عمر چھتیس سینتیس سال سے زیادہ نہ تھی، لیکن عقل و دانش، تدبیر و سیاست اور جاہ و جلال میں وہ اپنے پیشروؤں پر فوقیت رکھتا تھا اسلئے وہ ترکوں کا کھلونا نہیں بنا۔ بلکہ تمام سرکش امراء کو زیر اور مخالف قوتوں کا قلع قمع کر کے عباسی حکومت میں از سر نو جان ڈالی اور اسکو مختلف حیثیتوں سے ترقی دی۔ دولت عباسی کی تباہی کا سب سے بڑا سبب سرکش اور خودسر امراء تھے۔ معتضد نے ان کی قوت توڑنے کیلئے انہی کو ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرنا شروع کیا❹ مسندِ خلافت پر متمکن ہوتے ہی معتضد نے اپنے غلام بدر کو پولیس کی افسری دی❺ بدر نہایت مدبر اور صاحب قوت آدمی تھا وزیر السلطنت ابوالقاسم کا یہ منشا تھا کہ پسران خلیفہ معتضد کو خلافت سے محروم کر کے خاندانِ خلافت میں سے اور کسی کو مسندِ خلافت کا وارث بنایا جائے چنانچہ خلیفہ معتضد کے عہد خلافت میں وزیر السلطنت نے اس امر کی کوشش کی۔ بدر اسکا مخالف ہوگیا اور ابوالقاسم کی کچھ نہ چلی❻

---

❶ ایضاً: حوالہ بالا ص ۲۶۵ ج ۳ ❷ ایضاً: حوالہ بالا ص ۲۶۵ ج ۳ ❸ ایضاً: حوالہ بالا ص ۲۶۳ ج ۳
❹ ایضاً: حوالہ بالا ص ۲۶۶ ج ۳ ❺ تاریخ ابن خلدون: بحوالہ بالا ص ۲۳ ج ۴ ❻ ایضاً: حوالہ بالا ص ۴۰ ج ۴

ربیع الاول ۲۸۹ھ میں معتضد مرض الموت میں مبتلا ہوا' فوجی افسروں نے اس کے لڑکے اور ولی عہد مکتفی باللہ کی بیعت کی تجدید کی شاہی خاندان میں موفق کے لڑکے عبدالواحد کی جانب سے مخالفت کا خطرہ تھا۔ اس سے بیعت لے کر اسکو نگرانی میں لے لیا گیا۔ آخر ربیع الثانی میں معتضد نے وفات پائی مدت خلافت نو برس دس مہینے ہے ❶ وزیر السلطنت ابوالقاسم نے خلیفہ معتضد کی وفات پر اسکے بیٹے مکتفی کو مسند خلافت پر بٹھایا یہ ایک ترکی خاتون جیجک کے بطن سے تھا۔ معتضد کی وفات کے وقت مکتفی رقہ میں تھا معتضد کے وزیر قاسم بن عبداللہ نے بغداد میں اسکی بیعت لی اور مکتفی باپ کی وفات کے چودہ پندرہ دن کے بعد دارالخلافہ واپس آ کر جمادی الاول ۲۸۹ھ میں تخت خلافت پر بیٹھا اس وقت اسکی عمر ۲۵'۲۶ سال کی تھی ❷ مکتفی نے ماہ جمادی الاولیٰ ۲۹۵ھ میں ساڑھے چھے برس حکومت کر کے بغداد میں سفر آخرت اختیار کیا اور وفات سے قبل اپنے بھائی جعفر کو اپنا ولی عہد مقرر کیا ❸ لیکن اسکی عمر کل ۱۳ سال کی تھی اسلئے اکثر ارکان دولت اس بیعت کے خلافت تھے مگر وزیر دولت عباس بن حسن خودغرضی کی بناء پر اسکی حمایت میں تھا۔ مکتفی کی وصیت موجود تھی۔ اس لئے تمام عباسی امراء کے علی الرغم اس نے مقتدر کی بیعت کی رسم ادا کردی اور ذیقعدہ ۲۹۵ھ میں وہ تخت خلافت پر بیٹھا۔ اسکی کم عمری کی بناء پر اسکے خلاف سازشیں ہوتی رہیں معزول ہوا پھر بحال ہوا اس نے اگرچہ ۲۵ سال کی طویل مدت تک خلافت کی' لیکن اسکا سارا زمانہ شورش اور انقلاب میں گذرا دو مرتبہ تخت سے اتارا گیا دوسری مرتبہ جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑا ❹

مقتدر اور مونس میں جنگ ہوئی مقتدر نے شوال ۳۲۰ھ میں مقابلہ کیلئے نکلا مونس کے فوجیوں نے وحشیانہ انداز سے اسے قتل کیا لاش برہنہ کر کے سر راہ ڈال دی ایک رہ گیر نے گڈھا کھود کر لاش زمین میں دبادی قتل کے وقت مقتدر کی عمر ۳۸ سال تھی مقتدر سے قبل متوکل بھی قتل کیا گیا تھا۔ لیکن اسکی نوعیت مقتدر کے قتل سے جداگانہ تھی۔ متوکل کے قتل میں خود اسکا لڑکا منتصر شریک تھا۔ براہ راست ترکوں کی جسارت کی یہ پہلی مثال تھی اسکا بڑا برا اثر پڑا۔ خلفاء کی عظمت بالکل جاتی رہی اور لوگوں میں ان کے مقابلے کیلئے اٹھنے کا حوصلہ پیدا ہوگیا مقتدر کے بعد قاہر باللہ تخت نشین ہوا۔ مونس نے مقتدر کے بیٹے کا نام تجویز کیا لیکن امیر ابویعقوب نوبختی نے سختی سے مخالفت کی اور

❶ تاریخ اسلام: محوالہ بالا' ص ۲۷۴ ج ۳ ❷ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۲۸۰ ج ۳

❸ تاریخ ابن خلدون: ص ۴۹ ج ۴ ❹ تاریخ اسلام: محوالہ بالا' ص ۳۱۲ ج ۳

معتضد کے بیٹے محمد کا نام پیش کیا جسے مونس ناپسند کرتا تھا لیکن نوبختی کے اصرار پر شوال ۳۲۰ھ میں محمد ابن معتضد تخت نشین ہوا اور قاہر باللہ کا لقب اختیار کیا ❶ اسکے خلاف بھی ترکوں نے شدید بغاوت کر کے گرفتار کرلیا اور آنکھوں میں گرم سلائی پھیر دیں اور معزول کر کے قید میں ڈال دیا اسکی مدت خلافت ڈیڑھ سال ہے ❷

معزولی کا سال ۳۲۲ھ ہے قاہر کے بعد مقتدر کا لڑکا احمد الملقب بہ راضی باللہ خلیفہ ہوا جو کہ مقتدر کے زمانے میں قید میں تھا امراء نے اسے قید سے نکال کر خلیفہ بنایا اور جمادی الثانی ۳۲۲ھ میں وہ تخت نشین ہوا۔ ربیع الاول ۳۲۹ھ میں راضی استسقاء میں مبتلا ہو کر انتقال کر گیا اس وقت اسکی عمر ۳۲ سال تھی اور مدت خلافت چھے سال دس مہینے۔ عباسی حکومت عہد بہ عہد زبوں حالی کا شکار تھی اسکے عہد خلافت میں بھی مزید انحطاط پذیر ہوئی اسکے بعد ارکان دولت نے راضی کے بھائی ابراھیم کو خلیفہ منتخب کیا ربیع الاول ۳۲۹ھ میں وہ تخت نشین ہوا اور متقی للہ لقب اختیار کیا۔ اسکے خلاف بھی بغاوت ہوئی اسے بھی اندھا کر کے خلافت سے معزول کر دیا گیا اسکی مدت خلافت ۳ سال ۵ مہینے چند دن تھی ❸ ۳۳۳ھ میں معزول کر دیا گیا اور اسے قید میں ڈال دیا گیا اٹھارہ سال قید میں بسر کرنے کے بعد ۳۵۰ھ میں اس نے وفات پائی متقی کی معزولی سے قبل ہی توزون نے مکتفی باللہ کے ایک لڑکے ابوالقاسم عبداللہ کو جوان کے نزدیک مقصد کے مطابق تھا' ڈھونڈ نکالا تھا اور اپنے ساتھ سندیہ لیتا گیا تھا۔ چنانچہ متقی کی معزولی کے بعد سندیہ ہی میں اسکے ہاتھوں پر بیعت کی اور اس طرح ماہ صفر ۳۳۳ھ میں وہ تخت نشین ہوا اور مستکفی باللہ کے لقب سے ملقب ہوا اس وقت بنو بویہ جو کہ شیعہ تھے نہایت اثر رسوخ پیدا کر گئے ان کو نہ بنی عباس سے کوئی ہمدردی تھی اور نہ ان کے دلوں میں خلفاء کا احترام تھا۔ معز الدولہ نے مستکفی کے حقوق اختیارات سلب کر کے اس کے گذارہ کیلئے پانچ ہزار ماہانہ اور تھوڑی سی جاگیر مقرر کر دی اور اسکو حکومت کے نظم ونسق سے بالکل الگ کر دیا۔

معز الدولہ کی سازش سے ایک قاصد مستکفی کے حضور میں باریاب ہو رہا تھا تو دو دیلمیوں نے جنہیں معز الدولہ نے پہلے سے مقرر کر رکھا تھا مستکفی کے ہاتھوں کی طرف ہاتھ بڑھایا وہ سمجھا کہ دست بوسی کرنا چاہتے ہیں اسلئے ہاتھ بڑھایا۔ انہوں نے کھینچ کر تخت کے نیچے گرا دیا اور گھسیٹتے ہوئے معز الدولہ کے فردوگاہ پر لا کر قید کر دیا اور دارالخلافہ کا کل سامان لوٹ لیا اس افسوسناک

❶ ایضاً: حوالہ بالا ص ۳۱۴ ج ۳ ❷ ایضاً: حوالہ بالا ص ۳۲۱ ج ۳ ❸ ایضاً: حوالہ بالا ص ۳۴۶ ج ۳

طریقہ سے کل ایک سال چار مہینے کی حکومت کے بعد مستکفی کی خلافت کا خاتمہ ہوا۔ بنی بویہ چونکہ شیعہ تھے اسلئے اصل خلافت کا اہل اہل بیت کو سمجھتے تھے انہوں نے عباسی حکومت کو ختم کر کے علوی حکومت قائم کرنے کا ارادہ کیا لیکن معز الدولۃ کو مشیروں نے سمجھایا کہ اس میں ان کے لئے خطرہ ہے کیونکہ علوی خلیفہ کو معزول کرنا آسان نہ ہوگا جبکہ عباسی خلیفہ کو جو چاہیں کر سکتے ہیں لہذا بنی عباس میں سے ابوالقاسم فضل بن مقتدر الملقب بہ مطیع اللہ کو جمادی الثانی ۳۳۴ھ میں خلیفہ بنا کر تخت نشین کیا❶

ترک اور دیالمہ کے اختلاف سے پہلے مطیع پر فالج کا حملہ ہوا جس سے وہ بالکل ناکارہ ہوگیا لیکن ایک مدت تک وہ اس بیماری کو چھپاتا رہا آخر سبکتگین کو اسکا علم ہوگیا اس نے اسپر زور ڈال کر ۳۶۳ھ میں اسکے بیٹے عبدالکریم کے حق میں خلافت سے دست بردار کرادیا دست برداری کے بعد عبدالکریم ذیقعدہ ۳۶۳ھ میں تخت خلافت پر بیٹھا اور طائع اللہ کا لقب اختیار کیا یہ بھی بنی بویہ کے سامنے بے دست و پا بے اختیار تھا عباسی دور میں اس حکومت کی بھی کوئی تاریخ نہیں اسے بھی فوج کی تنخواہیں نہ ملنے پر ۳۸۱ھ میں معزول کر دیا اور قید میں ہی ۳۹۳ھ میں انتقال کیا❷ اسکے بعد مقتدر باللہ کا پوتا احمد جو کہ بطیحہ بھاگا ہوا تھا اسے واپس بلایا گیا اور رمضان ۳۸۱ھ میں تختِ خلافت پر متمکن ہوا قادر باللہ اسکا لقب ہوا ۴۲۱ھ میں قادر باللہ بیماری کے باعث زندگی سے مایوس ہوا تو اپنے بیٹے ابوجعفر عبداللہ کو ولی عہد نامزد کر کے مراسم ولی عہدی ادا کر دیئے اور اسکے ایک سال بعد ذی الحجہ ۴۲۲ھ میں انتقال کر گیا❸

ابن طقطقی کے بقول طاہر کے زمانے خلافت میں عباسی خلافت کا وقار دوبارہ قائم ہوا اسکی رونق بڑھی اور اسکے پورے نظام میں قوت پیدا ہوگئی۔ اسکی وفات کے بعد اسکا بیٹا جو کہ ولی عہد تھا ابوجعفر عبداللہ خلیفہ بنا اور قائم بامر اللہ کا لقب اختیار کیا یہ ۴۲۲ھ میں خلیفہ بنا۔ قائم کا صرف ایک ہی بیٹا محمد تھا جو اسکی زندگی میں مر گیا بعد ازاں اسکی ایک لونڈی کے بطن سے بیٹا پیدا ہوا اسکی بڑی ناز و نعم سے پرورش ہوئی (یعنی محمد کی لونڈی سے محمد کا بیٹا پیدا ہوا جو قائم کا پوتا تھا) اور قائم نے اپنی زندگی میں اسکو ولیعہد نامزد کر دیا اور مقتدی بامر اللہ کا لقب دیا❹ شعبان ۴۶۷ھ میں قائم نے ۷۶ سال کی عمر میں وفات پائی اسکی وفات کے بعد مقتدی تخت نشین ہوا جو کہ قائم کا پوتا تھا یہ خلافت شعبان ۴۶۷ھ میں منعقد ہوئی ۵ محرم ۴۸۷ھ کو مقتدی نے دفعۃ وفات پائی❺ اسکی وفات کے

---

❶ ایضاً: حوالہ بالا ص ۲۱ ج ۴ ❷ ایضاً: حوالہ بالا ص ۴۹ ج ۴ ❸ ایضاً: حوالہ بالا ص ۶۱، ۶۲ ج ۴

❹ تاریخ ابن خلدون: بحوالہ سابقہ ص ۲۸۱ ج ۴ ❺ ایضاً: حوالہ بالا ص ۲۹۵ ج ۴

بعد اسکے بیٹے ابوالعباس احمد کو المستظہر باللہ کا لقب دیکر وزراء نے محرم ۴۸۷ھ میں خلیفہ مقرر کیا اسکی مدت خلافت ۲۴ سال ہے ربیع الثانی ۵۱۲ھ میں اس نے وفات پائی اس نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے ابومنصور فضل کو اپنا ولی عہد نامزد کر دیا تھا چنانچہ ربیع الاول ۵۱۲ھ میں وہ تخت نشین ہوا اور مسترشد باللہ کا لقب اختیار کیا❶ عباسی خاندان کے تمام ارکان نے مسترشد کی بیعت کر لی تھی سوائے ایک بھائی ابوالحسن کے اس کا مسترشد سے کچھ اختلاف تھا اس خلیفہ کی مسعود سے جنگ ہوئی پہرداروں کی غفلت سے باطنیوں کی ایک جماعت اسکے خیمہ میں گھس گئی اور ذیقعدہ ۵۲۹ھ میں اسکو قتل کر دیا۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ اس نے عباسی خاندان کے وقار و عظمت کو زندہ کیا اور امور مملکت کو منظم کیا وہ خود لڑائیوں کے لئے نکلتا تھا❷ مسترشد اپنی زندگی میں اپنے لڑکے ابوجعفر منصور کو ولی عہد مقرر کر کے بیعت لے چکا تھا چنانچہ اسکی وفات کے بعد رمضان ۵۲۹ھ کو وہ تخت خلافت پر بیٹھا اور راشد باللہ کا لقب اختیار کیا اسکی نااہلی اور بدعہدی اور دیگر شواہد کی بناء پر ذیقعدہ ۵۳۰ھ میں اسکو معزول کر دیا گیا❸ اسکی معزولی چونکہ غیر متوقع تھی اس نے اپنا ولی عہد کسی کو مقرر نہیں کیا تھا تو سلطان محمود نے امراء کے مشورے سے اسکے چچازاد بھائی ابوعبداللہ محمد بن مستظہر کو عہد و پیمان لیکر خلیفہ بنایا چنانچہ ذی الحجہ ۵۳۰ھ میں یہ تخت نشین ہوا اور مقتفی لامر اللہ لقب اختیار کیا۔

ربیع الاول ۵۵۵ھ میں مقتفی کا انتقال ہوا تقریباً چوبیس برس اس نے حکومت کی۔ ابن سمعانی لکھتا ہے کہ مقتفی پسندیدہ سیرت اور حکومت میں کامیاب تھا اس نے معالم امامت کو زندہ اور رسوم خلافت کو مرتب و منظم کیا❹ مقتفی نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے یوسف کو ولیعہد نامزد کیا تھا اسے قتل کرنے کی سازش ہوئی لیکن یہ بال بال بچ گیا چنانچہ تمام شاہی خاندان کے ارکان نے ربیع الاول ۵۵۵ھ میں یوسف کو خلیفہ منتخب کر کے اسکی بیعت کی اور مستنجد باللہ کا لقب اختیار کیا ربیع الثانی ۵۶۶ھ میں مستنجد کو بھی قتل کر دیا گیا دس سال مسند خلافت پر یہ متمکن رہا❺ مستنجد کے قتل کے بعد عضد الدین نے اسکے لڑکے ابومحمد حسن سے اپنے لئے وزارت طلب کر کے اسکو خلیفہ بنا دیا اور ربیع الثانی ۵۶۶ھ میں وہ تخت نشین ہوا اور مستضی بامر اللہ کا لقب اختیار کیا اسکے زمانے میں خاص عباسی حکومت کی کوئی سیاسی تاریخ نہیں اسکے عہد میں سب سے بڑا انقلاب یہ ہوا کہ مصر

❶ تاریخ اسلام: بحوالہ بالا ص ۱۳۶ ج ۴ ❷ ایضاً: حوالہ بالا ص ۱۵۶ ج ۴ ❸ ایضاً: حوالہ بالا ص ۱۶۰ ج ۴
❹ ایضاً: حوالہ بالا ص ۱۸۲ ج ۴ ❺ ایضاً: حوالہ بالا ص ۱۹۴ ج ۴

سے فاطمی حکومت ختم ہوگئی اور اسکی جگہ ایوبی حکومت قائم ہوئی اور کئی صدیوں کے بعد مصر میں پھر عباسی خطبہ جاری ہوا ذیقعدہ ۵۷۵ھ میں مستضی بامر اللہ کا انتقال ہوگیا اس کے دور خلافت میں سلطان نورالدین زنگی اور سلطان صلاح الدین ایوبی گذرے ہیں لیکن خوف طوالت سے انکا ذکر یہاں مناسب نہیں مستضیٰ کی وفات کے بعد ذیقعدہ ۵۷۵ھ میں اسکا بیٹا احمد الملقب بہ ناصرالدین تخت نشین ہوا۔ مستضیٰ کے زمانے میں دنیائے اسلام میں دو اہم واقع رونما ہوئے ایک سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے بیت المقدس کو صلیبیوں کے قبضہ سے چھڑایا اور تیسری صلیبی جنگ ہوئی۔ دوسرے تاتاریوں کا طوفان اٹھا جس نے دنیائے اسلام کو زیروزبر کرڈالا ❶ ناصر کی عمر جب ستر سال کی ہوچکی تو بیمار پڑ گیا کئی سال سے فالج میں مبتلا تھا بینائی تقریباً ختم ہوچکی تھی بیس دن کی مختصر علالت کے بعد رمضان ۶۲۲ھ میں انتقال کر گیا اسکی مدت خلافت سینتالیس سال تھی عباسی خلفاء میں اتنا طویل زمانہ کسی خلیفہ نے نہیں پایا۔ ناصر اپنے نامور اسلاف کی بہت سی خصوصیات کا حامل اور عباسی جاہ وجلال کی آخری یادگار تھا ❷ ناصر کی وفات کے بعد یکم شوال ۶۲۲ھ میں اسکا بیٹا اور ولی عہد ابونصر محمد تخت خلافت پر بیٹھا اور ظاہر باللہ کا لقب اختیار کیا۔ وہ اپنی دینداری اور مذہبی کارناموں کے لحاظ سے صحیح معنوں میں اسلامی خلیفہ تھا۔ تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی طرح عباسی حکومت کی اصلاح شروع کی اسکی تمام گذشتہ بے عنوانیوں کو یک قلم موقوف کردیا اور جب تک زندہ رہا اس کار خیر کو انجام دیتا رہا ' لیکن افسوس کہ موت نے اسے مہلت نہ دی وہ کل نو مہینے زندہ رہا ورنہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی یاد تازہ کردیتا رجب ۶۲۳ھ میں ظاہر کا انتقال ہوا۔ اسکے انتقال کے بعد اس کا لڑکا ابوجعفر منصور رجب ۶۲۳ھ میں تخت نشین ہوا اور مستنصر باللہ لقب اختیار کیا یہ اپنے محاسن کے اعتبار سے ظاہر کا خلف الصدق تھا۔ تخت نشینی کے بعد وہ عرصہ تک زندہ رہا اس لئے عباسی خلافت کو مختلف حیثیتوں سے ترقی دینے کا اس کو پورا موقع ملا آخری دور میں اسکا زمانہ خلافتِ عباسیہ کا دور زریں ہے ❸ مستنصر کے زمانے میں تاتاریوں نے سلطنت عباسیہ کے آس پاس سارے ملکوں اور حکومتوں پر قبضہ کرلیا تھا اور عباسی سرحد تک پہنچ گئے تھے لیکن اسکی حدود میں قدم نہیں رکھا ❹

جمادی الثانی ۶۴۰ھ میں مستنصر کا انتقال ہوگیا اسکی مدت خلافت سترہ سال ہے۔ مستنصر

---

❶ ایضاً: حوالہ بالا ص ۲۱۷ ج ۴ ❷ ایضاً: حوالہ بالا ص ۲۷۸ ج ۴

❸ ایضاً: حوالہ بالا ص ۲۸۵ ج ۴ ❹ ایضاً: حوالہ بالا ص ۲۸۹ ج ۴

کے بعد اہلیت و قابلیت کے اعتبار سے اسکا بھائی خفاجی سب سے زیادہ خلافت کا مستحق تھا لیکن امیر دیودار اور امیر شرابی وغیرہ اراکین دولت نے اپنے ذاتی مفاد و مصالح کی خاطر مستنصر کے بیٹے ابو احمد عبداللہ کو خلیفہ بنایا اور وہ جمادی الثانی ۶۴۰ھ میں تخت نشین ہوا اور معتصم باللہ کا لقب اختیار کیا۔ ذاتی خوبیوں کے باوجود جہانبانی کے اوصاف سے بالکل تہی دامن تھا گانے بجانے ہنسی مذاق تفریحات میں مشغول رہنے کا عادی تھا اسکی نااہلی کی وجہ سے اراکین سلطنت خصوصاً ابن علقمی اس پر بہت حاوی ہوگیا تھا' جسکا نتیجہ عباسی حکومت کی تباہی کی شکل میں ظاہر ہوا مصر کی ایوبی حکومت گو دولت عباسیہ کے خاتمہ کے دو تین سال بعد ختم ہوئی لیکن عملاً اسکا خاتمہ عباسیوں سے پہلے ہو چکا تھا۔

سیوطی لکھتے ہیں کہ معتصم کو اپنے وزیر مویدالدین علقمی شیعی پر بڑا اعتماد تھا اس نے ملک کو تباہ کر ڈالا۔ وہ خلیفہ سے جسطرح چاہتا تھا کھیلتا تھا' خفیہ طور پر تاتاریوں سے ملا ہوا تھا اور انکا خیر خواہ تھا اس نے عباسی خلافت کو مٹا کر علوی حکومت قائم کرنے کیلئے تاتاریوں کو عراق پر فوج کشی اور بغداد پر قبضہ کرنے کی طمع دلائی اور انکی خبریں خلیفہ سے بالکل پوشیدہ رکھیں اور مختلف تدابیر سے ہلاکو خان کو بغداد پر حملہ کیلئے آمادہ کرلیا چنانچہ ذی الحجہ ۶۵۵ھ میں ہلاکو نے بغداد پر فوج کشی کر کے قبضہ کرنے کی کوشش کی امیر دیودار نے حملہ پسپا کر دیا لیکن پھر تاتاریوں نے اس زور کا حملہ کیا کہ عباسی فوجیں اسکی تاب نہ لاسکیں اور بغداد کی جانب پسپا ہوگئیں۔ بدقسمتی سے اس وقت دجلہ کا بند ٹوٹ گیا آگے راستہ بند تھا پوری فوج کو تاتاریوں نے تہ تیغ کر دیا پورے بغداد کا محاصرہ کرلیا اہل بغداد میں کوئی سکت باقی نہ رہی تھی لیکن ابھی ابن علقمی کا جذبہ انتقام ٹھنڈا نہ ہوا تھا۔ اس نے ہلاکو سے اپنی جان بخشی کرائی اور معتصم اور اسکے ساتھ بغداد کے تمام علماء و فقہاء و مدرسین و اکابر اعیان کو یہ یقین دلا کر ہلاکو کے پاس لے گیا کہ ان کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا' اور ہلاکو معتصم کو منصبِ خلافت پر برقرار رکھے گا اور اپنی لڑکی کی شادی اسکے لڑکے ابوبکر کے ساتھ کر دیگا۔ یہ سب کے سب ایک ساتھ قتل کر دیئے گئے۔ معتصم کو ڈنڈوں سے پیٹ پیٹ کر ختم کیا اور اسکی لاش کو پیروں سے مسلا اور ان میں کسی کو گور و کفن تک میسر نہ ہوا یہ واقعہ محرم ۶۵۶ھ میں پیش آیا۔ وحشی تاتاریوں نے اس عظیم الشان شہر کو لوٹ کر ویران کر ڈالا شاہی خزانے لوٹ لیئے عباسی کتب خانے کی تمام کتب کو جو صدیوں کا سرمایہ تھیں دجلہ میں ڈبو دیا مقتولین کی تعداد کا اندازہ سولہ لاکھ ہے۔

بغداد پر قبضہ کے بعد پورا عراق تاتاریوں کے زیرنگین ہوگیا اور سوا پانچ صدیوں کے بعد (۱۳۲ھ میں پہلے عباسی خلیفہ سفاح کی بیعت ہوئی تھی اور محرم ۶۵۶ھ میں معتصم قتل ہوا) عباسی خلافت ختم ہوگئی اور اس کے ساتھ مسلمانوں کی سیاسی مرکزیت کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ خلافت بغداد مسلمانوں کی دینی مرکزیت کی حامل حکومت تھی اسکی تباہی عالم اسلام کا حادثہ تھا۔ اس سے سارے عالم اسلام میں غم والم کی لہر دوڑ گئی۔ شعراء نے بڑے پرسوز مرثیے لکھے ان میں تقی الدین بن ابی الیسر کا مرثیہ بہت مشہور ومؤثر ہے جسکے چند اشعار یہ ہیں

لسائل الدمع عن بغداد اخبار
فما وقوفك والاحباب قد ساروا
یازائرین الی الزوراء لاتفدوا
فمابذاك الحي والدار دیار
تاج الخلافة والربع الذی شرفت
به المعالم قدا عفاه اقفابر

ترجمہ: بہنے والے آنسو بغداد کے واقعات بیان کررہے' سارے احباب تو رخصت ہوگئے تم کیوں ٹھہرے ہوئے ہو۔ اے زوراء کی زیارت کرنے والو اب تمہارے آنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس مرغزار میں کوئی رہنے والا باقی نہیں رہا۔ خلافت کے تاج اور اس مرغزاروں کو جس پر کنگرے بلند تھے ویرانی نے بالکل مٹادیا❶

❶ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۲۹۵' ۲۹۶' ۲۹۷' ۲۹۸ ج ۴

باب سوم

ادارہ قضاء

فصل اول

اسلام کے نظامِ قضاء کا تحقیقی تجزیہ

عدل کا مفہوم

''لغت کے اعتبار سے عدل کے معنیٰ برابری اور انصاف کے ہیں یعنی کسی چیز کو دو ایسے حصوں میں تقسیم کر دینا کہ کسی ایک میں کمی اور بیشی نہ ہو۔ عدل کہلاتا ہے۔ لیکن حقیقت میں کسی شے کے ٹھیک اپنے عمل اور حدود کے اندر ہونے کا نام عدل ہے۔'' ❶

''عدل عربی زبان کا لفظ ہے۔ لغوی معنیٰ برابری ظلم کے اختلاف میں استعمال ہونے والا لفظ ہے۔ اسلام نے عدل کو بنیادی اہمیت دی ہے کیونکہ اس کے بغیر ایک صالح معاشرے کا قیام عمل میں نہیں آ سکتا علاوہ ازیں کسی بھی معاشرے میں خوشحالی، امن اور ارتقاء کے مراحل اسی وقت طے ہو سکتے ہیں جب وہاں عدل موجود ہو عدل کے تحت خون کا بدلہ خون اور عضو کا بدلہ عضو ہے یعنی اگر ایک شخص دوسرے کو جتنی تکلیف یا نقصان پہنچاتا ہے۔ اہل لغت نے عدل کے معنیٰ مثلاً یہ لکھے کہ اونٹ کے دونوں کجاوے ایک جیسے بھرے ہوں۔ ایک جیسا وزن ہو۔ تو اس کے معنیٰ دراصل برابری کے ہیں۔'' ❷

عدل کی ایک اور تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے

''کسی وزن یا شے کو دو نصف حصوں میں اس طرح بانٹ دینا کہ دونوں میں سے کسی ایک میں بھی ذرہ برابر بیشی نہ رہے عدل کہلاتا ہے۔'' ❸

---

❶ قدیم مسلمان قاضیوں کا بے لاگ عدل اور حکمرانوں کے خلاف فیصلے: طارق سید عبدالصبور، لاہور ''البدر پبلیکیشنز'' ۱۹۸۷ء، ص ۱۲

❷ اسلامی انسائیکلوپیڈیا: سید محمود قاسم، کراچی شاہکار بک فاؤنڈیشن، س۔ن ص ۱۰۶۶

❸ ماہنامہ جرائد لاشرف: کراچی سیرت نمبر، شعبہ علومِ اسلامی جامعہ کراچی کے تحت منعقد ہونے والی قومی سیرت کانفرنس میں شائع ہوا ص ۱۸۱

جبکہ عام اصطلاح اور قضاء کے نقطۂ نظر سے عدل کا مفہوم یہ ہے کہ:

''روزمرہ کے معاملات میں لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتے ہوئے جج یا قاضی عدل و انصاف کے ساتھ ان کے حقوق عامہ کا یوں تحفظ کرے کہ کسی ایک کی بھی حق تلفی نہ ہو۔'' ❶

عدل کی لغوی معنیٰ

دو چیزوں میں برابری کے ہیں۔ ❷

''عدل'' کو عربی زبان میں قضاء کہتے ہیں۔

''علمائے اسلام کے نزدیک عدل کا مفہوم''

امام راغب کے نزدیک:

''عدل'' بدلہ دینے یا لینے میں برابری کا نام ہے۔ بدلہ لینے میں برابری یا عدل کا ایک محدود مفہوم ہے جس میں بدلہ اور جزا کا تصور ہے یعنی کوئی کسی کی ایک آنکھ پھوڑتا ہے تو اس کی بھی وہی آنکھ پھوڑی جائے گی عدل اسی کا نام ہے۔ اگر ایک کے بجائے دونوں آنکھیں پھوڑی جائیں تو یہ ظلم ہوگا۔''

میر سید شریف الدین الجرجانی فرماتے ہیں کہ:

''عدل زیادتی اور کمی کے درمیانی چیز ہے''

ابوالبقاء کے مطابق:

''عدل کی ضد ظلم ہے''

یعنی حقدار کو حق دلایا جائے اور جس کا حق نہیں ہے اس سے لے لیا جائے۔

علامہ عینی کے بقول:

''عدل'' واجب التعمیل احکام کی تعمیل کا نام ہے۔ گویا عدل یہ ہے کہ تسلیم کرلیا جائے اور ظلم کا خاتمہ کردیا جائے۔

---

❶ ایضاً: حوالہ بالا ص ۱۸۱ ❷ ایضاً: حوالہ بالا ص ۲۴۷

مگر شریعت اسلامیہ کی اصطلاح میں عدل کا مفہوم یہ ہے کہ۔

ہر شئے کو اس کے صحیح مقام پر رکھا جائے۔ ❶

عدل سے مراد "کسی چیز کو اس کے اصل مقام پر رکھ دینا یا رکھنا"

"ہر حقدار کو اس کا حق پورا پورا دینا"۔ انفرادی اور اجتماعی معاملات میں راہ اعتدال پر قائم رہنا اور افراط وتفریط سے بچنا ہے"۔

"عدل کے مقابلے میں ظلم ہے اور ظلم کے معنیٰ ہیں کسی چیز کو اسکے صحیح موقع ومحل میں نہ رکھنا۔" ❷

"عدل" کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ جس کا اطلاق فرد واحد سے لے کر پورے معاشرے بلکہ انسانیت تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ ایک ایسی صفت ہے جس سے اللہ تعالیٰ خود متصف ہے یعنی وہ "عادل" ہے ظالم نہیں ہے۔ اس نے "عدل" کو اپنے تکوینی نظام میں بھی اور تشریعی نظام میں بھی جاری وساری رکھا ہوا ہے۔ ❸

عدل وانصاف کا مفہوم مغربی مفکرین کی نظر میں

"ارسطو" نے اپنی کتاب "پبلیکا" یعنی کہ "جمہوریت" میں عدل وانصاف کی تعریف اس طرح کی ہے۔

"قانوناً جائز مناسب یا اس کے مساوی"۔ ❹

(یعنی ترجیح اور امتیاز سے بالاتر)

اس نقطہ نظر سے ارسطو نے عدل کو دو شعبوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک تقسیمی اور دوسرا معانجاتی۔ اول الذکر میں ملک کے باشندوں میں اعزاز یا دولت کی تقسیم یا تفویض کرنا جس کا تناسب کسی مخصوص معاشرے کے اپنے معیار اور خوبیوں کے مطابق ہو۔ جبکہ مؤخر الذکر میں کسی کے نقصان کا اندازہ

---

❶ ایضاً: حوالہ بالا ص ۲۴۷ ❷ سیرت النبی ﷺ: شبلی نعمانی، محولہ سابقہ ص ۴۵۲ ج ۶

❸ مقالہ سیرت نبوی اور نظام عدل: سید کفایت حسین نقوی ص ۲۴۷ بحوالہ جرائد الاشرف

❹ جرم وسزا تاریخ کے آئینے میں: عابد حسین، مقالہ ایل ایل ایم ۱۹۹۳ شعبہ قانون وفاقی گورنمنٹ اردو کالج کراچی۔ ص ۱۷۴

اور اسی کے تناسب سے اس کی تلافی یعنی کہ حالت کی بحالی اس نقطہ نظر سے دو طرفہ نظریہ پر متصور ہوگی کہ

''ہر فرد کو وہ سب کچھ ملنا چاہئے جو کہ ان کا حق ہے اور دوسرے یہ کہ نقصان یا غلط روی کی مناسب طریقہ پر تلافی معاوضہ یا معالجہ (انسداد) ہونا چاہئے۔'' ❶

لیکن حق اور علاج یا تلافی دونوں کا واسطہ قانون سے ہے چنانچہ۔

''عدل ان حقوق کے یقین اور ان کی فراہمی اور تلافی یا معاوضہ کی ادائیگی یا انسدادی کارروائیوں پر مشتمل ہے جن کی صراحت قانون میں موجود ہے۔'' ❷

سالمنڈ نے اپنی کتاب ''فلسفہ قانون'' میں قانون کی تعریف ان الفاظ میں کر کے عدل اور انصاف کا ذریعہ بتایا ہے۔

''قانون ان اصولوں کے مجموعہ کا نام ہے جس کو کسی مملکت یا ریاست نے عدل و انصاف کو بروئے عمل میں لانے کے لئے منظور اور نافذ کیا ہے۔'' ❸

مغربی مفکرین نے عدل کو قانون کے ساتھ مطابقت اور مناسبت دی ہے لیکن یہ لازم نہیں کہ ہر قانون عدل و انصاف کے میزان پر درست ثابت ہو۔ قانون اچھا یا برا اور عدل کے منافی بھی ہوسکتا ہے۔

قضاء کی لغوی تعریف

''قضاء کے لغوی معنیٰ الزام، اخبار، فراغ اور تقدیر کے ہیں۔''

مگر اس کے عام معنیٰ ''حکم'' اور ''فرمان'' کے ہیں اور یہی اس کے اصطلاحی معنیٰ بھی ہیں۔ ❹

اسی لئے قضاء اس قول کو کہتے ہیں جو اولوالامر کی جانب سے ہو اور اس کا بجالانا لازمی ہو۔

قرآن کریم میں لفظ قضاء حکم کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔

ارشاد ربانی ہے

---

❶ ایضاً: حوالہ بالا، ص ۱۷۴ ❷ ایضاً: حوالہ بالا، ص ۱۷۴ ❸ ایضاً: حوالہ بالا، ص ۱۷۴

❹ اسلامی نظامِ عدالت: تنزیل الرحمٰن، راولپنڈی، مطبوعات حرمت بینک روڈ راولپنڈی، ص ۱۸

"وقضیٰ ربك الاتعبد وا الاایاہ"❶

ترجمہ: "اور آپ کے رب نے حکم دیا کہ نہ عبادت کرو اس کے سوا کسی کی"

شرعی اصطلاح میں حکومت کے مقرر کردہ بااختیار ادارہ کی طرف سے کتاب وسنت اور احکام شرعیہ کی روشنی میں لوگوں کے تنازعات کا تصفیہ کرنے کا نام "قضاء ہے۔❷

فقہا اہل سنت کے نزدیک قضاء کی مختلف تعریفیں کی جاتی ہیں۔ مگر ان میں "حکم" اور "فرمان۔" کے معنی مشترک ہیں۔

علامہ کاسانی نے قضاء کی تعریف یوں کی ہے۔

"القضاء ھو الحکم بین الناس بالحق ولحکم بماانزل اللّٰہ عزوجل❸

ترجمہ: لوگوں کے درمیان حق اور اللہ کے نازل کئے ہوئے حکم کے مطابق حکم کرنا قضاء ہے۔

ایک اور مشہور تعریف اس طرح کی گئی ہے

وفی الشرع قول ملزم یصدر عن ولایة عامة کذافی حزانة المفتین❹

ترجمہ: "وہ قول جو ولایت عامہ کے ذریعہ سے صادر ہو اور دوسرے کے لئے کسی امر کو لازم کردینے والا ہو قضاء کہلائے گا۔

مجلۃ الاحکام العدلیہ میں قضاء کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے۔

"قضاء حکم کرنے اور حاکم ہونے کو کہتے ہیں"

اس دفعہ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ "طاہر الاتا" مفتی حمص نے اپنی شرح میں فرمایا۔ قضاء حکم کے معنی میں مستعمل ہے چنانچہ قضاء اور حکم دونوں مترادف لفظ ہیں۔ کہا جاتا ہے۔ "حکم القاضی علی زید" حاکم نے زید پر حکم لگایا اور حاکمیت نے بروزن فاعلیت و جاہلیت مصدر ہے۔ حکم اس فعل کا نام ہے جو قاضی و حاکم سے صادر ہوتا ہے اور حاکمیت سے یہ فعل مع اس ذات کے مراد ہوتا ہے جس سے یہ فعل صادر ہو یعنی حاکم کی ذات جو اس فعل سے متصف ہو چنانچہ جب ہم کہیں گے "قضاء القاضی" (قاضی کا فیصلہ) تو اس قول میں قضاء کا حکم مراد ہوگا لیکن جب سلطان وقت کسی

---

❶ القرآن: ۱۷:۲۴ ❷ تاریخ وفقہ: فضل احمد کراچی "طاہر سنز" ۱۹۶۶ص ۱۹۲

❸ بدائع الصنائع: علامہ کاسانی کراچی "طاہر سنز" باب القضاء

❹ فتاویٰ عالمگیری: جماعۃ من العلماء: کوئٹہ "مکتبہ رشیدیہ" س۔ن ص ۱۴۱ ج ۳

شخص سے یہ کہے کہ فلاں مہینہ آنے پر میں نے تم کو فلاں مقام کی قضاء سپرد کردی تو اس قول سے قضاء کے دوسرے معنی حاکمیت مراد ہوں گے کہ میں نے تم کو وہاں کا حاکم مقرر کردیا❶

اسلام میں قضاء کا اصل سرچشمہ ذات خداوندی ہے۔

''اس ذات نے جو سرچشمہ قضاء ہے بنی نوع آدم کو اپنی جانب سے قضاء کی ذمہ داری سونپی''❷

''انصاف کا ایک دن کسی کی ستر سالہ مسلسل عبادت سے بہتر ہے''❸

اسلامی نظام کا اہم ستون عدلیہ ہے یہ عدلیہ ہی ہے جو کہ لوگوں کے تنازعات کا فیصلہ کرتی ہے۔ کسی بھی ریاست میں عامہ اور مقنّنہ کے بعد اہم شعبہ قضاء (عدلیہ) ہی کا ہوتا ہے جس پر نظام ریاست چلتا ہے۔ قضاء کا مقصد انصاف کی فراہمی اور برقراری ہے جس ملک میں انصاف کے تقاضے پورے نہ ہو رہے ہوں گے لوگوں کو عدلیہ کے ذریعے انصاف نہ مل رہا ہوگا وہ حکومت دیرپا نہیں ہوتی اور بہت جلد وہ خاتمہ کو پہنچتی ہے۔ عدلیہ کے لئے اہل اور قابل افراد مقرر کئے جاتے ہیں تاکہ لوگوں کو حقیقی انصاف میسر آسکے۔ قضاء عدلیہ ایک نہایت ہی اہم شعبہ ہے اور نہایت ہی اہم فرض قاضیوں یا ججوں کو سونپا جاتا ہے یہ ایک مقدس نوعیت کا عہدہ ہے اس لئے اس کا احترام بھی ازبس ضروری ہے۔ عدلیہ حکومت کی دست برد سے آزاد ہونی چاہئے۔ اگر کسی کو جج یا عہدہ قضاء تفویض کردیا جائے تو اسے معزول نہیں کرنا چاہئے تاکہ لوگوں کو اعتماد کی ٹھیس نہ پہنچے اور لوگ عدلیہ پر اعتماد کرسکیں۔ عدالت کے دروازے ہر کس و ناکس کھلے رہنے چاہئے اور انصاف مہنگا نہیں ہونا چاہئے۔❹

''اسلام کے عدالتی نظام کی اہمیت''

حکومت اور ریاست کے قیام میں قضاء کو اہم ترین سمجھا گیا ہے۔ جمہوریت کے تین ستونوں میں سے یہ اہم ترین ستون ہے۔

---

❶ مجلۃ الأحکام الاعدلیہ: عبدالقدوس ھاشمی، کراچی ''انٹرنیشنل پریس'' ۱۹۶۶ص ۴۰۳ دفعہ ۱۷۸۴

❷ اسلامی نظام عدالت: جسٹس تنزیل الرحمٰن، محولہ بالا، ص ۲۲

❸ قوانین شریعت: ثناء اللہ غوری، کراچی ''المحمود پبلیشرز'' ۱۹۸۷ص ۱۳۷ ❹ ایضاً: حوالہ بالا، ص ۱۳۷، ۱۳۸

عدل ایک خدائی ضابطہ

نظام عدل کو قرآن میں بنیادی اہمیت دی گئی ہے۔

''امام ترمذی اور امام بیہقی'' نے اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء حسنیٰ کی تفصیل پر مشتمل جو حدیث حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ کا ایک اسم گرامی ''العدل'' بھی ہے اگرچہ قرآن مجید میں اللہ کا نام لفظاً نہیں آیا لیکن انصاف کے حوالے سے اس کی یہ شان متعدد مقامات پر نظر آتی ہے۔ سورۃ مومن سورۃ انعام اور سورۃ آلِ عمران کی آیات مبارک اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کی عظیم صفت اقدس کو ظاہر کرتی ہیں'' ❶

حضور کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اسی اسم مبارک ''العدل'' کا مظہر اتم بنا کر بھیجا۔ آپ کے فرائض منصبی میں سے ''عدل و انصاف'' سے مزین اسلامی معاشرہ اور ''نظام عدل'' قائم کرنا تھا۔

اسلام میں عدل کی اہمیت

اسلام میں عدل و انصاف پر بہت زور دیا گیا ہے کیونکہ اگر عدل و انصاف نہ ہو تو انسانی معاشرہ درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اور اس کا امن سکون ختم ہو جاتا ہے بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لئے امن شرط اولین ہے اور امن کا حاصل ہونا انصاف کے بغیر نہ ممکن ہے۔

''عدل ایسی چیز ہے جس سے زندگی کے ہر مرحلے اور موڑ پر دوچار ہونا پڑتا ہے۔ بیع و شراء مصلحت و مسائل میں بحث و گفتگو میں کسی کو گواہ بنانے میں اور خود گواہ کی حیثیت سے پیش ہونے میں عدل و انصاف سے کام لینا پڑتا ہے اسی طرح خورد و نوش کے وقت میں اور پھر خرچ کرتے وقت بھی ہم اعتدال کی راہ سے منہ نہیں موڑ سکتے حتیٰ کہ جانوروں سے کام لینے تک میں ہم کو عدل کا پابند بنایا گیا ہے۔ غرض یہ کہ صبح سو کر اٹھنے سے لے کر رات سوتے وقت تک ہر قدم پر ہمیں عدل کی ضرورت پڑتی ہے۔'' ❷

قرآن کریم کی روشنی میں قضاء کی اہمیت

اسلام میں عدل کا مرکزی اور اولین ماخذ قرآن ہے قرآن حکیم نے جو نظام عدل پیش کیا

---

❶ سہ ماہی منہاج: سید محمد متین ھاشمی لاہور ''مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری'' ۱۹۸۷ء ص ۱۲ ج ۵
حضورؐ کا نظام عدل: صاحبزادہ فرید الدین قادری ص ۷ بحوالہ جرائد الاشرف کراچی

❷ مسلمانوں کے سیاسی افکار و ادارے: لاہور ''اردو بازار'' ۱۹۸۹ء ص ۳۹۰

ہے اس نے انسانوں کو زندگی میں میانہ روی اور اعتدال پر رہنے کی تلقین کی۔ ❶

قرآن کریم نے ہمیں نظام عدل قائم کرنے اور ہر زاویہ زندگی میں عدل وانصاف کو اپنانے کی ہدایت فرمائی۔ ❷

اللہ رب العزت نے سرکار دو عالم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا

"انا انزلنا الیك الکتٰب بالحق لتحکم بین الناس بما اراك اللّٰه ❸

ترجمہ: یقیناً ہم نے تم پر حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے تا کہ تم لوگوں کے درمیان اس طریقے سے عدل کر سکو جو اللہ نے تمہیں سکھایا ہے۔

خداوند کریم نے انبیاء کرامؑ کے ذمہ تبلیغ دین حق کے ساتھ قضاء کا فریضہ بھی عائد کیا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یٰداوٗد انا جعلناك خلیفة فی الارض فاحکم بین الناس بالحق و لا تتبع الھوٰی فیضلك عن سبیل اللّٰه ان الذین یضلون عن سبیل اللّٰه لھم عذاب شدید بما نسوا یوم الحساب۔ ❹

ترجمہ: "(پھر ہم نے اسے کہا) اے داؤد ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے تو لوگوں کے تنازعات کا فیصلہ عدل و انصاف کے ساتھ کرو اور فیصلہ کرنے میں اپنی ذاتی خواہشات کی پیروی مت کرو۔ وہ تجھے خدا تعالیٰ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے راستے سے بھٹکے جاتے ہیں انہیں سخت عذاب ملتا ہے کیونکہ وہ حساب کے دن کو بھلا بیٹھے ہیں"

اس آیت مبارکہ سے اسلام کے سیاسی وقانونی نظام میں عدل گستری کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو خلافت الٰہی اور نیابت خداوندی کی ذمہ داریاں سپرد کرنے کے ساتھ ہی جو سب سے پہلا فریضہ ان پر عائد کیا گیا وہ لوگوں کے مابین حق وانصاف کے ساتھ فیصلے کرنے کا حق تھا۔

ارشاد ربانی ہے:

---

❶ ماھنامہ جرائد الاشرف: محولہ بالا ص ۵۳ ❷ ایضاً: حوالہ بالا ص ۵۴

❸ القرآن: ۴:۱۰۵ ❹ القرآن: ۳۸:۲۶

"ان اللّٰہ یامر بالعدل"❶

ترجمہ: "بے شک اللہ تعالیٰ عدل کا حکم فرماتا ہے"۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

"و اذا قلتم فاعد لوا ولو کان ذاقربیٰ❷"

ترجمہ: "اور جب کہو تو انصاف سے کہو اگرچہ قرابت داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو"

ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہوا

"و اذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل❸

ترجمہ: "اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو۔"

اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ

"فاحکم بینھم بما انزل اللّٰہ و لا تتبع اھواء ھم"❹

ترجمہ: پس ان کے درمیان اس چیز کے ساتھ حکم کرو جو اللہ نے نازل کی ہے۔ اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو"۔

ایک اور جگہ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں۔

"یاایھاالذین اٰمنوا کو نوا قوامین للّٰہ شھداء بالقسط و لایجر منکم شنأن قوم علیٰ الاتعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ"❺

ترجمہ: "اے ایمان والو انصاف کے ساتھ گواہی دینے کے لئے اللہ کے واسطے قائم رہنے والے ہو جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی آپ کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم جادہ عدل سے ہٹ جاؤ تم انصاف کرو کہ وہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے"۔

و ان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ و حکما من اھلھا ان یریدا اصلاحاً یوفق اللّٰہ بینھما ان اللّٰہ کان علیماً خبیرا❻

ترجمہ: "اگر تم کو ان دونوں میاں بیوی میں کشاکش کا اندیشہ ہو تو تم لوگ ایک حکم

---

❶ القرآن:۲۶:۳۸۱ ❷ القرآن:۱۵۲:۶ ❸ القرآن:۵۸:۴
❹ القرآن:۴۸:۵ ❺ القرآن:۸:۵ ❻ القرآن:۳۵:۴

(منصف) مرد خاندان سے اور ایک حکم (منصف عورت کے خاندان سے بھیجو۔ اگر یہ دونوں میاں بیوی کے درمیان (دل سے) صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ میاں بیوی میں اتفاق پیدا فرمادیں گے بلاشبہ اللہ بڑا علم اور بڑا ہی خبر رکھنے والا ہے۔"

اس آیت مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ اگر کسی مقدمہ میں فریقین عدالت میں نہ جانا چاہیں اور باہمی مشورہ سے کسی شخص یا اشخاص کو منصف بنالیں تو شریعت کی نظر میں یہ بالکل درست ہے۔

"اللہ کے نازل کردہ قوانین کے مطابق فیصلہ نہ کرنے پر وعید"

"ومن لم یحکم بماانزل اللّٰہ فاولٰئك هم الكٰفرون ❶

ترجمہ: "جو اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے جو اللہ نے نازل کیا ہے وہ کافر ہیں۔"

"ومن لم یحکم بماانزل اللّٰہ فاولٰئك هم الظالمون ❷

ترجمہ: جو اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے جو اللہ نے نازل کیا ہے وہ ظالم ہیں۔"

"ومن لم یحکم بماانزل اللّٰہ فاولٰئك هم الفٰسقون" ❸

ترجمہ: "جو اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے جو اللہ نے نازل کیا ہے وہ فاسق ہیں"۔

مذکورہ تینوں ارشادات میں اللہ کے نازل کیئے ہوئے قوانین کے مطابق فیصلے اور حکومت نہ کرنے پر جرم کی مختلف حالتوں کے اعتبار سے ان کو کافر، فاسق اور ظالم قرار دیا گیا ہے۔

ان تمام آیات میں اللہ رب العزت نے فرمایا ہے کہ ہر حال میں انصاف کرنا ضروری و لازمی ہے۔

فیصلہ کرنے کے بارے میں ہدایات ربانی

فیصلے انصاف کے مطابق کیئے جائیں اس سلسلے میں متعدد ارشادات میں سے چند یہ ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے:

"وقل اٰمنت بماانزل اللّٰہ من کتاب وامرت لاعدل بینکم" ❹

ترجمہ: "اور فرمادیجیے میں ایمان رکھتا ہوں اس کتاب پر جو اللہ نے نازل فرمائی ہے اور

❶ القرآن:۵:۴۴ القرآن:۵:۴۵ ❷ القرآن:۵:۴۷ ❸ القرآن:۴۲:۱۵

مجھے حکم ہوا ہے کہ تمہارے درمیان عدل قائم کروں۔"

پھر فرمایا:

"وان حکمت فاحکم بینهم بالقسط ان اللّٰه یحب المقسطین"❶

ترجمہ: "اگر تم فیصلہ کرو تو ان کے درمیان کامل عدل وانصاف کے مطابق فیصلے کرو بے شک اللہ عدل کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے"۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوا:

"قل امر ربی بالقسط"❷

ترجمہ: "آپ فرما دیجئے کے میرے رب نے کامل عدل وانصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔"

قرآن کریم کے بعد حضور کی ذات مبارکہ عدل وانصاف کا ماخذ ہے۔ حضورؐ کو اللہ تعالیٰ نے عدل قائم کرنے والا مبعوث فرمایا تھا اور آپ نے عملی طور پر ایک مکمل نظام عدل کا قیام فرمایا تھا۔

"حدیث کی روشنی میں قضاء کی اہمیت"

منصب قضاء ایک مشکل اور وقت طلب کام ہے۔ اس لئے اس منصب کو عدل وانصاف اور قرآن وسنت کے مطابق خوش اسلوبی سے انجام دینے والے کے لئے بڑے فضائل ہیں۔ رسول اللہؐ سے ایسی بے شمار احادیث منقول ہیں جس میں عدل وانصاف کی تاکید اور ظلم وستم پر وعید وارد ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

"عن بریدة قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم القضاء ثلثة واحد فی الجنة واثنان فی النار فاما الذی فی الجنة فرجل عرف الحق فقضی به ورجل عرف الحق فجار فی الحکم فهو فی النار ورجل قضی فی الناس علی جهل فهو فی النار"❸

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا "قاضی تین ہیں ایک جنت میں اور دو دوزخ میں ہیں جس شخص نے حق پہچانا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا وہ جنتی ہے اور جس شخص نے حق کو جاننے کے باوجود فیصلہ میں ظلم کیا وہ دوزخی ہے اور جس

❶ القرآن: ۵:۴۲ ❷ القرآن: ۷:۲۹ ❸ سنن أبی داود امام ابوداؤد: ملتان، مکتبہ امدادیہ۔ س۔ن ص ۱۴۷ ج ۲

شخص نے جہالت پر لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا وہ بھی دوزخی ہے۔"

پھر فرمایا:

"عن عبداللّٰہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لاحسد إلافی اثنتین: رجل آتاہ اللّٰہ مالا فسلطہ علی ھلکتہ فی الحق' واٰخر اتاہ اللّٰہ حکمۃ فھو یقضی بھا ویعلمھا" ❶

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا دو چیزیں ایسی ہیں جن میں حسد کیا جاسکتا ہے ایک تو وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا ہے اور حق کے راستہ میں اس کو خرچ کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائی ہے اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت و دانائی سے نوازا وہ اس کے مطابق فیصلہ بھی کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم بھی دیتا ہو۔

منصب قضاء کی نزاکت

ارشاد ہوتا ہے:

"عن ابی ھریرۃ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: من ولی القضاء فقد ذبح بغیر سکین" ❷

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو منصب قضاء پر مقرر کیا گیا اس کو گویا بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔"

اس منصب کی ذمہ داری اور ان کو کما حقہ انجام دینا ایسا ہی مشقت و تکلیف کا کام ہے۔ جیسے بغیر چھری کے ذبح ہونا۔ مطلب یہ ہے کہ تیز چھری سے ذبح ہونا بہ نسبت بغیر چھری کے ذبح ہونے کے آسان ہے۔

روز قیامت قاضی کا سخت محاسبہ

ارشاد ہوتا ہے:

---

❶ الصحیح البخاری: محمد بن اسماعیل البخاری' کراچی' قدیمی کتب خانہ' س۔ن' کتاب الاحکام' ص ۱۰۵۸

❷ سنن أبی داؤد: امام ابوداؤد' محولہ بالا' ص ۱۴۷ ج ۲

"عن عائشة رضی اللّٰہ عنہا قالت سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول یدعی القاضی العدل یوم القیامة فیلقیٰ من شدة الحساب مایتمنی به انه لم یقض بین اثنین فی تمرة قط" ❶

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا قیامت کے روز قاضی عادل کو بلایا جائے گا اور اس کو اس قدر سخت محاسبہ کا سامنا کرنا پڑے گا کہ وہ تمنا کرے گا کہ کاش کبھی دو آدمیوں کے درمیان ایک کھجور کا بھی فیصلہ نہ کیا ہوتا۔

منصب قضاء کے حصول کی سعی اور سفارش

ارشاد ہوتا ہے:

"عن ابی موسی قال دخلت علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم انا ورجلان من قومی فقال احدالرجلین امرنا یارسول اللّٰہ وقال الاخر مثله فقال انالانولی هٰذا من ساله ولامن حرص علیه" ❷

ترجمہ: "حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ میں اور میری قوم (قبیلہ) کے دو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ان دو ساتھیوں میں سے ایک نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کوئی عہدہ عطا فرمایئے۔ دوسرے نے بھی ایسی ہی درخواست کی آپ نے ارشاد فرمایا ہم اس کام میں (یعنی عدالتی کام میں) کسی ایسے شخص کو مقرر نہیں کرتے جو خود اپنے لئے اس کام کا طالب ہو یا اس منصب کا لالچ رکھتا ہو۔"

اسلامی ریاست کی عام پالیسی یہی ہونی چاہئے کہ ان لوگوں کو کسی اہم سرکاری اور بالخصوص عدالتی مناسب پر فائز نہ کیا جائے جو خود ان کے حصول کے لئے کوشاں ہوں یا مناسب اور عہدوں کے حریص ہوں۔

"قضاء" اپنی اہمیت کے لحاظ سے ایک نہایت باعزت منصب ہے اس کا احترام اور تعظیم کرنا

---

❶ مسند امام احمد بن حنبل: امام احمد بن حنبل

❷ ادب القاضی: ڈاکٹر محمود احمد غازی، اسلام آباد، "ادارہ تحقیقات اسلامی" ۱۹۹۳ء ص ۱۱۸

فرض ہے۔ دین میں اس کام کی جو اہمیت اور مقام و مرتبہ ہے اس سے واقفیت حاصل کرنی چاہئے یاد رکھنا چاہئے کہ اس کام کے لئے انبیاء اور رسول بھیجے گئے جب تک نظام قضاء صحیح طور پر قائم رہے گا اس وقت تک زمین و آسمان بھی قائم رہیں گے رسول اللہ ﷺ نے اس منصب کو ان نعمتوں میں سے قرار دیا ہے۔ جن کے حصول کی وجہ سے کسی پر رشک کیا جا سکتا ہے۔

فصل دوم

''اسلام کے عدالتی نظام میں قاضی کی اہمیت''

قاضی (جج)

لغوی اعتبار سے جو شخص کسی معین معاملے میں حکم دے قاضی کہلاتا ہے۔ قاضی یا جج وہ شخص ہے جس کو سلطان وقت کی طرف سے لوگوں کے باہمی خصومات ودعاوی کا بموجب شرعی احکام فیصلہ کرنے کے لئے مقرر کیا جائے۔

اقسام قاضی قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں

(۱) وہ قاضی جن کو حکومت مقرر کرے۔ (۲) وہ قاضی جن کو عوام منتخب کرے اور
(۳) وہ قاضی جن کو فریقین دعویٰ مقرر کریں ان کی حیثیت ثالث کی ہے۔

اسلامی ممالک میں پہلا اور تیسرا طریقہ رائج ہے۔ جبکہ امریکہ میں دوسرے طریقے پر بھی عمل ہوتا ہے۔ جہاں ججوں کا تقرر بذریعہ انتخاب ہوتا ہے۔

''قاضی کی تقرری''

جب مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کی بنیاد ڈالی گئی تو حضور ﷺ سب سے پہلے قاضی تھے جو کہ قرآن کی روشنی میں لوگوں کے فیصلے کرتے تھے۔ حضور ﷺ انصاف فراہم کرنے میں مثالی شخصیت تھے۔ حضور ﷺ نے ریاست کے دیگر علاقوں کے لئے الگ سے بھی قاضی مقرر کئے تھے۔

قاضی میں گواہ کی صفات کا پایا جانا کیوں ضروری ہے؟

اس کی وجہ ہے کہ عدالتی فیصلوں کا سارا دارومدار شہادت اور گواہی پر ہی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ مناسب قضاء اور گواہی دونوں کی حیثیت ایک ولایت کی سی ہے لہذا جو شخص گواہی دینے کا اہل ہوگا وہ دوسری ضروری شرائط کے ساتھ قاضی بننے کا اہل ہوگا۔ جو شرائط گواہ کے لئے ضروری ہوں گی وہی قاضی کے لئے بھی ضروری ہوں گی۔ ❶

---

❶ ادب القاضی: ڈاکٹر محمود احمد غازی، محولہ سابقہ، ص ۲۴، ۲۵

''قاضی کے تقرر کے صحیح اور جائز ہونے کی شرائط''

قاضی میں حسب ذیل صفات کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۱) عاقل (۲) بالغ (۳) مسلمان (۴) غلام نہ ہو

(۵) سننے' دیکھنے اور بولنے کی صلاحیت رکھتا ہو (یعنی بہرا' اندھا اور گونگا نہ ہو)'

(۶) اس پر حد قذف نہ لگی ہو۔

(۷) اس کو حکمران کی طرف سے فیصلہ کے لئے مقرر کیا گیا ہو۔

(۸) قاضی کے لئے مرد ہونا اور اجتہاد کی صلاحیت کا حامل ہونا شرط نہیں ہے۔ ❶

''قاضی کی خصوصیات''

جو شخص قاضی مقرر کر دیا جائے اسے مندرجہ ذیل خصوصیات اپنانی چاہئیں جو کہ بدرجہ اتم ہر قاضی میں لازمی ہوں۔

(۱) تعصب سے پاک ہو۔ (۲) حسن سلوک کرے۔

(۳) سادگی اختیار کرے۔ (۴) قانون کی پابندی کرائے۔

(۵) فرائض دیانتداری سے انجام دے۔ ❷

''قاضی کے اختیارات''

''تنازعات اور جھگڑوں کو فیصل کرنا' صاحب حق کو اس کا حق دلانا' جنون اور بچپن کی وجہ سے جن کے تصرفات روک دیئے جائیں ان کے مالوں پر نگران مقرر کرنا' اوقاف کی نگرانی' وصیتوں کا نفاذ' بیوہ عورتوں کے ولی نہ ہوں اور ان کے رشتے آتے ہوں تو ہم کفو میں ان کا نکاح کرانا۔ جو لوگ حدود (سزاؤں کے مستوجب ہیں) ان پر انکا جاری کرنا۔ کسی شخص کو راستوں میں عمارت وغیرہ نہ بنانے دے۔ اپنے امین اور شاہدوں کی جانچ پڑتال کرنا اور تصفیہ مقدمات میں زور آور' کمزور اور شریف' غیر شریف میں کوئی فرق نہ رکھے۔'' ❸

---

❶ البحر الرائق: علامہ ابن نجیم' کوئٹہ ''مکتبہ رشیدیہ'' س۔ن ص ۲۵۷' ۲۵۸ ج ۶

❷ قوانین شریعت: ثناء اللہ غوری' کراچی' المحمود پبلیشرز' ۱۹۸۷ء ص ۱۴۵' ۱۴۷

❸ الاحکام السلطانیۃ: الماوردی' محولہ سابقہ' ص ۳۶

قاضی کا فیصلہ کرنے کا اسلامی طریقہ

''اسلام نے قاضی کے لئے فیصلہ کرتے وقت باقاعدہ ایک ضابطہ مقرر کیا ہے کہ جس کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ فیصلہ کرسکتا ہے۔ اسلام میں فیصلہ کرنے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ درپیش مسئلہ کا حل قرآن پاک سے معلوم کیا جائے۔ اگر وہاں کوئی صریح حکم نہ ملے تو حدیث نبوی ﷺ سے تلاش کیا جائے اگر وہاں بھی مسئلے کے لئے کوئی حل موجود نہ ہو تو اجماع صحابہ سے مدد لی جائے اگر تینوں ماخذوں سے مسئلہ حل نہیں ہوسکتا ہے تو استحسان' قیاس' مصالح' مرسلہ اور استدلال کی بنیاد پر فیصلہ کرسکتا ہے''۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بھی جو واقعات پیش آجاتے تھے آپ ﷺ مختلف اصول و ضوابط کو مدنظر رکھتے ہوئے فیصلہ کردیتے تھے۔ وہی فیصلہ جات اسلامی احکام وقانونی احکام بن جاتے تھے جب تک کوئی مسئلہ پیدا نہ ہو اس پر قیاس وظن کرکے فیصلہ صادر نہ کیا جائے۔ جب کوئی واقعہ ہوجائے تو قرآن پاک' حدیث نبوی' اجتہاد (قیاس)' اجماع صحابہ' اجماع امت' استحسان' مصالح مرسلہ استدلال کی بنیاد پر فیصلہ دینا چاہئے۔

''فیصلہ دیتے وقت واقعات کی اہمیت غاصب کی حد بندی' گواہوں کا نصاب' گواہان کی اہلیت وناالہلیت ماہرین کی گواہی اور دیگر لوازمات کو مدنظر رکھتے ہوئے فیصلہ صادر کیا جائے۔'' ❶

''قاضی کے اوصاف''

قاضی کی صفات حنفی نقطہ نظر سے

عہدہ قضاء پر کسی شخص کا تقرر اس وقت تک صحیح نہیں ہوگا جب تک اس شخص میں گواہ کی صفات نہ پائی جائیں۔ (ہدایہ) گواہ کی صفات یہ ہیں:

(۱) مسلمان ہونا، (۲) مکلّف ہونا، (۳) آزاد ہونا، (۴) بینا ہونا،
(۵) پہلے کبھی حد قذف نہ لگی ہو، (۶) بہرا نہ ہو، (۷) گونگا نہ ہو ❷

---

❶ قوانین شریعت: ثناء اللہ غوری' محولہ بالا' ص ۱۵۰ تا ۱۵۲

❷ فتاوی عالمگیری: مولانا نظام و جماعۃ من العلماء' محولہ سابقہ' ص ۱۴۱ ج ۳

مالکی نقطۂ نظر سے قاضی کی صفات

(۱) عادل ہونا، (۲) مرد ہونا، (۳) سمجھدار ہونا

(۴) علم فقہ سے واقف ہونا

عدل ہونے سے مراد یہ ہے کہ قانون شہادت کے تقاضوں کے مطابق عدل کی صفات اس میں پائی جاتی ہوں۔ کسی شخص کے عادل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ان میں یہ پانچ باتیں موجود ہوں:

(۱) مسلمان ہونا، (۲) بالغ ہونا، (۳) عاقل ہونا (پاگل نہ ہو)،

(۴) آزاد ہونا، (۵) فاسق نہ ہونا❶

قاضی کی صفات شافعی نقطۂ نظر سے

قاضی بننے کے لئے لازمی شرائط یہ ہیں۔

(۱) مسلمان ہو، (۲) مکلف ہو (عاقل، بالغ اور دارالاسلام کا شہری ہو)

(۳) آزاد ہو، (۴) مرد ہو، (۵) عادل ہو، (۶) سنتا ہو

(۷) دیکھتا ہو، (۸) بول سکتا ہو،

(۹) منصب قضا کی ذمہ داریاں ادا کرسکتا ہو۔ ، (۱۰) مجتہد ہو۔

مجتہد سے مراد یہ ہے کہ کتاب وسنت کے اس حصہ کا علم رکھتا ہو جو احکام سے متعلق ہے۔ ان کے علاوہ قرآن وسنت کے خاص، عام، مفسر، مبین، ناسخ ومنسوخ سنت متواترہ وغیرہ۔ مرسل راویوں کے حالات ان کی خوبیاں اور کمزوریاں، عربی زبان، عربی صرف ونحو، دور صحابہ اور بعد کے اہل علم کے اقوال علماء کے اجماع اور اختلافات، قیاس اور اس کی قسمیں ان سب امور کا علم رکھتا ہو۔ اگر ان سب شرائط کا جامع کوئی شخص دستیاب نہ ہو اور کوئی بااختیار فرمانروا کسی فاسق یا غیر مجتہد (مقلد) کو ہی قاضی بنادے تو ضرورتاً اس کے فیصلے بھی نافذ العمل ہوں گے۔❷

---

❶ الشرح الصغیر: ابوالبرکات احمد بن محمد الدردیر، ص ۱۸۷، ۱۸۸ ج ۴

❷ المنہاج: امام النووی، محولہ سابقہ، ص ۳۷۵ تا ۳۷۷ ج ۴

قاضی کی صفات حنبلی نقطہ نظر سے

قاضی میں تین شرائط کا پایا جانا ضروری ہے

(۱) کمال کی اہلیت، (۲) عدالت، (۳) اجتہاد

کمال کی دو قسمیں ہیں

(ا) جو کسی شخص کو مکمل طور پر شرعی احکام کا پابند بنانا ہو۔

(ب) اسکا جسمانی طور پر عیوب سے پاک ہونا

پہلی قسم کے کمال کے لئے چار چیزیں ضروری ہیں

(۱) بالغ ہونا، (۲) عاقل ہونا، (۳) آزاد ہونا، (۴) مرد ہونا

جسمانی کمال کے لئے بھی تین چیزیں ضروری ہیں

(۱) بولنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ (۲) سننے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

(۳) دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ ❶

''سماعت مقدمہ اور فیصلہ''

مدعی اور مدعلیہ کی تعریف

فقہاء نے ان کی تعریفیں مختلف انداز میں کیں ہیں

علامہ کاسانی کی تعریف یہ ہے

''مدعی وہ ہے جو دوسرے کے قبضہ میں موجود کسی چیز کو اپنا بتائے اور مدعاعلیہ وہ ہے جو اپنے قبضہ میں موجود کسی چیز کو اپنا ہی بتائے۔'' ❷

بعض فقہاء کی رائے میں

''مدعی وہ ہے جو ظاہری صورتحال کے علاوہ کسی اور صورتحال کا علمبردار ہو جبکہ مدعاعلیہ وہ ہے جو ظاہری صورتحال کو قرار دیتا ہو۔''

فقہاء کہتے ہیں کہ

---

❶ تاریخ فقہ اسلامی: ڈاکٹر فضل احمد، محولہ سابقہ، ص ۷ حصہ دوم

❷ بدائع الصنائع: علامہ علاؤالدین کاسانی، محولہ سابقہ ص ۲۲۴ ج ۶

"مدعی وہ ہے جو اپنے ارادہ اور اختیار سے (عدالت میں) اپنی بات کہے اور مدعا علیہ وہ ہے جو مجبوراً اسکا جواب دے۔"

دعویٰ کیسے دائر کیا جائے

دعویٰ دائر کرنے سے قبل تحریری صورت میں مرتب کر کے عدالت میں جمع کرایا جائے۔ چنانچہ جب مدعی کا دعویٰ لکھ لیا جائے تو اس پر تاریخ کی جگہ خالی چھوڑ دی جائے ہوسکتا ہے کہ جس تاریخ کو یہ دعویٰ لکھا جارہا ہو اس تاریخ کو دائر نہ ہو۔ اسی طرح اس (فائل یا رجسٹر) میں جواب دعویٰ کے لئے خالی چھوڑ دی جائے اس لئے کہ یہ بات پیشگی معلوم نہیں ہوسکتی کہ مدعا علیہ دعویٰ کی صحت کا اقرار کرے گا یا انکار۔

پھر اگر مدعی کے پاس گواہ ہوں تو ان کے نام بھی (اس فائل یا رجسٹر وغیرہ میں لکھے جائیں اور ہر دو گواہان کے نام کے بعد خالی جگہ چھوڑ دی جائے تا کہ قاضی وہاں تاریخ مدعا علیہ کا جواب اور گواہوں کی گواہیاں خود لکھے۔ ❶

دعویٰ کی صحت کے لئے بنیادی شرائط

(۱) مدعی اور مدعا علیہ کا عاقل ہونا۔
(۲) وجہ دعویٰ یا بنائے دعویٰ کا معلوم و معروف ہونا۔
(۳) جائیداد غیر منقولہ کے دعویٰ میں مدعی کا یہ ذکر کرنا کہ وہ مدعی علیہ کے قبضہ میں ہے۔
(۴) دعویٰ میں یہ بات شامل ہونا کہ مدعی نے بنائے دعویٰ کا مطالبہ کر دیا ہے۔
(۵) دعویٰ کا خود مدعی کی زبان سے ہونا الا یہ کہ اس کو کوئی عذر ہو۔
(۶) دعویٰ کا کمرہ عدالت میں پیش کیا جائے۔
(۷) فریق ثانی کی موجودگی
(۸) دعویٰ کا باہم متناقض نہ ہونا۔
(۹) بنائے دعویٰ کا کوئی ایسی چیز ہونا جس کا ثبوت ممکن ہو۔ ❷

دوران سماعت مقدمہ قاضی کے لئے ہدایات

(۱) قاضی دوران سماعت مقدمہ پوری صلاحیت فریقین کی گفتگو پر مرکوز رکھے۔

---

❶ ایضاً: حوالہ بالا ص ۱۲، ۱۳ ج ۷ ❷ ایضاً: حوالہ بالا ص ۲۲۲ تا ۲۲۴ ج ۶

(۲) فیصلہ کرتے وقت کسی پریشانی یا الجھن کا شکار نہ ہو۔
(۳) قاضی تنگ دلی یا گھبراہٹ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔
(۴) غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔
(۵) قاضی کو چاہئے کہ بھوک، پیاس اور امتلا یا اختلاج کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔
(۶) چلتے ہوئے یا سواری پر کہیں جاتے ہوئے فیصلہ نہ کرے۔
(۷) قاضی کو چاہئے کہ نشستوں کی ترتیب میں فریقین کے درمیان مکمل مساوات قائم رکھے۔
(۸) قاضی دیکھنے، بولنے اور تنہائی اختیار کرنے کے معاملے میں دونوں فریقوں کے مابین مکمل مساوات قائم رکھے۔
(۹) فریقین میں سے کسی ایک سے کوئی ہدیہ قبول نہ کرے۔
(۱۰) لوگوں کی شخصی دعوتیں جن میں پانچ دس اشخاص ہی بلائے گئے ہوں قبول نہ کیا کرے۔
(۱۱) فریقین میں سے کسی ایک کو دلیل سمجھانے کی کوشش نہ کرے۔
(۱۲) گواہ کو کوئی خاص بات کہنے یا نہ کہنے کی تلقین نہ کرے۔
(۱۳) گواہوں سے غیر متعلق اور لغو باتیں نہ کرے۔
(۱۴) مسلمانوں کی نماز جنازہ میں شرکت کرے۔
(۱۵) قاضی کو چاہئے کہ جب فریقین کمرہ عدالت میں داخل ہوں تو ان کو سلام کرے۔
(۱۶) حدود و قصاص کے علاوہ دوسرے تمام مقدمات میں گواہ کے حال کی تحقیقات کرے۔ ❶

مدعا علیہ سے قسم لینے کی صورتیں

(۱) انکار کی صورت میں۔ (۲) مدعی کے مطالبہ پر۔
(۳) ثبوت کے موجود نہ ہونے کی صورت میں۔
(۴) بنائے دعویٰ حقوق العباد میں سے ہو۔
(۵) بنائے دعویٰ کا اقرار کیا جا سکتا ہو۔ (۶) بنائے دعویٰ قابل دستبرداری ہو۔

''اسلام کے عدالتی نظام میں کسی مقدمہ کا فیصلہ کرنے کے لئے فریقین پر جرح کرنا ضروری ہے۔ حضور ﷺ نے بھی اس طریقے کار کو اپنایا ہوا تھا۔ اور مقدمات کے تصفیے میں جرح کے اصول کو اہمیت دیتے تھے''۔

❶ ایضاً: حوالہ بالا ص ۹، ۱۰ ج ۷

فصل سوم

اسلامی نظامِ قضاء کے نفاذ کا ارتقائی جائزہ

عہد بہ عہد

(آز ۱ھ تا ۶۵۶ھ یعنی آغاز سے عہد عباسی کے اختتام تک)

عہد رسالت میں قضاء ونفاذ حدود

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

فلا وربك لايؤمنون حتّٰى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لايجدوافى انفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليماً۔ ❶

(پس اے نبی (ﷺ) آپ کے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہوسکتے تاوقتیکہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو فیصلہ آپ فرمادیں اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ سر تسلیم خم کرلیں)

مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست قائم ہونے کے ساتھ ہی مسلمانوں کے باہمی نزاعات نیز ریاست میں وقوع پذیر ہونے والے جرائم کے سلسلہ میں ایک مربوط نظام عدل یا نظام قضاء کی اشد ضرورت تھی، چنانچہ ابتداءً سرکارِ دوعالم ﷺ نے خود منصب قضاء سنبھالا اور اللہ رب العزت نے آپ کی زبردست تائید ونصرت فرمائی متذکرہ بالا آیہ طیبہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

اسلام سے قبل یا زمانہ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ تنازعات کا فیصلہ طے کرنے کے لئے فریقین کسی کو اپنا حکم بنالیتے اور اس کے فیصلہ کا انتظار کرتے پھر اگر حکم کا فیصلہ فریقین میں سے کسی کے لئے قابل قبول نہ ہوتا تو وہ کسی اور کو حکم بناتا، اگر اس کا فیصلہ بھی منظور نہ ہوتا تو کسی تیسرے شخص کو حکم بنایا جاتا اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا، تا آنکہ فریقین کسی ایسے حکم کی تلاش وجستجو میں رہتے جس کا فیصلہ دونوں کے لئے قابل قبول ہو، یوں یہ طریقہ کار عہدِ رسالت تک جاری تھا ❷

---

❶ القرآن: ۴:۶۵ ❷ القضاء والقضاۃ: محمد شہیر ارسلان، بیروت ''دارالارشاد'' ۱۳۸۹ھ ص ۶۰

العجلانی کہتے ہیں:

.....کان الناس اول الامر یحلون خصوماتهم بطریقة التحکیم التی عرفوها فی الجاهلیة و کانوا بالخیار بین القبول بقضاء الحکم او رفضه.....حتی ان بعضهم احتکم الی رسول الله صلی الله علیه وسلم نفسه ولم یرض بحکمه' فنزلت هذه الآیة (فلا وربك لایؤمنون.....الخ)❶

(یعنی: شروع شروع میں لوگ اپنے جھگڑوں کا فیصلہ پنچایت کے طریقہ سے کرتے تھے جوانھوں نے زمانہ جاہلیت ہی سے سیکھ رکھا تھا' اور پنچ کا فیصلہ ماننے یا رد کرنے میں وہ آزاد تھے' یہاں تک کہ ان میں سے کسی نے اپنا کیس نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا لیکن آپ کے فیصلہ سے راضی نہ ہوا' چنانچہ یہ آیت طیبہ نازل ہوئی.....فلاوربک لایؤمنون.....الخ)

بعض تاریخی روایات بھی اس امر کی مصدق ہیں۔ ثعلبی نے ابن عباسؓ سے' ابن ابی حاتم نے ابوالاسود سے' مرسلاً' نیز بغوی نے کلبی کا قول بواسطہ ابوصالح ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ: ایک یہودی سے ایک منافق (بشر) کا کچھ جھگڑا ہوگیا' یہودی نے فیصلہ کرانے کیلئے جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی منافق کو دعوت دی اور منافق نے سردار یہود کعب بن اشرف سے فیصلہ کرانے کیلئے یہودی سے خواہش ظاہر کی' یہودی نے کعب بن اشرف کے پاس جانے سے انکار کیا اور جناب رسول اللہ ﷺ سے فیصلہ کرانے پر اصرار کیا' مجبوراً منافق کو بھی نبی اکرم ﷺ کی طرف آنا پڑا' غرض دونوں خدمت گرامی میں حاضر ہوئے' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ یہودی کے حق میں دیا' جب دونوں (فریقین) اٹھ کر باہر چلے تو منافق یہودی کو چمٹ گیا اور کہا کہ فیصلہ کیلئے حضرت عمرؓ کے پاس چلو' دونوں حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے' یہودی نے بیان کیا کہ ہم دونوں اپنا معاملہ لیکر (حضور ﷺ) کے پاس گئے تھے اور آپ نے میرے حق میں فیصلہ دیا لیکن یہ اس فیصلہ پر راضی نہیں' حضرت عمر نے منافق سے پوچھا کہ کیا ایسا ہی ہے؟ منافق نے کہا جی ہاں' حضرت عمر نے فرمایا ذرا ٹھہرو میں ابھی (اندر جا کر واپس) آتا ہوں' چنانچہ آپ گھر میں داخل ہوئے اور تلوار لئے ہوئے برآمد ہوئے' پھر فرمایا: جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ پر راضی نہ ہو میں اس کا فیصلہ اسی طرح کرتا ہوں۔❷

---

❶ عبقریۃ الاسلام فی عھد الحکم: دکتور منیر عجلانی' جامعہ دمشق (س۔ن) ص ۳۳۷

❷ تفسیر مظہری: قاضی ثناء اللہ پانی پتی' کوئٹہ' بلوچستان بک ڈپو' ۱۳۰۶ھ ص ۱۵۳ ج ۳ سورۃ النساء آیت نمبر ۶۴

نبی کریم ﷺ کے منصب قضاء سنبھالتے اور تائید الٰہی آ جانے کے بعد زمانہ جاہلیت کا وہ رواج ختم ہو گیا کہ ایک قاضی یا حکم کا فیصلہ منظور نہ ہو تو دوسرے اور تیسرے کے پاس جا کر مقدمہ پیش کیا جائے اور جب تک من مرضی کا فیصلہ نہ ہو حکم بنانے اور حکم نہ ماننے کا سلسلہ جاری رہے' چنانچہ اسلامی ریاست کے قیام کے ساتھ ہی ریاست کے باشندوں پر لازمی قرار دیا گیا کہ وہ اپنے تنازعات کا فیصلہ بارگاہ نبوی سے کرائیں اور پھر جو فیصلہ اس عدالت عظمیٰ سے صادر ہو اس کے سامنے سر تسلیم خم کریں۔

نبی اکرم ﷺ نے بامر الٰہی نظام حدود کو جاری فرمایا اور اپنی زندگی میں جرائم حدود سے متعلق کئی فیصلے فرمائے اور مجرمین پر شرعی حدود نافذ کروائیں' ذیل میں آپ ﷺ کے دور میں نفاذ حدود سے متعلق بعض نظائر پیش کئے جاتے ہیں:

نفاذ حد زنا

مؤطا امام مالک میں زانی محصن کو عہدِ رسالت میں رجم کرنے کے سلسلہ میں ایک روایت اس طرح ہے:

".....عن یحی بن سعید عن سعید بن المسیب' ان رجلا من اسلم جاء الی ابی بکر الصدیق فقال له ان الآخر قدزنی فقال له ابو بکر هل ذکرت ذلك لاحد غیری؟ فقال لا' قال له ابوبکر' فتب الی اللّٰه واستتر بستر اللّٰه علیك' فان اللّٰه یقبل التوبة عن عباده' فلم تقرره نفسه حتی جاء الی عمر بن الخطاب فقال له مثل ما قال لابی بکر' فقال له عمر مثل ماقال له ابوبکر فلم تقرره نفسه حتی اتی الی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فقال له' ان الآخر زنی' قال سعید فاعرض عنه رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم حتی اذا اکثر علیه' بعث رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم الی اهله' اجنة یشتکی ابه جنون؟ فقالوا یارسول اللّٰه (صلی اللّٰه علیه وسلم) انه لصحیح' فقال له رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم ابکرام ثیب؟ فقال بل ثیب یارسول اللّٰه صلی اللّٰه علیك وسلم' فامر به رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فرجم.....[1]

[1] موطاء امام مالک: امام مالک' لاہور' اسلامی اکادمی' ۱۴۰۲ھ' ص ۱۶۵ ج ۲ کتاب الحدود باب فی الرجم

(حضرت سعید بن مسیبؒ سے مروی ہے کہ اسلم قبیلہ کا ایک شخص حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ میں نے زنا کیا ہے' آپ نے پوچھا کیا تو نے اس کا ذکر میرے علاوہ کسی اور سے بھی کیا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں' آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ اور اس واقعہ کا کسی اور سے ذکر نہ کرنا' یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتے ہیں' مگر اسے پکڑ کر اس شخص کو اس کے دل نے چین سے نہ بیٹھنے دیا' وہ حضرت عمر ﷺ کے پاس آیا اور ان سے بھی وہی کچھ کہا جس کا ذکر وہ حضرت ابوبکر سے کر چکا تھا' حضرت فاروق اعظم نے بھی حضرت صدیق کی طرح مشورہ دیا لیکن وہ شخص پھر بھی مطمئن نہ ہوا' بالآخر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے بتایا کہ میں نے زنا کیا ہے' حضرت سعید فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص سے تین بار رخ انور پھیر لیا لیکن وہ وہی بات دھراتا رہا تا آنکہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو اس کے گھر بھیجا تا کہ معلوم ہو سکے کہ وہ کہیں کسی مرض یا جنون میں مبتلا تو نہیں' گھر والوں نے کہا کہ وہ تو بالکل صحتمند ہے' پھر نبی ﷺ نے اس سے پوچھا کہ تو شادی شدہ ہے یا کنوارا؟ اس نے کہا کہ وہ شادی شدہ ہے پھر آپ نے اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا)

صحیح بخاری میں زانی محصن کو رجم کی سزا دیئے جانے کا یہی واقعہ یوں مذکور ہے:

"عن ابی سلمة عن جابر رضی اللّٰہ عنه' ان رجلاً من اسلم جاء الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فاعترف بالزنا' فاعرض عنه النبی حتی شهد علی نفسه اربع مرات' فقال له النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم أبك جنون؟ قال لا' قال احصنت' قال نعم' فامربه فرجم فی المصلی' فلما اذلقته الحجارة فر فادرك فرجم حتی مات' فقال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم خیراو صلی علیه۔ ولم یقل یونس ولا ابن جریج عن الزهری' وصلی علیه۔ ❶

(صحیح بخاری میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ اسلم قبیلہ کا ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے اعتراف زنا کر لیا تو آپ نے پوچھا ابک جنون؟ کیا تجھے جنون کا مرض لاحق ہے' اس نے عرض کیا نہیں' آپ نے پھر سوال کیا کہ تو شادی شدہ ہے؟ اس نے کہا ہاں' جب یہ تمام مراحل طے ہو چکے تو آپ نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا' جب اس پر پتھروں کی بارش ہوئی تو وہ بھاگ کھڑا ہوا' مگر اسے پکڑ کر اس پر مسلسل پتھر برسائے گئے

❶ الصحیح البخاری: امام بخاری' محولہ سابقہ کتاب الحدود باب الرجم بالمصلی

یہاں تک کہ وہ مر گیا۔

اس موقع پر نبی ﷺ نے اس کے حق میں کلمہ خیر کہا اور اس کی نماز جنازہ پڑھائی' ابن جریج اور یونس نے جو روایت امام زہری سے بیان کی ہے اس میں نماز جنازہ کا ذکر نہیں کیا۔)

جبکہ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ:

"فلبثوا یومین او ثلاثة ثم جاء رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم والناس جلوس فقال' استغفروا لماعز بن مالك' فقالوا: غفر اللّٰہ لماعز ابن مالك قال فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم لقد تاب توبة لوقسمت بین امة لوسعتهم' وفی مصنف ابی داؤد: والذی نفسی بیده انه الآن لفی انهار الجنة ینغمس فیها۔ ❶

(اس واقعہ کے دو تین دن بعد لوگ ایک جگہ جمع تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ نے فرمایا کہ ماعز بن مالک کے لئے بخشش کی دعا کرو' صحابۂ کرامؓ نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ماعز بن مالکؓ کی مغفرت فرمائے' آپؐ نے فرمایا کہ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اسے ایک جماعت پر تقسیم کر دیا جائے تو یہ اس کے لئے کافی ہوگی۔ سنن ابی داؤد میں ہے کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اس وقت وہ جنت کی نہروں میں غوطہ زن ہے)

۲۔ مؤطا امام مالک میں ایک زانیہ کو حد لگائے جانے کا واقعہ اس طرح مذکور ہے:

".....عن یعقوب بن زید بن طلحة عن ابیه زید بن طلحة عن ابی عبداللّٰہ بن ابی ملیکة انه اخبره' ان امراۃ جائت الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فاخبرته انها زنت وهی حامل' فقال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم اذهبی حتی تضعیه' فلما وضعته جائت فقال لها رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم اذهبی حتی ترضعیه' فلما ارضعته جاء تغ فقال اذهبی فاستودعیه ثم قال فاستودعته ثم جائت فامر بها فرجمت" ❷

(یعقوب بن زید بن طلحہ کی روایت ہے کہ ان کے والد زید بن طلحہ نے عبداللہ بن ابی

---

❶ صحیح مسلم: امام مسلم' محولہ سابقہ' کتاب نمبر ۲۹ حدیث ۲۴

❷ موطاء امام مالک: محولہ سابقہ' ص ۱۶۶ ج ۳ باب ماجاء فی الرجم کتاب الحدود

ملیکہ سے روایت کی کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ وہ زنا سے حاملہ ہے' آپ نے فرمایا کہ بچے کی ولادت کے بعد آنا' چنانچہ وضع حمل کے بعد وہ پھر آئی' حضور نے ارشاد فرمایا کہ ''جاؤ'' اسے دودھ پلاؤ اور مدت رضاعت پوری ہونے کے بعد آنا' تیسری بار وہ آئی تو آپ نے فرمایا کہ یہ بچہ کسی کی کفالت میں دینا ضروری ہے' جب وہ بچے کو کسی کے سپرد کر کے آئی تو آپ نے رجم کا حکم دیا اور اسے رجم کیا گیا۔)

صحیح مسلم کی روایت میں مندرجہ ذیل کلمات کے اضافہ کے ساتھ مذکورہ بالا روایت میں مذکور ہے:

".....فامر رسول الله صلى الله عليه وسلم فحفر لها حفرة الى صدرها' ثم رجمت وصلى عليها فقال له عمر' تصلى عليها يارسول الله وقدزنت' قال لقد تابت توبة لو قسمت بين سبعين من اهل المدينة لوسعتهم' وهل افضل من ان جاء ت بنفسهالله" ❶

(یعنی نبی اکرم ﷺ کے حکم سے اس کے لئے سینے تک گڑھا کھودا گیا' اس کے بعد اسے رجم کیا گیا' آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا' کہ آپ ایک زانیہ کی نماز جنازہ پڑھا رہے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس نے ایسی سچی توبہ کی ہے کہ اگر اسے مدینہ کے ستر افراد پر تقسیم کر دیا جائے تو ان کی بخشش کے لئے کافی ہو' اس سے بہتر توبہ کیا ہو سکتی ہے کہ اس نے اپنے آپ کو خدائے بزرگ و برتر کے حوالہ کر دیا۔)

یہ روایت متعدد طرق سے مرسلاً مروی ہے' محدثین کرام کے ہاں یہی مشہور ہے' ابو داؤد میں روایت عمران بن حصین میں ہے کہ یہ عورت جہینہ قبیلہ سے ہے' صحیح مسلم کے مطابق یہ غامدیہ قبیلہ سے تھی جو جہینہ قبیلہ کی ایک شاخ کا نام ہے۔

❶ صحیح مسلم: ص ۳۲۳ ج ۳ کتاب الحدود باب من اعترف علی نفسہ بالزنا

نسائی کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ خود بھی اس عورت کے رجم کئے جانے کے وقت حاضر تھے آپ نے چنے کے دانے کے برابر ایک کنکر اس پر پھینکا پھر فرمایا ارموا وایاکم وجھھا' اس وقت حضور اپنے خچر پر سوار تھے' نسائی کی روایت کے الفاظ یوں ہیں:

"..... وحضر رسول اللّٰہ ﷺ رجمھا ورماھا بحجر قدر الحمصة وھو راکب علی بغلته فقال ارموا وایاکم وجھھا....." ❶

(جناب رسول اللہ ﷺ خود بھی رجم کے وقت موجود تھے اور آپ نے بھی پتھر سے اسے مارا جو کہ چنے کے دانے کے برابر تھا' آپ اس وقت خچر پر سوار تھے اور آپ نے فرمایا خبردار اس کے چہرہ کو بچا کر مارنا)

سنن ابی داؤد میں زکریا بن سلیم کی سند کے ساتھ مروی ہے جس میں یہ زائد عبارت موجود ہے کہ آپ نے اسے چنے کے دانے کے برابر کنکری ماری اور فرمایا اسے پتھر مارو لیکن چہرے سے احتراز کرنا' پھر جب اس کا جسم ٹھنڈا ہو گیا تو اسے نکال کر آپ نے نماز جنازہ پڑھائی ❷

۳۔ مؤطا امام مالک میں ایک یہودی جوڑے کو رجم کرنے کا واقعہ اس طرح ہے:

"عن نافع عن ابن عمر انه قال' ان الیھود جاؤا الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فذکروا ان رجلاً منھم وأمراة قدزنیا فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ماتجدون فی التوراة فی شأن الرجم فقالوا' نفضحھم ویجلدون' فقال عبداللّٰہ بن سلام کذبتم' ان فیھا آیة الرجم' فأتوا بالتوراة فنشروھا' فوضع احدھم یده علی آیة الرجم ثم قرأ ماقبلھا وما بعدھا' فقال له عبداللّٰہ بن سلام' ارفع یدك' فرفع یده فاذا فیھا آیة الرجم' فامر بھما رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فرجما فقال عبداللّٰہ بن عمر' فرأیت الرجل یحنی علی المرأة یقیھا الحجارة'

قال مالك معنی یحنی ظھره یکب علیھا حتی تقع الحجارة علیه۔" ❸

(نافع عبداللہ بن عمرؓ سے بیان کرتے ہیں کہ چند یہودی نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ ان کے ہاں ایک مرد اور عورت نے زنا کیا ہے' آپ نے پوچھا تورات میں

---

❶ سنن النسائی: امام نسائی' محولہ سابقہ' ص ۶۳ ج ۴ کتاب الجنائز باب الصلوٰۃ علی المرجوم۔

❷ سنن ابی داؤد: امام ابو داؤد' ص ۱۵۲ ج ۴ ❸ موطاء امام مالک: محولہ سابقہ' ص ۱۶۵ ج ۴ باب ماجاء فی الرجم

زنا کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم ان کو ذلیل و رسوا کرتے اور کوڑے لگاتے ہیں۔
اس وقت حضرت عبداللہ بن سلام وہاں موجود تھے' انہوں نے کہا تم جھوٹ بول رہے ہو' تورات میں تو زنا کی سزا رجم ہے۔

یہودی تورات لائے اور متعلقہ حصہ پڑھنا شروع کیا لیکن ایک شخص نے آیت رجم پر ہاتھ رکھ دیا' حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا کہ اپنا ہاتھ اٹھاؤ' اس نے ہاتھ اٹھایا تو وہاں آیت رجم موجود تھی' اس کے بعد انہوں نے تسلیم کیا کہ زانی کی سزا رجم ہے' چنانچہ اس یہودی جوڑے کو آپ کے حکم سے رجم کیا گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ مرد اس عورت پر جھک کر اسے پتھروں سے بچانے کی کوشش کرتا تھا' امام مالک کا قول ہے یحنی علیھا' یعنی مرد عورت پر جھکتا تھا تاکہ وہ پتھروں سے محفوظ رہے)۔

سنن ابوداؤد میں بھی یہی روایت قدرے اختلاف کے ساتھ یوں بیان ہوئی ہے:

".....عن جابر بن عبداللّٰہ قال: جائت یھود برجل وامرأة منھم زنیا فقال ایتونی باعلم الرجلین منکم' فاتوہ بابنی صوریا' فناشدھما اللّٰہ کیف تجدان امرھٰذین فی التوراة فقالا نجد فی التوراة انه اذا اشھداربعة انھم راواذکرہ فی فرجھا مثل المیل فی المکحلة رجما' قال فما یمنعکما ان ترجموھا' قالا ذھب سلطاننا فکرھنا القتل' فدعا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم بالشھود فجاء اربعة منھم وفی روایة اخری قال للیھود ایتونی باربعة منکم۔ ویقال ان مجاھدا غیر مقبول الحدیث' وانما رجمھما النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم بغیر شھادة الیھود اما بوحی او بشھادة مسلمین او باقرارھما....." ❶

حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ چند یہودی ایک زانی مرد اور عورت کو لیکر آپ کے پاس آئے' آپ نے فرمایا تم اپنے دو سب سے بڑے عالم میرے پاس لاؤ' چنانچہ وہ صوریا کے دو بیٹے حضور کے پاس لائے' آپ نے انہیں قسم دے کر پوچھا کہ تورات میں زنا کی سزا کیا ہے' انہوں نے کہا کہ تورات میں یہ حکم ہے کہ اگر چار آدمی زنا کے وقوع پذیر ہونے کی شہادت اس طرح دیں کہ ہم نے مرد کا آلہ تناسل عورت کی شرمگاہ

❶ سنن ابوداؤد: ص ۱۵۶ ج ۳ باب رجم الیھودیین' کتاب الحدود

میں اس طرح دیکھا ہے جس طرح سرمہ دانی میں سلائی ہوتی ہے تو دونوں کو رجم کیا جائے گا۔

آپ نے ان سے پوچھا کہ پھر تم انہیں رجم کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے کہا ہمارا اقتدار ختم ہو گیا اور ہم قتل کو ناپسند کرنے لگے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہ طلب کئے' چار گواہ آئے اور انہوں نے گواہی دی تو حضور نے رجم کا حکم دیا۔

(اور کہا جاتا ہے کہ مجاہد غیر مقبول الحدیث ہیں' نبی اکرم ﷺ نے اس جوڑے کو یہود کی شہادت کے بغیر رجم کیا تھا یا تو وحی کی بناء پر یا دو مسلمانوں کی گواہی کی بناء پر یا ان دونوں ملزموں کے اقرار جرم کی بناء پر)

۴۔ موطا امام مالک میں ایک زانی وزانیہ کو حد لگائے جانے کا ذکر اس طرح ہے:

O<.....عن ابی هريرة و زيد بن خالدالجهنی انهما اخبراه ان رجلين اختصماالی رسول الله صلی الله عليه وسلم' فقال احدهما يارسول الله فاقض بيننا بكتاب الله' وقال الآخر وهو افقههما' اجل يارسول الله فاقض بيننا بكتاب الله واذن لی فی ان اتكلم' قال تكلم' قال ان ابنی كان عسيفاً علی هٰذا فزنی بامراته' فاخبرنی ان علی ابنی الرجم' فافتديت منه بمائة شاة وجارية لی ثم انی سالت اهل العلم فاخبرونی ان ماعلی ابنی' جلد مائة و تغريب سنة' وانما الرجم علی امراته فقال رسول الله صلی الله عليه وسلم والذی نفسی بيده لاقضين بينكما بكتاب الله عزوجل' اماغنمك وجاريتك فرد عليك' وجلدابنه مائة' وغربه عاما' وامرانيساالاسلمی ان ياتی امراة الآخر فان اعترفت رجمها فاعترفت فرجمها.....“ ❶

(ابوہریرۃ اور زید بن خالد الجہنی سے روایت ہے' کہ دو آدمی اپنا جھگڑا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے' ایک نے کہا اے خدا کے رسولؐ ہمارے مابین کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کیجئے' دوسرے نے جو زیادہ سمجھدار تھا کہا' ہاں یارسول اللہ کتاب اللہ کے مطابق ہمارے درمیان فیصلہ فرمایئے اور مجھے اصل واقعہ پیش کرنے کی اجازت دیجئے' نبی اکرم ﷺ نے اس شخص سے فرمایا کہ بات کرو' اس نے عرض کیا کہ میرا بیٹا اس شخص کے ہاں

❶ موطاء امام مالک: ص ۱۶۷ ج ۲

ملازم تھا اس نے اس کی بیوی سے زنا کیا' اس شخص نے مجھے کہا کہ میرے بیٹے کو رجم کیا جائے گا' میں نے بطور فدیہ سو بکریاں اور ایک لونڈی پیش کی' لیکن میں نے اہل علم سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ تیرے بیٹے کو ایک سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی کی سزا ملے گی اور عورت کو رجم کیا جائے گا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا' خدا کی قسم میں تمہارے درمیان اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کروں گا' سنو! تیری لونڈی اور بکریاں تجھے واپس کی جائیں گی اور تیرے بیٹے کو سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی کی سزا ہوگی' آپ نے انیس اسلمی کو دوسرے شخص کی بیوی کے پاس بھیجا کہ اگر وہ اعتراف جرم کرلے تو اسے رجم کیا جائے' چنانچہ اس کے اعتراف پر اسے رجم کیا گیا۔)

۵۔ موطا امام مالک ہی میں ایک روایت ایک زانی کو کوڑوں کے سزا دیئے جانے کے بارے میں اس طرح ہے:

".....عن زید بن اسلم ان رجلاً اعترف علی نفسه بالزنا علی عهدرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم' فدعا رسول اللّٰه بسوط فاتی بسوط مکسور' فقال: فوق هٰذا فاتی بسوط جدید لم تقطع ثمرته فقال: دون هٰذا' فاتی بسوط قدر کب به ولان فامر به رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم' فجلد ثم قال: ایها الناس قد آن لکم ان تنتهوا عن حدود اللّٰه من اصاب من هذه القاذورات شیئاً فلیستتر بستر اللّٰه' فانه من تبدلنا صفحته نقم علیه کتاب اللّٰه....." [1]

(زید بن اسلمؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مبارک دور میں ایک شخص نے زنا کا اعتراف کیا' آپ نے اس کے لئے کوڑا منگوایا' چنانچہ ایک ٹوٹا ہوا کوڑا آپ کو پیش کیا گیا' آپ نے فرمایا اس سے مضبوط لاؤ' اس وقت بالکل ایک نیا کوڑا لایا گیا جس کی اطراف ابھی تک گھسی نہیں تھیں' حضورؐ نے فرمایا اس سے کم تر درجہ کا کوڑا لے کر آؤ' پھر ایک ایسا کوڑا لایا گیا جس میں پیوند لگے ہوئے تھے اور وہ نرم تھا' تب اس شخص کو آپ کے حکم سے کوڑے لگائے گئے' اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! وقت آ گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی حدود سے باز رہو' اگر کوئی شخص اس گندگی میں ملوث ہوجائے تو وہ

[1] ایضاً: حوالہ بالا' ص ۱۶۹ ج ۲

اپنی اس برائی کی پردہ پوشی کرے کہ اللہ نے اس کی پردہ پوشی کی' اور جو شخص اپنے آپ کو ہمارے حوالے کردے گا اسے اللہ کی کتاب کے مطابق سزا دی جائے گی)

۶۔ سنن بیہقی اور دار قطنی کی ایک روایت زانی کو کوڑے لگانے کی اس طرح ہے:

".....عن سهل بن سعد رضی اللّٰه عنه ان ولیدة فی عهدالنبی صلی اللّٰه علیه وسلم حملت من الزنا فسئلت من احبلك قالت احبلنی المقعد فسئل عن ذٰلك فاعترف فقال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم انه لضعیف عن الجلد فامر بمائة عثكول فضربه بهاو احدة قال علی كذا قال و الصواب عن ابی حازم عن ابی امامة بن سهل بن حنیف عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم....." ❶

(سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایک لونڈی زنا سے حاملہ ہوگئی' اس سے پوچھا گیا کہ کس نے تمہیں حاملہ کیا؟ اس نے کہا کہ ایک معذور شخص نے' اس معذور شخص سے پوچھا گیا تو اس نے اعتراف جرم کرلیا' حضورؐ نے فرمایا کہ وہ تو اتنا کمزور ہے کہ کوڑوں کا متحمل نہیں ہوسکتا' پھر آپ نے اسے کھجور کے ایسے گچھے سے مارنے کا حکم دیا جس میں تقریباً سو شاخیں ہوں۔)

نفاذ حد قذف

سنن نسائی میں حد قذف نافذ کئے جانے کا ذکر ملتا ہے' روایت حسب ذیل ہے:

".....عن عائشة رضی اللّٰه عنها قالت' لمانزل عذری قام النبی صلی اللّٰه علیه وسلم علی المنبر فذكر ذٰلك' و تلاماانزل اللّٰه' فلما نزل من المنبر امر بالرجلین و المرأة فضربوا احدهم....." ❷

(ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب میری برات نازل ہوئی تو نبی ﷺ منبر پر چڑھے اور آپ نے متعلقہ آیات کی تلاوت کی' پھر آپ منبر سے اترے اور دو مردوں اور ایک عورت کو قذف کی سزا کا حکم دیا' چنانچہ ان پر حد لگائی گئی۔)

نفاذ حد سرقہ

❶ السنن الکبریٰ للبیہقی: ص ۲۳ ج ۸ کتاب الحدود ❷ سنن النسائی: حوالہ بالا

اسلام میں سب سے پہلے جس شخص پر حد سرقہ جاری کی گئی وہ خیار بن عدی بن نوفل بن عبدمناف ہے' اور عورتوں میں جس پر حد جاری ہوئی وہ بنومخزوم کی ایک عورت مرۃ بنت سفیان بن عبدالاسد ہے۔

قرطبی کہتے ہیں:

".....روی ان اول سارق قطعه رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی الاسلام من الرجال' الخیار بن عدی بن نوفل بن عبدمناف' ومن النساء مرة بنت سفیان بن عبدالاسد من بنی مخزوم۔" ❶

".....عن نافع عن ابن عمران رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قطع فی مجن قیمته ثلاثة دراهم....." ❷

(نافع نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک ڈھال کی چوری کی سزا میں جس کی قیمت تین درہم تھی' ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔)

۲۔ موطا امام مالکؒ میں نفاذ حد سرقہ کے سلسلہ میں ایک نظیر اس طرح ملتی ہے:

"عن عبداللّٰه بن صفوان ان صفوان ابن امیة قیل له' من لم یهاجر هلك' فقدم صفوان بن امیة المدینة فنام فی المسجد' وتوسد ردائه' فجاء سارق فاخذ رداه' فاخذ صفوان السارق فجاء به الی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فامربه رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ان تقطع یده' فقال صفوان انی لم اردهٰذا یارسول اللّٰه صلی اللّٰه علیك وسلم هو علیه صدقة' فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: فهلا قبل ان تأتینی به....." ❸

(عبداللہ بن صفوان بیان کرتے ہیں کہ صفوان بن امیہ کو حضور کے اس ارشاد کا علم ہوا کہ جس نے ہجرت نہ کی وہ ہلاک ہوا' تو وہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے اور اپنی چادر سر کے نیچے رکھ کر مسجد میں سو گئے' اسی اثناء میں ایک چور مسجد میں داخل ہوا اور اس نے چادر اپنے قبضہ میں لے لی۔ حضرت صفوان نے اسے پکڑ لیا اور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں لے آئے' حضور نے پورا واقعہ سننے کے بعد اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا' صفوان نے کہا یارسول اللہ (ﷺ) میرا ہرگز یہ ارادہ نہ تھا' میں اسے صدقہ کرتا ہوں' آپ نے فرمایا میرے

❶ قرطبی: ص۱۶۰ ج۶ ❷ موطاء امام مالک: ص۱۷۴ ج۲ ❸ ایضاً: حوالہ بالا

پاس آنے سے قبل تم نے اسے کیوں صدقہ نہ کر دیا۔)

۳۔ بخاری و مسلم میں حد سرقہ کے سلسلہ میں ایک روایت حسب ذیل ہے:

".....عن عائشة زوج النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم' ان قریشاً اهمهم شان المراء ة التی سرقت فی عهدالنبی صلی اللّٰہ علیه وسلم' فی غزوة الفتح فقالو امن یکلم فیها رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم؟ فقالوا ومن یجتری علیه الا اسامة بن زید حب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فانی بها رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ فکلمه فیها اسامة بن زید فتلون وجه رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فقال: اتشفع فی حد من حدود اللّٰہ؟ فقال له اسامة استغفرلی یارسول اللّٰہ فلما کان العشی قام رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فاختطب فاثنی علی اللّٰہ بما هواهله ثم قال: امابعد: فانما اهلك الذین من قبلکم انهم کانوا اذا سرق فیهم الشریف ترکوه واذا سرق فیهم الضعیف اقاموا علیه الحد' وانی والذی نفسی بیده لوان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدها' ثم امر بتلك المرأة التی سرقت فقطعت یدها....."[1]

(بنومخزوم کی ایک خاتون کے معاملہ نے سنگینی اختیار کر لی جس نے چوری کا ارتکاب کیا تھا' اس پر قریش پریشان ہوئے اور باہم مشورہ سے حضرت اسامہ کو نبی اکرم ﷺ کے پاس بھیجنے کا فیصلہ کیا کیونکہ حضور کو ان سے بڑی محبت تھی اور وہی اسطرح کی بات کرنے کی جرأت کر سکتے تھے' چنانچہ اسامہ نے آپ سے بات کی' اس پر نبی ﷺ نے فرمایا کیا تو حدود اللہ کے بارے میں سفارش کرتا ہے' یہ سن کر حضرت اسامہ نے عرض کی یارسول اللہ میرے لئے اللہ سے مغفرت کی دعا کیجئے' عشاء کے وقت نبی ﷺ منبر پر چڑھے اور خطبہ ارشاد فرمایا' آپ نے اللہ تعالیٰ کی اس کی شان کے مطابق تعریف کی اور فرمایا:

امابعد: تم سے پہلے بہت سے لوگ محض اس وجہ سے ہلاک ہو چکے ہیں کہ جب ان میں سے کوئی بااثر آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیا جاتا' لیکن جب یہی جرم کمزوروں سے سرزد ہوتا تو ان پر حد قائم کی جاتی۔

[1] صحیح بخاری: کتاب الحدود' باب کراہیۃ الشفاعۃ فی الحدود اذا رفع الی السلطان

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو میں اسکا ہاتھ بھی کاٹ دیتا' اس کے بعد آپ نے حکم دیا اور اس مخزومی عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔)

۴۔ مصنف عبدالرزاق میں ایک غلام کو حد سرقہ لگائے جانے کا بیان اس طرح ہے:

".....عن ابن جریج قال اخبرنی عبدربه بن ابی امیة ان الحارث بن عبداللّٰه بن ابی ربیعة حدثه ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم اتی بعبد سرق فاتی به اربعة مرات فترکه' ثم اتی به الخامسة فقطع یده' ثم اتی به السادسة فقطع رجله' ثم اتی به السابعة فقطع یده' ثم الثامنة فقطع رجله....." ❶

(نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک غلام لایا گیا جس نے چوری کی تھی' وہ چار مرتبہ لایا گیا اور آپ نے ہر بار چھوڑ دیا' جب پانچویں بار اس جرم میں اسے پیش کیا گیا تو اس کا ایک ہاتھ کاٹ دیا گیا' چھٹی بار پھر اس نے چوری کی تو اس کا پاؤں کاٹ دیا گیا' ساتویں بار اس جرم کی پاداش میں اس کا دوسرا ہاتھ اور آٹھویں بار اس کا دوسرا پاؤں کاٹ دیا گیا۔)

۵۔ عادی چور کو سزا دیئے جانے کے بارے میں ایک روایت اس طرح ہے:

"ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم اتی بسارق فقال: اقتلوه قالوا یارسول اللّٰه (صلی اللّٰه علیه وسلم) انما سرق قال اقطعوه' ثم اتی به سارقاً فقال: اقتلوه فقالوا انما سرق یارسول اللّٰه' فقال اقطعوه حتی قطعت قوائمه الاربع' ثم اتی به ابوبکر وقد سرق بفیه فامربه ابوبکر فقتل....." ❷

(نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک چور لایا گیا' آپ نے فرمایا اسے قتل کردو' صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ اس نے صرف چوری کی ہے' تو آپ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا' اس کے بعد ایک اور چور چوری کے جرم میں آپ کی خدمت میں لایا گیا آپ نے فرمایا اسے قتل کردو' صحابہ نے وضاحت کی کہ اس نے صرف چوری کی ہے' آپ نے قطع ید کا حکم دیا' چنانچہ عادی چور ہونے کی بناء پر اس کے چاروں ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے گئے' اس کے بعد اس شخص نے اپنے منہ کے ذریعہ چوری کی اور پکڑا گیا' اسے حضرت ابوبکر کے

---

❶ مصنف عبدالرزاق: عبدالرزاق' ابوبکر ابن ہمام الصنعانی' کراچی' مجلس علمی' ۱۹۷۲ء ص ۱۸۸ ج ۱۰ حدیث ۱۸۷۷۳

❷ ابو داود: کتاب المراسیل' ص ۲۷

سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے اس کے قتل کا حکم دیا)

۶۔ دارقطنی میں ایک روایت بچے چرانے (اغوا کرنے والے) شخص پر حد جاری کرنے کے بارے میں یوں مذکور ہے:

".....عن عروة بن الزبير' ان مروان بن الحكم اذ كان عاملاً على المدينة اتى برجل يسرق الصبيان ثم يخرج بهم فيبيعهم فى ارض اخرى' فاستشار مروان فى امره فحدثه عروة بن الزبير عن عائشة رضى الله عنهما' ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اتى برجل يسرق الصبيان ثم يخرج بهم فيبيعهم فى ارض اخرى فامربه رسول الله صلى الله عليه وسلم فقطعت يده' فامر مروان بالذى يسرق الصبيان فقطعت يده....." ❶

(مروان بن حکم جب مدینہ کا گورنر تھا تو اس کے پاس ایک شخص لایا گیا جو بچوں کو اغواء کر کے انہیں کسی دور دراز علاقہ میں فروخت کرتا تھا' مروان نے ممتاز فقہاء اور علماء مدینہ سے مشورہ کیا تو حضرت عروہ بن زبیرؓ نے حضرت عائشہؓ کے حوالہ سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک شخص لایا گیا جو بچے اغوا کر کے کسی دور دراز مقام پر لے جا کر فروخت کیا کرتا تھا' آپ نے اس کا ہاتھ کاٹا' چنانچہ مروان نے بھی آپ کے فیصلے کی روشنی میں اس شخص کا ہاتھ کاٹ دیا)

نفاذ حد حرابہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ روایت سے عہدِ رسالت میں نفاذ حد حرابہ کا پتہ چلتا ہے' روایت کے الفاظ صحیح مسلم میں یوں ہیں:

".....عن انس بن مالك ان ناساً من عرينة قدموا على رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة فاجتووها فقال لهم رسول الله صلى الله عليه وسلم ان شئتم ان تخرجوا الى ابل الصدقة فتشربوا من البانها وابوالها ففعلوا فصحوا ثم مالوا على الرعاء فقتلوهم وارتدوا عن الاسلام وساقوا ذود رسول الله صلى الله عليه وسلم فبلغ ذلك النبى صلى الله عليه وسلم فبعث فى اثرهم فاتى بهم فقطع ايديهم وارجلهم وسمل اعينهم وتركهم فى الحرة حتى ماتوا....." ❷

(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرینہ کے کچھ لوگ نبی اکرم ﷺ کے

❶ دارقطنی: ابوالحسن علی بن عمر دھلی 'مطبعہ فاروقی' س۔ن ص ۳۷۳ ج ۲

❷ صحیح مسلم: کتاب القسامۃ والمحاربین' باب ۵۴۵ حدیث ۴۲۴۰

پاس آئے انہیں مدینہ کی آب وہوا راس نہ آئی رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو صدقہ کے اونٹوں کے باڑے میں جا رہو اور ان کا دودھ اور پیشاب پیو انہوں نے اسی طرح کیا اور تندرست ہو گئے پھر انہوں نے اونٹوں کے چرواہوں پر حملہ کر دیا اور ان کو قتل کر دیا اور دین اسلام سے مرتد ہو کر رسول اللہ ﷺ کے اونٹوں کو بھگا کر لے گئے نبی ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے ان کے تعاقب میں لوگوں کو بھیجا چنانچہ وہ پکڑ کر لائے گئے آپ نے ان کے ہاتھ اور پاؤں کٹوا دیئے اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروا دیں اور ان کو تپتے ہوئے میدان میں چھوڑ دیا یہاں تک کہ وہ مر گئے)

نفاذ حد شرب خمر

عہدِ رسالت میں مے نوشوں کو حد لگائے جانے کے واقعات ملتے ہیں ذیل میں چند واقعات بطور نظیر پیش کئے جاتے ہیں:

"....عن انس بن مالك ان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم اتی برجل قدشرب الخمر فجلده بجریدتین نحو اربعین قال و فعله ابوبکر فلما کان عمر استشار الناس فقال عبدالرحمٰن اخف الحدود ثمانین فامربه عمر....." ❶

۲۔ ایک اور روایت نفاذ حد شرب خمر کے سلسلہ میں یوں ہے

"....عن انس بن مالك ان نبی اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم جلد فی الخمر بالجرید والنعال ثم جلد ابوبکر اربعین فلما کان عمر و دنا الناس من الریف والقری قال ماترون فی جلدالخمر فقال عبدالرحمٰن بن عوف اری ان تجعلها کاخف الحدود قال فجلد عمر ثمانین....." ❷

۳۔ مصنف عبدالرزاق کی روایت کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے اسّی کوڑے حد شرب خمر جاری فرمائی۔

"....عن الحسن ان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ضرب فی الخمر ثمانین....." ❸

(حسن بصری روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے شراب نوشی پر اسّی کوڑے مارے)

---

❶ ایضاً: حوالہ بالا حدیث نمبر ۴۳۳۸ ❷ ایضاً: حوالہ بالا حدیث ۴۳۴۰ ❸ مصنف عبدالرزاق: محولہ بالا

۴۔ کتاب الاثار میں امام محمد نے ایک شرابی کو حد شرب خمر لگائے جانے کا واقعہ یوں لکھا ہے

".....عن عبدالكريم بن ابى المخارق يرفع الحديث الى النبى صلى الله عليه وسلم انه اتى بسكران فامرهم ان يضربوه بنعالهم وهم يومئذ اربعون رجلاً فضرب كل احد بنعليه....." ❶

(عبدالکریم بن ابی المخارق بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک مخمور شخص لایا گیا' آپ نے صحابہ کو حکم دیا کہ اسے جوتوں سے ماریں' اس وقت وہ چالیس تھے' ہر شخص نے اس مخمور کو دو دو جوتے مارے)

۴۔ امام بخاری نے ایک روایت نفاذ حد شرب خمر سے متعلق یوں بیان کی ہے

".....عن عبدالله بن ابى مليكة عن عقبة الحارث ان النبى صلى الله عليه وسلم اتى بنعيمان او بابن نعيمان وهو سكران فشق عليه وامر من فى البيت ان يضربوه فضربوه بالجريدو النعال و كنت فيمن ضربه" ❷

(عبداللہ بن ابی ملیکہ نے عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں نعیمان یا نعیمان کے بیٹے کو نشہ کی حالت میں لایا گیا' یہ بات آپ پر گراں گزری اور جو لوگ اس وقت گھر میں تھے انہیں آپ نے حکم فرمایا کہ اسے ماریں' چنانچہ لوگوں نے اسے چھڑیوں سے اور جوتوں سے مارا' اور میں بھی مارنے والوں میں شامل تھا۔)

۵۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بخاری کی ایک روایت نفاذ حد شرب خمر کے بارے میں یوں ہے

".....عن ابى هريرة رضى الله عنه اتى النبى صلى الله عليه وسلم برجل قدشرب قال اضربوه' قال ابو هريرة رضى الله عنه فمنا الضارب بيده والضارب بنعله والضارب بثوبه' فلما انصرف قال بعض القوم: اخزاك الله' قال لاتقولوا هكذا لاتعينوا عليه الشيطان....." ❸

(حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیکہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص کو لایا گیا

---

❶ کتاب الآثار: امام محمد بن حسن الشیبانی' کراچی' ادارۃ القرآن' س۔ن' ص ۱۳۷

❷ صحیح البخاری: کتاب الحدود باب ۹۵۲ حدیث ۱۶۷۹ ❸ ایضاً: حوالہ بالا' حدیث ۱۶۸۱

جس نے شراب پی تھی' آپ نے فرمایا کہ اس کی پٹائی کرو' حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی اسے اپنے ہاتھ سے مارتا تھا کوئی اپنے جوتے سے اور کوئی کپڑے سے اسے مارتا تھا۔ جب وہ واپس جانے لگا تو کسی نے کہا اللہ نے تجھے ذلیل کیا' حضورؐ نے فرمایا کہ ایسا نہ کہو اور اس پر شیطان کی مدد نہ کرو۔)

۶۔ میخوار کو کوڑے لگانے کا ایک واقعہ صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ بن خطاب کے حوالہ سے یوں مروی ہے:

".....عن عمرؓ بن الخطاب رضی اللّٰہ عنه ان رجلاً علی عهدالنبی صلی اللّٰہ علیه وسلم کان اسمه عبداللہ و کان یلقب حمارا' و کان یُضحِك رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم' و کان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قدجلده فی الشراب' فاتی به یوماً فامربه فجلد فقال رجل من القوم: اللهم العنه مااکثر مایوتی به' فقال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم لا تلعنوه فواللّٰہ ماعلمت الاانه یحب اللّٰہ ورسوله....." ❶

(حضرت عمرؓ بن خطاب سے مروی ہے کہ ایک شخص کو نبی اکرم ﷺ کے دور میں آپ کے پاس لایا گیا جس کا نام عبداللہ اور لقب حمار تھا' یہ نبی ﷺ کو ہنسایا کرتا تھا' اسے حضور نے کوڑے لگوائے کیونکہ اس نے ایک روز شراب پی' چنانچہ آپ نے اسے کوڑے لگانے کا حکم دیا' جب کوڑے لگائے گئے تو ایک شخص نے کہا اے اللہ اس پر لعنت کیلئے کتنی دفعہ لایا گیا' مگر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اس پر لعنت نہ کرو۔ میں تو یہ جانتا ہوں کہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے۔)

مندرجہ بالا روایات سے عہد رسالت میں حد شرب خمر کے اجراء کا ثبوت ملتا ہے' رہا معاملہ مقدار حد شرب کا تو اس سلسلہ میں ۸۰ کوڑوں کے قول کو صحیح بخاری کی درج ذیل حدیث سے تقویت ملتی ہے:

".....عن السائب ابن یزید قال: کنانوتی بالشارب علی عهدرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وامارة ابی بکر فصدراً من خلافة عمر فنقوم الیه بایدینا ونعالنا وادیتنا حتی کان آخر امارة عمر فجلدار بعین حتی اذاعتوا وفسقوا جلد ثمانین....." ❷

---

❶ ایضاً: حوالہ بالا' حدیث ۱۶۸۴

❷ فتح الباری: حافظ ابن حجر عسقلانی' لاہور' دارنشر الکتب الاسلامیہ' ۱۴۰۱ھ ج ۱۲ حدیث ۶۷۷۹

(سائب بن یزید کہتے ہیں کہ ہمارے پاس نبی اکرمؐ کے زمانہ میں اور حضرت ابوبکر کی امارت کے دور میں اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے شروع کے زمانہ میں مے نوشوں کو لایا جاتا تو ہم انہیں اپنے جوتوں، چادروں اور ہاتھوں سے مارتے تھے، خلافت کے شروع کے زمانہ میں مے نوشوں کو لایا جاتا تو ہم انہیں اپنے جوتوں، چادروں اور ہاتھوں سے مارتے تھے، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کے خلافت کے آخری دور میں حضرت عمر چالیس کوڑے لگواتے پھر جب لوگ سرکش ہو گئے اور فسق پھیلانے لگے تو حضرت عمر نے اسّی کوڑے لگوائے۔) اور اسی پر اجماع صحابہ ہے۔

عہد رسالت کے قاضی

نبی اکرم ﷺ نے بعض صحابہ کو اقامت عدل کیلئے قاضی مقرر فرمایا آپ کے مقرر کردہ قضاۃ کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ
۲۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ
۳۔ حضرت العلاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ
۴۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ
۵۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ
۶۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ
۷۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ
۸۔ حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ
۹۔ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ
۱۰۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ
۱۱۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ
۱۲۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ
۱۳۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ
۱۴۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ [1]

---

[1] اقضیۃ الرسول: محمد ضیاء الرحمٰن اعظمی، لاہور، ادارۂ معارف اسلامی، ۱۹۷۸ء ص ۳۵، ۴۷

عہدِ خلافت راشدہ

ا۔عہدِ صدیقی (۱۱۔۱۳ھ)

نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور منصب قضاء بھی آپ کو منتقل ہوا' شروع شروع میں آپ خود قضایا سنتے اور ان کے فیصلے بھی فرماتے تھے' لیکن جب خلافت کی ذمہ داریوں میں جہاد' قتال مرتدین' فتنہ انکار نبوت یا جھوٹے مدعیان نبوت کے خلاف مہمات کی وجہ سے اضافہ ہوا تو آپ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو منصب قضاء پر مامور کیا❶

عہد خلافت راشدہ میں نفاذ حدود و نظام قضاء کے متعلق جناب محمد خضری بک لکھتے ہیں:

".....كان القضاء معتبراً من عمل الخليفة لان معناه فصل الخصومات والمنازعات على حسب القانون الشرعي الماخوذ من الكتاب والسنة فكان الخلفاء يباشرون هٰذا العمل بانفسهم ويستفتون في الحكم ان كانت هناك حاجة الى الاستفتاء' ولما كثرت المشاغل واتسعت الفتوح واضطر الخلفاء للاشتغال بالجيوش وتدبير هافوضوا هذا العمل الى من في مكنتهم الاستنباط....."❷

(یعنی: کار قضاء خلیفہ کی ذمہ داری تھی' چونکہ قضاء کا مطلب کتاب وسنت سے ماخوذ شرعی قوانین کی روشنی میں نزاعات کا فیصلہ کرنا ہے اس لئے خلفاء یہ کام خود انجام دیتے تھے اور اگر ضرورت محسوس کرتے تو اہل علم مفتیوں سے مشورہ لیتے تھے' لیکن جب خلفاء کی ذمہ داریاں بڑھ گئیں اور فتوحات زیادہ ہونے لگیں اور خلفاء کی توجہ عسکری معاملات کی طرف بڑھ گئی تو انہوں نے قضاء کا کام اس کے اہل لوگوں کے سپرد کر دیا)

نفاذ حدود کا کام چونکہ انتہائی ذمہ داری اور بے حد احتیاط سے کرنے کا تھا اس لئے خلفاء راشدین نے اسے عام قاضیوں کے دائرہ اختیار میں نہیں دیا بلکہ یا تو خود اس ذمہ داری کو نبھایا یا پھر انتہائی ذمہ دار اہل علم کو اس کے لئے مقرر کیا' محمد خضری بک کہتے ہیں:

".....ويظهر لنا ان قضاء القضاة في عهد الخلفاء الراشدين كان قاصراً على

---

❶ عبقریۃ الاسلام فی عہد الحکم: بحولہ سابقہ' ص ۳۴۱

❷ محاضرات فی تاریخ الامم الاسلامیہ: محمد الخضری بک' بیروت' لبنان دار المعرفہ ۱۳۷۶ھ ص ۱۳۲' ۱۳۳ ج ۲

فصل الخصومات المدنية' اما القصاص والحدود كانت ترجع الى الخلفاء و ولاة الامصار' لانا رأينا قضا يا حكم فيها الخلفاء بقتل قصاصاً او جلد بسكر ولم يبلغنا ان قاضياً ليس اميراً قضى بعقوبة منها او نفذها.....❶

خلفاء راشدین کے دور میں قاضیوں کا دائرہ قضاء صرف سول کیسز (Civil Cases) تک محدود تھا' قصاص و حدود کے معاملات خلفاء اور شہروں کے والی نمٹایا کرتے تھے' کیونکہ اس دور کے حدود و قصاص کے جن قضایا کے فیصلے ہم تک پہنچے ہیں وہ خلفاء یا امراء کے فیصل کردہ ہیں' جبکہ حدود و قصاص کا کوئی ایسا فیصلہ نہیں ملتا جو کسی ایسے قاضی کا صادر کردہ ہو جو امیر نہ ہو)

عہد خلافت راشدہ میں حدود سے متعلق فیصلوں کے ریکارڈ پر مشتمل کوئی تاریخی دستاویز دستیاب نہیں' کیونکہ اس دور میں فیصلوں کا باقاعدہ ریکارڈ مرتب کرنے کا رواج ابھی نہیں ہوا تھا' بلکہ فیصلے زبانی سنائے جاتے تھے اور جو حاکم فیصلہ کرتا تھا وہی اسے نافذ بھی کرتا تھا' غالباً اسی لئے تحریری فیصلوں کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔

محمد خضری بک کہتے ہیں:

".....وليس عندنا دليل على وجود سجلات يضبط فيها مايصدر من الاحكام ولا ان صور الاحكام كانت تعطى للمحكوم له' لان ذلك لم يكن مايدعوا اليه مادام التنفيذ فى يدالقاضى فهو الذى يقضى وهو الذى ينفذ الحكم....."❷

(اس بات کا ہمارے پاس کوئی (تاریخی) ثبوت نہیں کہ اس دور میں عدالتی فیصلے لکھنے کے لئے کوئی رجسٹر ہوتے تھے اور نہ ہی اس بات کا کوئی ثبوت ہے کہ محکوم لہ یا مدعی کو فیصلہ کی کوئی تحریر مہیا کی جاتی تھی' اور اس کی کوئی ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ قاضی ہی فیصلہ کرتے تھے اور وہی ان فیصلوں پر عمل درآمد بھی کراتے تھے)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جرائم حدود سے متعلق جو مقدمات پیش ہوئے اور جن

❶ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۱۳۵۲ ❷ ایضاً: حوالہ بالا' ۱۳۵۲

کے فیصلے آپ نے خود کئے ان میں سے بعض حسب ذیل ہیں:

۱۔ سنن بیہقی میں ہے کہ ایک غیر شادی شدہ شخص نے ایک عورت سے زنا کیا اور دونوں نے اس جرم کا اعتراف بھی کرلیا' چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں سو کوڑے لگوائے اور دونوں کا ایک دوسرے سے نکاح کرنے کے بعد دونوں کو ایک سال کے لئے جلاوطن کردیا۔ بیہقی کی روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

".....روینا عن ابی بکر الصدیق رضی اللّٰہ عنه فی رجل بکرافتض امرأة و اعترفا' فجلدهما مائة ثم زوج احدهما من الآخر مکانه و نفاهما سنة....." ❶

(یعنی: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک کنوارے مرد نے ایک عورت سے زنا کیا' اور زانی و زانیہ نے اعتراف زنا کرلیا' چنانچہ آپ نے ان دونوں کو سو سو کوڑے لگوائے اور پھر ان دونوں کا آپس میں نکاح کردیا اور ایک سال کے لئے جلا وطن کردیا')

۲۔ سنن بیہقی کی ایک اور روایت جسے علامہ جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں دارقطنی کے حوالہ سے بیان کیا ہے یوں ہے:

".....عن صفیة بنت ابی عبیدان رجلا اضاف رجلاً فافتض اخته فجاء اخوهاالی ابی بکرالصدیق رضی اللّٰہ عنه فذکر ذلك له فارسل الیه فاقربه فقال ابکرام ثیب؟ قال بکر' فجلده مائة و نفاه الی فدك قال ثم ان الرجل تزوج المرأة بعد قال قتل الرجل یوم الیمامة....." ❷

(صفیہ بنت ابی عبید سے مروی ہے کہ ایک شخص نے کسی شخص کی دعوت کی' مہمان نے میزبان کی بہن سے زنا کرڈالا' چنانچہ میزبان نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس کا ذکر کیا' آپ نے مہمان کو بلوا بھیجا' اور اس نے (دریافت کرنے پر) اقرار جرم کرلیا' آپ نے اس سے دریافت کیا کہ وہ کنوارا ہے یا شادی شدہ' اس نے کہا کنوارا' چنانچہ آپ نے اسے سو کوڑے لگوائے اور فدک کی طرف جلاوطن کردیا' پھر اس شخص نے اس عورت سے نکاح کرلیا' اور یہ شخص جنگ یمامہ کے روز مارا گیا۔)

---

❶ سنن بیہقی: ص ۱۵۵ ج ۷ ❷ تاریخ الخلفاء: ص ۱۰۱

۳۔ مؤطا امام محمد میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس نے کسی کنواری کنیز سے زنا کیا اور وہ حاملہ ہوگئی' پھر اس شخص نے اپنے زنا کا اعتراف کرلیا اور وہ محصن نہ تھا' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حکم دیا تو اسے کوڑے مارے گئے' پھر فدک کی طرف اسے جلاوطن کردیا گیا۔ روایت کے الفاظ یوں ہیں:

".....اخبرنا مالك اخبرنا نافع ان صفية بنت ابى عبيد حدثته عن ابى بكر الصديق رضى الله عنه أن رجلاً وقع على جارية بكر فاحملها ثم اعترف على نفسه انه زنى ولم يكن احصن فامربه ابوبكر الصديق فجلدالحدثم نفى الى فدك" ❶

۴۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ شرابی کو شراب پینے کے جرم میں چالیس کوڑے مارتے تھے اور وہ اس طرح کہ کچھ کوڑوں کی بجائے کپڑے کے کنارے کو گانٹھ دے کر مارتے اور کچھ کوڑے برساتے' نیز آپ نے شراب پینے پر چالیس جوتے مارے۔ ❷

شراب کی حد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہاتھ اور جوتے اور لکڑی سے مارنا تھی' مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں چالیس کوڑے مقرر ہوئی۔ ❸

۵۔ عبدالرحمٰن بن عامر بن ربیعہ راوی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حد قذف میں غلام کو صرف چالیس کوڑے مارا کرتے تھے ❹

۶۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور آپ کے بعد آنے والے خلفاء راشدین اس شخص کو کوڑے لگواتے تھے جس نے کسی مسلمان کی ماں پر زنا کی تہمت لگائی ہو' زانیہ کا بیٹا کہہ کر پکارا ہو' چاہے اس کی ماں خود یہودی ہو یا نصرانی مصنف میں حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

".....عن معمر عن الزهرى قال: كان ابوبكر ومن بعده من الخلفاء يجلدون من دعا ام رجل زانية' وان كانت يهودية او نصرانية لحرمة المسلم....." ❺

۷۔ دارقطنی نے بحوالہ انس رضی اللہ عنہ لکھا ہے کہ پانچ درہم کی ڈھال کی چوری پر حضرت ابوبکر

---

❶ موطاء امام محمد: محولہ سابقہ' ص ۳۷۳ ❷ مصنف عبدالرزاق: ۳۷۷ ج ۷
❸ النجم الثاقب فی اقضیۃ علی بن ابی طالب: محمد عبداللہ نورالدین' لاہور' جہانگیر بک ڈپو' ۱۳۶۰ھ ص ۱۸۲' ۱۸۳
❹ فقہ ابوبکر: محمد رواس قلعجی' لاہور' ادارہ معارف اسلامی' ۱۹۸۹ء ❺ مصنف عبدالرزاق: ص ۴۳۵ ج ۷

صدیق رضی اللہ عنہ نے چور کا ہاتھ کٹوا دیا❶ جبکہ سنن بیہقی میں حد سرقہ سے متعلق روایت اس طرح ہے:

".....عن انس بن مالك رضى الله عنه ان ابابكر رضى الله عنه قطع فى مجن ثمنه خمسة دراهم او اربعة دراهم....."❷

(انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چار یا پانچ درہم قیمت کی ڈھال چرانے پر ہاتھ کاٹنے کی سزا دی)

بیہقی ہی کی ایک روایت حمید الطویل سے یوں منقول ہے:

".....عن حميدالطويل قال سمعت قتادة يسأل انس بن مالك عن القطع فقال حضرت ابوبكرالصديق رضى الله عنه قطع سارقافى شئ مايساوى ثلاثة دراهم وما يسرنى انه لى بثلاثة دراهم....."❸

(حمید الطویل بیان کرتے ہیں کہ میں نے قتادۃ سے سنا وہ انس بن مالک سے قطع ید کی سزا کے بارے میں پوچھ رہے تھے (انس بن مالک نے) کہا میری موجودگی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک چور کو قطع ید کی سزا تین درہم کے مساوی کوئی چیز چرانے کے جرم میں دی، لیکن میں تو اس چیز کو تین درہم میں بھی نہ خریدوں)

۹۔ مؤطا امام محمد میں امام مالک سے ایک روایت عادی چور پر حد لگانے کے سلسلہ میں یوں ملتی ہے:

"اخبرنا مالك اخبرنا عبدالرحمٰن ابن القاسم عن ابيه ان رجلا من اهل يمن اقطع اليدوارجل قدم و نزل على ابى بكرالصديق و شكى اليه ان عامل اليمن ظلمه قال فكان يصلى من الليل فيقول ابوبكر وابيك ماليلك بليل سارق ثم افتقدوا حلياً لاسماء بنت عميس امراة ابى بكر فجعل الرجل يطوف معهم ويقول اللهم عليك بمن بيت اهل هذا البيت الصالح فوجدوه عند صائغ زعم ان الاقطع جاء ه' به فاعترف به الاقطع او شهد عليه فامر به ابوبكر فقطعت يده اليسرى قال ابوبكر والله لدعائه على نفسه اشد عندى عليه من سرقته"❹

❶ تاریخ الخلفاء: ص ۱۰۱ ❷ البیہقی: ص ۲۶۰ ج ۸ ❸ فقہ ابوبکر: محولہ بالا ص ۱۶۸ ❹ موطاء امام محمد: ص ۳۶۵

امام مالک نے ہمیں خبر دی ہم سے روایت کیا عبداللہ بن قاسم نے اپنے والد سے کہ ایک یمنی جس کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کٹا ہوا تھا مدینہ منورہ آیا اور اس نے حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کے پاس آ کر شکایت کی کہ عامل یمن نے اس کے ساتھ ظلم کیا ہے' راوی کا بیان ہے کہ وہ نماز تہجد پڑھا کرتا تھا' حضرت ابوبکر نے فرمایا تیرے باپ کی قسم' تیری رات چوروں کی رات نہیں' پھر حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کی اہلیہ اسماء بنت عمیس کا ایک ہار گم ہوگیا تو وہ (یمنی) شخص دیگر لوگوں کے ساتھ ہار تلاش کرتا پھرتا تھا اور کہتا تھا کہ اللہ اسے برباد کرے جس نے اس نیکوکار کے گھر میں چوری کی'

لوگوں نے وہ ہار ایک سنار کے ہاں پایا' اس نے بتایا کہ یہ ہار اسے اسی ہاتھ کٹے ہوئے شخص نے دیا ہے' اس نے اس کا اعتراف کرلیا' یا گواہی سے ثابت ہوگیا تو حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے حکم دیا اور اس کا بایاں ہاتھ کاٹ دیا گیا' حضرت ابوبکر ﷺ نے فرمایا' میرے نزدیک اس کی چوری سے زیادہ سخت بات اس کی اپنے حق میں بددعا ثابت ہوئی)

۱۰۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے ایک واقعہ ایک عادی چور کو حد لگائے جانے کا اس طرح بیان کیا ہے:

حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کے دربار خلافت میں ایک شخص چوری کے الزام میں لایا گیا جس کے ہاتھ اور پاؤں پہلے ہی کٹے ہوئے تھے' حضرت ابوبکر صدیق نے اس پانچویں بار چوری کرنے والے ملزم سے فرمایا: تم لوگوں کے قتل کرنے کا رسول اللہ ﷺ نے بہترین فیصلہ فرمایا ہے' اور میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتا' چنانچہ آپ نے اسے قتل کرادیا۔ ❶

۱۱۔ سیدنا صدیق اکبر ﷺ کے دور خلافت میں چوری کے عادی مجرم کو حد سرقہ لگائے جانے کا ایک اور واقعہ سنن بیہقی میں یوں مذکور ہے:

".....عن صفية بنت ابى عبيدان رجلاً سرق على عهدابى بكر رضى الله عنه مقطوعة يده و رجله فاراد ابوبكر رضى الله عنه ان يقطع رجله ويدع يده يستطيب لها ويتطهر بها و ينتفع بها' فقال عمر: لا والذى نفسى بيده لتقطعن يده الاخرى فامربه ابوبكر رضى الله عنه فقطعت يده....." ❷

❶ تاریخ الخلفاء: ص ۱۰۱ ❷ بیہقی: ص ۷۴ ج ۸

(صفیہ بنت ابی عبید کا بیان ہے کہ حضرت صدیق اکبر ﷺ کے عہد خلافت میں ایک ایسے چور نے چوری کی جس کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں پہلے ہی کٹا ہوا تھا' چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے اس کا دوسرا ہاتھ کاٹنے کی بجائے اس کا دوسرا پاؤں کاٹنے کا ارادہ کیا تا کہ وہ ایک ہاتھ سے طہارت کر سکے اور دیگر امور انجام دے سکے لیکن حضرت عمر ﷺ نے کہا: بخدا آپ اس کا دوسرا ہاتھ ہی کاٹیں گے' چنانچہ حضرت ابوبکر کو حکم دینا پڑا اور اس کا دوسرا ہاتھ کاٹا گیا۔)

سیدنا صدیق اکبر ﷺ کا دور خلافت بہت مختصر سا تھا' اس عرصہ میں جرائم کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی اور پھر جب آپ نے حضرت عمر ﷺ کو منصب قضاء سونپ دیا تو یہ تعداد کم ہو کر صفر رہ گئی' لوگ آپ کی سخت گیری اور حزم و تدبر سے واقف تھے' نتیجہ یہ ہوا کہ دو برس تک آپ کے پاس کوئی مدعی/ مدعا علیہ پیش نہیں ہو ❶

اسی حقیقت کو العجلانی نے یوں بیان کیا ہے:

".....یقول بعض المؤلفین ان ابابکر اول خلیفة فی الاسلام اتخذ قاضیاً' وان قاضیه کان عمر بن الخطاب' فجلس سنة او سنتین (للقضاء) لایاتیه احد....." ❷

(یعنی بعض مؤلفین کا کہنا ہے کہ ابوبکر ﷺ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے قاضی مقرر کیا اور ان کے دور کے قاضی عمر بن خطاب تھے' چنانچہ آپ ایک یا دو برس تک منصب قضاء پر مامور رہے مگر کوئی مقدمہ ان کے ہاں پیش نہیں ہوا۔)

روضۃ القضاۃ کے مؤلف نے بعض دیگر تاریخی شواہد کے حوالہ سے یہی بات یوں کہی ہے:

".....ومن ولاۃ ابوبکر رضی اللّٰہ عنه وقضاته عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنه' کان القاضی بالمدینة ینوب عنه وفی مختصر التاریخ لابن الکازرونی و قاضیه عمر بن الخطاب وقام سنة لم یختصم الیه احد' وفی تاریخ الرسل والملوك للطبری ج ۳ ص ٤٣٦ وقال عمر انا اکفیك القضاء فمکث عمر سنة لایاتیه رجلان....." ❸

---

❶ النظم الاسلامیۃ: حسن ابراہیم حسن' کراچی ''دارالاشاعت'' س۔ن' ص ۲۷۹ ❷ بقریۃ الاسلام فی عہد الحکم: ص ۳۴۱

❸ روضۃ القضاء وطریق النجاح: ابوالقاسم علی بن محمد بن احمد البرجی السمنانی' بیروت ''مؤسسۃ الرسالۃ'' س۔ن' ص ۱۴۷۴ ج ۴

(یعنی: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والیوں اور قاضیوں میں سے ایک عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں' جو مدینہ کے قاضی تھے اور قضاء میں حضرت ابوبکر کے نائب تھے' اور ابن کازرونی کی مختصر التاریخ میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قاضی عمر بن خطاب تھے جن کے پاس ایک سال تک کوئی مقدمہ پیش ہی نہیں ہوا' طبری کی تاریخ الرسل والملوک میں جلد سوم ص ۴۳۶ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود حضرت ابوبکر کو پیشکش کی کہ قضاء کے سلسلہ میں وہ معاونت کریں گے' چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک سال کے عرصہ میں دو شخص بھی مقدمہ لے کر نہیں آئے)

مذکورہ بالا آثار سے ظاہر ہے کہ عہد خلافت راشدہ کے آغاز میں نظام قضاء خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے براہ راست کنٹرول میں تھا۔ پھر آپ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو قاضی مقرر فرمایا اور اس عرصہ میں نفاذ حدود کا عمل جاری تھا۔

۲۔ عہدِ فاروقی (۱۳۔۲۳ھ)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دور خلافت اسلام کا سنہری دور ہے۔ عدل و انصاف کا مکمل نظام آپ ہی کے دور میں قائم ہوا' اور اس نظام عدل کی برکت سے اسلامی ریاست جرائم سے یوں پاک ہوگئی جیسے دھوبی کپڑے کو دھو کر پاک صاف کر دیتا ہے' ریاست میں عدل کی حکمرانی قائم کرنا آپ کی اولین ترجیحات میں شامل تھا' آپ کے دور کی وسیع و عریض اسلامی ریاست میں قیام عدل کے لئے ریاست کو انتظامی صوبوں میں تقسیم کیا گیا اور ہر صوبے میں ذی علم قضاۃ کا تقرر عمل میں آیا' اسلامی ریاست کے دارالخلافہ مدینہ منورہ میں خلیفہ ثانی اور امیر المومنین خود لوگوں کے قضایا سنتے اور جلیل القدر صحابہ کے مشورہ سے فیصلے صادر فرماتے تھے' پھر ایک وقت ایسا بھی آیا جب آپ نے عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کرنے کا فیصلہ کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) مقرر فرما کر نظام قضاء ان کے حوالہ کر دیا[1] علاوہ ازیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وقتاً فوقتاً اسلامی ریاست کے مختلف صوبوں میں مختلف صحابہ کو قاضی مقرر کیا' ان معروف قضاۃ میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ قاضی مدینہ' حضرت شریح بن الحارث الکندی قاضی کوفہ' حضرت ابو موسیٰ اشعری قاضی بصرہ' اور حضرت عثمان بن قیس بن ابی العاص قاضی مصر خاص طور سے قابل ذکر ہیں'

[1] عبقریۃ الاسلام فی عہد الحکم: محولہ سابقہ' ص ۳۴۱

ان کے علاوہ شام کے لئے الگ سے قاضی مقرر کیے ❶

جبکہ یزید بن اخت النمر اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں قضاء کی ذمہ داریاں سونپیں۔ ❷

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں جرائم حدود سے متعلق متعدد فیصلے کیے ہوں گے، مگر تاریخ کے اوراق ان تمام فیصلوں کو محفوظ نہیں رکھ سکے، اس کی ایک بڑی وجہ اس دور میں عدالتی ریکارڈ مرتب نہ کرنا بھی ہے ❸ تاہم تاریخ کے حوالہ سے جو کچھ ہم تک پہنچا ہے، اس میں بعض فیصلے بڑی اہم نوعیت کے ہیں جنہیں بطور اہم نظائر شامل بحث کیا جاتا ہے۔

اجراء حد زنا بعہد فاروقی

۱۔ سباع ابن ثابت سے مروی ہے کہ موہب بن رباح نے ایک عورت سے نکاح کرلیا، اس عورت کے پہلے شوہر سے ایک لڑکی تھی اور موہب کا پہلی بیوی سے ایک لڑکا تھا، موہب کے لڑکے نے اس لڑکی سے زنا کرلیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی تو آپ نے موہب کے بیٹے پر حد زنا جاری کی، اور لڑکی کی سزا وضع حمل تک موخر کردی اور بچہ کی پیدائش کے بعد اس پر حد جاری کی۔ روایت کے الفاظ ہیں:

".....ان وهب بن رباح تزوج امرأة وللمرأة ابنة من غير موهب، ولموهب ابن من غير امرأته، فاصاب ابن وهب ابنة المراة فرفع ذلك الى عمر بن الخطاب فحد عمر، ابن موهب واخر المرأة حتى وضعت، ثم حدها....." ❹

۲۔ مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ شام سے ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس نے آپ کو بتایا کہ اس نے اپنی بیوی کے ساتھ ایک شخص کو زنا کرتے ہوئے دیکھا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو واقد لیثی کو اس کی بیوی کے پاس بھیجا کہ جا کر اس بارے میں اس سے دریافت کریں ابو واقد اس عورت کے پاس آئے اس وقت اس کے پاس اور بھی عورتیں تھیں، ابو واقد نے اس سے وہ بات کی جو اس کے شوہر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہی تھی، اور بتایا کہ وہ اپنے شوہر کے قول پر ماخوذ نہیں ہوگی، اور اگر وہ چاہے تو انکار کردے وہ

---

❶ التاریخ الاسلامی العام: علی ابراہیم حسن وحسن ابراہیم حسن قاہرہ "مکتبۃ النھضۃ المصریۃ" ۱۹۷۵ص ۵۲۸، ۵۲۹

❷ عبقریۃ الاسلام فی عھد الحکم: محولہ سابقہ، ص ۳۴۱ ❸ التاریخ الاسلامی العام: علی ابراہیم، محولہ بالا، ص ۵۳۰

❹ المصنف عبدالرزاق: محولہ سابقہ، ص ۳۰۳ ج ۷

کچھ دیر خاموش رہی اور پھر اس نے کہا بخدا میں بے حیائی کے ساتھ اب جھوٹ کو جمع نہیں کروں گی۔ چنانچہ اس نے انکار نہیں کیا' اور مکمل اعتراف کیا پس اسے رجم کیا گیا۔

مصنف عبدالرزاق کی روایت کے الفاظ ہیں:

".....عن ابی واقداللیثی قال: انی لمع عمر بن الخطاب اذجائه رجل فقال: عبدی زنا بامراتی' وهی هٰذه تعترف' قال ابو واقد فارسلنی الیها' فقال: سل امرأة هٰذا عما قال' فانطلقت فاذا هی جاریة حدیثة السن قدلبست ثیابها قاعدة علی فنائها' فقلت لها' ان زوجك جاء امیرالمومنین فاخبره انك زنیت بعبده فارسلنی امیرالمومنین لنسئالك عن ذلك' فقال ابو واقد فان کنت لم تفعلی فلابأس علیك' فصمت ساعة ثم قالت: اللهم افرخ فاهاعماشئت الیوم۔ ابو واقدالقائل۔ فقالت: والله لااجمع فاحشة و کذباً' ثم قالت: صدق' فامربها عمر فرجمت"❶

۳۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس نے آپ کو بتایا کہ اس کی بہن پردہ ہی میں ایک کارنامہ کر بیٹھی ہے' اور اب وہ حاملہ ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسے مہلت دو یہاں تک کہ اس کے بچہ ہو جائے' غرض جب بچہ پیدا ہو گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے سو کوڑے مارے اور اسے بصرہ کی طرف جلاوطن کر دیا' المحلی میں یہ روایت یوں مذکور ہے:

"عن عروة بن الزبیر عن عائشة ام المؤمنین رضی اللّٰه عنهما انها قالت: اتی رجل الی عمر ابن الخطاب فاخبره ان اخته احدثت۔ وهی فی سترها وانها حامل۔ فقال عمر' امهلها حتی اذا وضعت واستقلت فاذنی بها فلما وضعت جلدها مائة و غربها الی البصرة عاماً....."❷

۴۔ سنن بیہقی میں عبداللہ ابن عیاش ابن ربیعہ مخزومی سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے بھی قریش کے بعض دیگر نوجوانوں کے ساتھ امیر مقرر کیا اور ہم نے بیت المال کی بعض باندیوں کو زنا کی سزا میں پچاس پچاس کوڑے مارے۔

بیہقی کی روایت کے الفاظ ہیں:

---

❶ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۳۴۹ ج ۷

❷ المحلی: علی بن احمد الاندلسی ابن حزم' بیروت "دارالآفاق الجدیدہ" (س۔ن) ص ۱۸۴ ج ۱۱

".....عن عبدالله بن عیاش ابن ابی ربیعة المخزومی قال امرنی عمر ابن الخطاب فی فتیة من قریش فجلدنا و لائدالا مارة خمسین' خمسین فی الزناء..... ❶

اجراء حد شرب خمر

۱۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے ابتدائی دور میں شارب خمر اور ہر ایسے شخص کو جو نشہ کی حالت میں پایا جاتا' اگر وہ آزاد ہوتا (غلام نہ ہوتا) تو چالیس کوڑ .وں کی سزا دیتے تھے ❷ لیکن آخری ایام خلافت میں آپ نے ایک مشہور واقعہ ❸ کے بعد صحابہ سے مشورہ لیا اور اس کے بعد اسّی کوڑے حد شرب خمر مقرر کی۔

۲۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میرے بھائی عبدالرحمٰن ❹ نے مے نوشی کی اور ان کے ساتھ ابوسروعہ عقبہ بن حارث نے بھی شراب پی' یہ دونوں مصر میں تھے' اگلے روز دونوں حضرات امیر مصر حضرت عمرو بن عاص کے پاس حاضر ہوئے اور بیان کیا کہ ہم دونوں نے شراب پی اور ہمیں نشہ ہوگیا' آپ ہمیں پاک کردیں' عبداللہ کہتے ہیں کہ میرے بھائی نے مجھے بھی کہا کہ مجھے نشہ ہوگیا تھا' میں نے اس سے کہا کہ گھر چلو میں تمہیں پاک کردوں مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ یہ دونوں عمرو بن العاص کے پاس جاچکے ہیں' چنانچہ میرے بھائی نے بتایا کہ وہ امیر کو بتاچکے ہیں' اس زمانہ میں حدود کے نفاذ پر سر مونڈ دیا جاتا تھا' عبداللہ نے کہا کہ اس قوم کے افراد کا سر لوگوں کے سامنے نہیں مونڈا جاتا' اندر جاؤ تاکہ میں تمہارا سر مونڈ دوں' عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ میرے بھائی عبدالرحمٰن گھر کے اندر آگئے اور میں نے ان کا سر مونڈ دیا' بعدازاں حضرت عمرو بن العاص نے ان پر حد نافذ کی اور کوڑے لگائے' پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے عمرو بن العاص کو لکھا کہ عبدالرحمٰن کو فوراً ان کے پاس بھیج دیا جائے' جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو آپ نے انہیں سرعام کوڑے لگائے اور مزید سزا بھی دی' پھر انہیں واپس بھیج دیا اور کوئی ایک ماہ بعد ان کا انتقال ہوگیا۔ ❺

---

❶ سنن البیہقی: محولہ سابقہ' ص ۲۴۲ ج ۸ ❷ فقہ عمر: محمد رواس قلعجی' لاہور' ادارہ معارف اسلامی' ۱۹۹۰ء ص ۷۶

❸ المحلی: ابن حزم' محولہ بالا' ص ۳۶۴' ۳۶۵ ج ۱۱ ❹ بعض مؤرخین نے انکی کنیت ابوشحمہ بتائی ہے

❺ مصنف عبدالرزاق: محولہ سابقہ' ص ۲۳۲' ۲۳۳ ج ۹

مصنف عبدالرزاق میں روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

".....عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنهما قال: شرب اخی۔ عبدالرحمٰن بن عمر وشرب معه ابو سروعة عقبة بن الحارث و هما بمصر فی خلافة عمر' فسکرا' فلما اصبحا انطلقا الی عمرو بن العاص' وهو امیر مصر' فقالا: طهرنا' فانا قدسکرنا من شراب شربناه' فقال عبداللّٰه: فذکر لی اخی انه سکر' فقلت: ادخل الداراطهرك' ولم اشعرانهما اتیا عمرو' فاخبرنی اخی انه قد اخبر الامیر بذلك' فقال عبداللّٰه: لا یلحق القوم علی رؤس الناس' ادخلا الداراحلقك' و کانوا اذذاك یحلقون مع الحدود' فدخل الدار فقال عبداللّٰه: فحلقت اخی بیدی ثم جلدهم عمرو فسمع بذلك عمر' فکتب الی عمرو ان ابعث الی بعبدالرحمٰن علی قتب ففعل ذلك' فلما قدم علی عمر جلده و عاقبه لمکانه منه' ثم ارسله' فلبث شهرا صحیحا ثم اصابه قدره فمات....."

۳۔ ایک شخص کو رمضان کے مہینے میں شراب کے جرم میں پکڑ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں پیش کیا گیا' آپ نے اسے سو کوڑے لگوائے' اسّی (۸۰) تو حد شرب خمر کے اور بیس تعزیراً کہ اس نے رمضان میں کیوں شراب نوشی کی۔ ❶

۴۔ مصنف ہی کی روایت ہے کہ' عبداللہ ابن ابی الہذیل بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک بوڑھا شخص پیش کیا گیا جس نے رمضان میں شراب نوشی کی تھی' آپ نے فرمایا' خدا اسے ذلیل کرے' یہ بوڑھا رمضان میں شراب نوشی کر رہا ہے جبکہ ہمارے جوان روزے رکھ رہے ہیں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے حد کے اسّی (۸۰) کوڑے لگوائے اور اسے شام کی طرف جلاوطن کر دیا۔

مصنف عبدالرزاق کے الفاظ اس طرح ہیں:

".....عن عبداللّٰه بن ابی الهذیل قال: اتی عمر بشیخ شرب الخمر فی رمضان' فقال: للمنخرین' للمنخرین' وولداننا صیام' قال فضربه ثمانین ثم سیره الی الشام....." ❷

---

❶ مصنف ابن ابی شیبہ: ابوبکر عبداللہ بن محمد ابن ابی شیبۃ' کراچی' ادارۃ القرآن' ۱۴۰۶ھ ص ۱۳۲ ج ۲

❷ مصنف عبدالرزاق: ۳۸۲ ج ۱ و ۲۳۲ ج ۹

۵۔ مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ سائب بن یزید کہتے ہیں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو وہ ایک شخص کو کوڑے لگا رہے تھے کیونکہ اس کے منہ سے شراب کی بو محسوس کی گئی تھی چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے حد کے پورے کوڑے لگائے۔

مصنف کے الفاظ یوں ہیں:

".....عن سائب ابن یزید انه حضر عمر بن الخطاب، وهو یجلدر جلاً وجد منه ریح شراب فجلده الحدتاماً....." ❶

۶۔ عتاب بن سلمہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کے بارے میں سوال کیا کہ تم نے اسے شراب پیتے ہوئے دیکھا ہے؟ میں نے کہا میں نے اسے شراب پیتے تو نہیں دیکھا، البتہ میں نے اسے شراب کی قے کرتے ہوئے دیکھا ہے، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر شرب خمر کی حد نافذ کی اور لوگوں کے دیکھنے کے لیے ایک جگہ کھڑا کر دیا۔ ❷

۷۔ ابن قدامہ مقدسی نے حضرت حسن بصری سے روایت کیا ہے، حسن بصری کہتے ہیں کہ جارود نے قدامہ بن مظعون کے خلاف گواہی دی کہ اس نے شراب پی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں بحرین کا امیر مقرر کیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جارود سے استفسار کیا کہ تمہارے ساتھ گواہ کون ہے، انہوں نے کہا کہ علقمہ خصی گواہ ہیں، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے علقمہ کو بلوایا اور پوچھا تم کیا گواہی دیتے ہو؟ علقمہ نے پوچھا کہ کیا خصی کی گواہی قابل قبول ہے، اس پر حضرت عمر نے جواب دیا کہ اگر مسلمان ہے تو اس کی شہادت کے مقبول ہونے میں کوئی مانع نہیں، اس پر علقمہ نے بیان دیا کہ میں نے اسے ایک تسلہ میں خمر کی قے کرتے ہوئے دیکھا ہے، حضرت عمر نے فرمایا کہ قسم بخدا، اس نے شراب پی ہے جبھی تو شراب کی قے کی ہے، چنانچہ آپ نے حکم دیا اور اسے کوڑے لگائے گئے۔ ❸

۸۔ حضرت ابو محجن ثقفی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ شراب کے رسیا ہو گئے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان پر حد جاری کی، کوڑے لگوائے لیکن وہ باز نہیں آئے، بالآخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں جلاوطن کر دیا ❹ مصنف عبدالرزاق میں ہے:

---

❶ ایضاً: حوالہ بالا، ص ۲۲۸ ج ۹ ❷ مصنف ابن ابی شیبۃ: ۱۳۶ ج ۲

❸ المغنی: موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد قدامۃ حنبلی، بیروت "دار الفکر" ۱۴۰۵ھ ص ۱۴۸ ج ۱۱ و ۳۱۰ ج ۸

❹ السیاسۃ الشرعیۃ: علامہ ابن تیمیہ، کراچی، تیرتھ داس روڈ" س۔ن، ص ۲۱۲

".....عن ابن سیرین قال: کان ابو محجن لا یزال یجلد فی الخمر' فلما اکثر علیهم سجنوه و اوثقوه....." ❶

(یعنی: ابن سیرین کہتے ہیں کہ ابو محجن کو حد شرب کئی بار لگائی گئی مگر جب انہوں نے مے نوشی کی حد کر دی تو انہیں قید کر دیا گیا)

اجرائے حد قذف

حبیب بن اساف ایک انصاری تھے' ان کی بیوی بنت خارجہ کے پاس ایک باندی تھی جو اس نے اپنے شوہر کے ساتھ شام روانہ کی کہ وہ اسے وہاں اپنی صوابدید کے مطابق فروخت کر دیں کہ وہاں اس کی اچھی قیمت مل جائے گی اور کہا کہ یہ تمہارے کپڑے دھوئے گی' تمہاری سواری کی دیکھ بھال کرے گی اور تمہاری خدمت کرے گی' وہ اسے لے کر چلے گئے لیکن اسے بیچنے کی بجائے خود ہی اسے اپنے لئے خرید لیا اور پھر مدینہ اسے واپس لے کر آئے تو وہ حاملہ تھی' اس پر حبیبہ بنت خارجہ حضرت عمر ﷺ کے پاس آئیں اور اس بات سے مکر گئیں کہ انہوں نے باندی فروخت کرنے کو بھیجی تھی'

حضرت عمر ﷺ نے اس کے شوہر (حبیب بن اساف) کو زنا کے جرم میں رجم کرنے کا ارادہ کر لیا' یہاں تک کہ حبیبہ کی قوم کے لوگوں نے حبیبہ سے بات کی چنانچہ حبیبہ نے اعتراف کیا کہ بلاشبہ اس نے باندی کو فروخت کرنے ہی کی غرض سے (حبیب بن اساف) شوہر کے ساتھ بھیجا تھا' چنانچہ حضرت عمر ﷺ کے سامنے حبیبہ کے اس اقرار پر حضرت عمر ﷺ نے حبیب بن اساف کو تو چھوڑ دیا البتہ حبیبہ کو حد قذف کے اسّی کوڑے لگوائے ❷

مصنف نے اسی روایت کو ان الفاظ سے نقل کیا ہے:

".....عن ام کلثوم بنت ابی بکر الانصاریة ان حبیبة بنت خارجة بعث بجاریة لها زوج لها من الانصار یقال له حبیب بن اساف الی الشام' فقالت: انها بالشام انفق لها' فبعها مارأیت وقالت: تغسل ثیابك' و تنظر رحلك' و تخدمك۔ فذهب فابتاعها لنفسه ثم جاء بهاالی المدینة حبلی' فجائت ابنة خارجة عمر بن الخطاب' فانکرت ان تکون امرته ببیعها' فهم عمر بزوجها یرجمه' حتی کلمها قومها' فقالت: اللهم آنفا اشهدانی کنت

❶ مصنف عبدالرزاق: ۲۴۳ ج ۹ ❷ ایضاً: حوالہ بالا ص ۳۴۸ ج ۷

امرته ببيعها' فاقرت بذلك لعمر' فضربها ثمانين....."❶

۲۔ سنن بیہقی میں ہے کہ حضرت ابوبکرۃ اوران کے دو ساتھیوں نافع اور شبل بن معبد نے مغیرہ بن شعبہ کے خلاف زنا کی گواہی دی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چوتھا گواہ طلب کیا تو انہوں نے زیاد بن ابیہ کا نام لیا' زیاد آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت کیا' کیا تم نے سلائی کو سرمہ دانی میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں' بلکہ میں نے تو صرف بری مجلس دیکھی ہے' اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زیاد کے علاوہ باقی تینوں کو تہمت زنا کی وجہ سے حد قذف لگوائی بیہقی کے الفاظ حسب ذیل ہیں:❷

".....عن قسامة بن زبير قال لما كان من شان ابى بكرة والمغيرة الذى كان و ذكر الحديث قال فدعا الشهود فشهد ابوبكرة وشبل بن معبد وابو عبدالله نافع فقال عمر رضى الله عنه حين شهدهولاء الثلاثة شق على عمر شانه فلما قام زياد قال ان تشهدان شاء الله الابحق قال زياد اماالزنا فلااشهد به ولكن قدرأيت امراً قبيحاً قال عمر الله اكبر حدوهم فجلدوهم قال فقال ابوبكرة بعد ماضربه اشهدانه زان فهم عمر رضى الله عنه ان يعيد عليه الحدفنهاه على رضى الله عنه وقال ان جلدته فارجم صاحبك فتركه ولم يجلده"❸

۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک شخص نے مہاجرین میں سے کسی شخص پر تہمت دھری اور اس سے کہا کہ تو اپنے باپ کا نہیں' اس کی والدہ زمانہ جاہلیت میں انتقال کر چکی تھی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے احترام مسلم کے پیش نظر اس پر حد قذف جاری کی۔❹

۴۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص لایا گیا جس نے پہلے تو اپنی بیوی کے پیٹ میں موجود بچہ کو اپنا بچہ ماننے سے انکار کیا پھر کچھ عرصہ بعد جب ابھی بچہ پیدا نہیں ہوا تھا تو اعتراف کیا کہ بچہ اسی کا ہے' لیکن بچہ کی پیدائش کے بعد پھر اسے اپنا بچہ ماننے سے انکار کرتے ہوئے بیوی پر تہمت لگائی' چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو حد قذف کے اسّی کوڑے لگوائے اور بچہ کا نسب بھی اس کی طرف منسوب کر دیا۔

---

❶ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۳۴۸ ج ۷ ❷ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۱۴۳ ج ۲ ❸ سنن البیہقی: ص ۲۳۴ ج ۸

❹ مصنف ابن ابی شیبۃ: ۱۳۵ ج ۲

سنن بیہقی میں یہ واقعہ یوں مذکور ہے:

"……عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنه انه قضی فی رجل انکر ولد امراته وهو فی بطنها ثم اعترف به وهو فی بطنها حتی اذا ولدانکره فامربه عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنه فجلد ثمانین جلدة لفریته علیها ثم الحق به ولدها" ❶.

۵۔ ایک خاتون نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر شکایت کی کہ اس کے شوہر نے اس (خاتون) کی باندی سے زنا کیا ہے' اس شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا "میری بیوی نے یہ باندی مجھے ہبہ کردی تھی" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے کہا کہ یا تو ثبوت ہبہ فراہم کرو ورنہ میں تمہارا سر پتھر سے کچل دوں گا' خاتون نے جب یہ صورتحال دیکھی کہ اس کے شوہر پر حد زنا (رجم) جاری ہونے کو ہے تو اس نے فوراً اعتراف کرلیا کہ واقعی وہ باندی اس نے اپنے شوہر کو ہبہ کی تھی' اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس خاتون کو قذف کے کوڑے لگوائے ❷

مصنف عبدالرزاق میں یہ واقعہ یوں مذکور ہے:

"……عن قتادة ان امرأة جاء ت الی عمر فقالت: ان زوجها زنی بولیدتها' فقال الرجل لعمر ان المرأة وهبتهالی' فقال عمر لتاتین بالبینة او لَارضخن راسك بالحجارة فلما رأت المراة ذلك' قالت صدق' قد کنت وهبتهاله' ولکن حملتنی الغیرة فجلدها عمر الحدو خلی سبیله……" ❸

۶۔ عکرمہ بن عامر بن ہشام نے وہب بن زمعہ بن اسود کی ہجوگوئی کی اور اس ہجوگوئی میں اشارۃً اس پر زنا کا الزام لگایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عکرمہ پر حد قذف لگائی ❹

مصنف عبدالرزاق میں مندرجہ بالا واقعہ ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے:

"……عن صفوان و ایوب انه حد فی التعریض' والذی کان یحدفی التعریض عمر بن الخطاب عکرمة بن عامر بن هشام بن عبدمناف بن عبدالدار' هجا وهب بن زمعة بن الاسود ابن عبدالمطلب بن اسد فتعرض له فی هجائه قال ابن جریج و سمعت ابن ابی ملیکة یحدث ذلك" ❺

---

❶ البیہقی: ص ۴۱۱ ج ۷ ❷ مصنف عبدالرزاق: ۳۴۸ ج ۷ ❸ ایضاً: حوالہ بالا ص ۳۴۸ ج ۷
❹ مصنف ابن ابی شیبۃ: ۱۲۷ ج ۲ ❺ مصنف عبدالرزاق: ۴۲۱ ج ۷

اجرائے حد سرقہ

۱۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ڈھال کی چوری پر قطع ید کی سزا دی' راوی کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ ڈھال کی کیا قیمت ہوتی تھی؟ حضرت انس نے کہا کہ پانچ درہم ❶

بیہقی کی روایت حسب ذیل ہے:

".....عن قتادة عن انس قال قطع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم و ابوبکر و عمر رضی اللّٰہ عنهما فی مجن قلت کم کان یساوی قال خمسة دراهم....." ❷

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سدوم نام کا ایک شخص لایا گیا' اس نے پہلی مرتبہ چوری کی تھی تو اسے ایک ہاتھ کاٹنے کی سزا دی گئی' پھر اس نے دوبارہ چوری کی تو پاؤں کاٹا گیا' تیسری بار چوری کی تو آپ نے پھر اس کا ہاتھ کاٹنے کا ارادہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا ایسا نہ کیجئے بلکہ چور کے لئے ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کاٹنے کی سزا ہے۔ ❸

۳۔ عبداللہ بن عامر بن ابی ربیعہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں یمن میں قبروں سے مردے چرانے والے لوگوں کو پکڑا تو ان کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ انہیں کیا سزا دی جائے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں حکم دیا کہ مردہ چوروں کے ہاتھ کاٹے جائیں ❹

مصنف عبدالرزاق میں مندرجہ بالا واقعہ یوں بیان ہوا ہے:

".....عن عبداللّٰہ بن عامر بن ابی ربیعة ان وجد قوماً یختفون القبور بالیمن علی عهد عمر بن الخطاب فکتب الی عمر فکتب الیه عمر ان یقطع ایدیهم" ❺

مصر میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص کو امیر اور قاضی مقرر کیا تھا چنانچہ فتح مصر کے ساتھ میں رائج قدیم قوانین کو ختم کر دیا گیا اور ان کی جگہ شریعت اسلامیہ اور شرعی

---

❶ البیہقی: ص۲۶۰ ج۸ ❷ ایضاً: حوالہ بالا' ص۲۶۰ ج۸ ❸ فقہ عمر: ص۳۹۱
❹ مصنف عبدالرزاق: ۲۱۵ ج۱۰ ❺ ایضاً: حوالہ بالا' ص۲۱۵ ج۱۰

قوانین نے لے لی' چنانچہ نظام حدود اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ دیگر امصار و بلاد کی طرح مصر میں بھی نافذ ہوگیا' جندی عبدالملک کہتے ہیں:

".....فی السنة العشرین من الهجرة (ای فی ٦٤٢ م) دخل عمرو بن العاص مدینة الاسکندریة بعد حصار طویل' و کانت فی ذلك العهد عاصمة الدیار الممصریة' فتم له بذلك فتح القطر المصری وقد دخلت مصر من ذلك الحین فی الامبراطوریة و حلت الشریعة الاسلامیة محل القوانین التی کانت سائدة فی البلاد....." ❶

مصر میں نفاذ حدود بعہد فاروقی کی ایک جھلک مندرجہ بالا بیان میں نظر آتی ہے تاہم مصر میں نفاذ حدود کی تاریخ پر مستقل بحث اپنے مقام پر آئے گی۔ یہاں صرف یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ خلافت راشدہ کے زیرنگیں علاقوں میں شرعی حدود نافذ تھیں۔

❶ الموسوعة الجنائیة: جندی عبدالملک بک: بیروت'' دار احیاء التراث العربی'' ۱۹۴۲ء ص ۵۰۲ ج ۵

۳۔ عہدِ عثمانی (۲۴۔۳۵ھ/۶۴۴۔۶۵۶ء)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت ۲۴ تا ۳۵ ہجری (۶۴۴۔۶۵۶ء) پر محیط ہے' حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بہت نرم دل خلیفہ تھے' اور فطرتاً نیک خو اور نرم تھے عموماً لوگوں سے سختی سے پیش نہیں آتے تھے' اکثر معمولی جرائم کو بردباری اور حلم سے ٹال دیا کرتے' لیکن حدود اللہ کے قائم کرنے میں اپنے پیش رووں کے طرز عمل پر کاربند تھے' آپ کے دوازدہ سالہ دور خلافت میں بے شمار قضایا پیش ہوئے ہوں گے' اور آپ نے حدود کے کیسز میں اجراء حدود بھی کیا' لیکن معتبر تاریخی کتب ایسے قضایا کا کوئی ریکارڈ پیش کرنے سے قاصر ہیں' ان گنت کتابوں کی ورق گردانی اور دقیق مطالعہ کے بعد چند مقدمات ایسے مل سکے ہیں جنہیں دور عثمانی میں نفاذ حدود کے حوالہ سے بطور نظیر پیش کیا جاتا ہے:

۱۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ولید بن عقبہ گورنر کوفہ کے خلاف شکایت ملی کہ انھوں نے مے نوشی کی ہے' چنانچہ آپ نے انھیں بلوا کر شرعی شہادتوں کی بناء پر ان پر حد شرب خمر جاری فرمائی اور انھیں کوفہ کی گورنری سے بھی معزول کر دیا۔ ❶

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (قاضی کوفہ) ❷ کے پاس ایک شخص نے اپنے برادر زادہ کو شراب نوشی کے جرم میں پیش کیا' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے تحقیقات کرنے کا حکم دیا' لیکن جب درے پڑنے لگے تو اس (چچا) کا دل رحم وشفقت سے بھر آیا اور منت سماجت کے ساتھ سفارش کرنے لگا' اس پر ابن مسعودؓ نے فرمایا تو نہایت ظالم چچا ہے' اس کو حد شرعی کا مستحق ثابت کر کے چھوڑ دینے کی سفارش کرتا ہے' جو کہ اب ممکن نہیں ❸

۳۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایک چور نے ایک ترنج چرالیا' حضرت عثمانؓ نے اس کی قیمت لگانے کا حکم دیا تو اس کی قیمت بارہ درہم فی دینار کے حساب سے تین دینار لگائی گئی' چنانچہ حضرت عثمانؓ نے اس چور کا ہاتھ کاٹ دیا' موطا امام محمد میں یہ روایت یوں مذکور ہے

".....عن عمرة ابنة عبدالرحمٰن ان سارقاً سرق فی عهد عثمان اترجة

---

❶ حضرت عثمانؓ کے سرکاری خطوط: خورشید احمد فاروق' کراچی' ''محمد علی کارخانہ کتب اسلامی'' س۔ن' ص ۲۶' ۲۷

❷ سیر الصحابہ: معین الدین ندوی' لاہور' ''ادارہ اسلامیات'' ۱۹۸۷ء ص ۲۸۰ ج ۲ ❸ ایضاً: حوالہ بالا

فامربها عثمان ان تقوم فتقومت بثلاثة دراهم من صرف اثنی عشر درهماً بدینار فقطع عثمان یده....."❶

۴۔ حضرت عثمان غنیؓ کے دور میں جبکہ سعید بن عاص کوفہ کے والی تھے' ایک مفرور غلام نے چوری کر لی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے حضرت سعید بن عاصؓ کے پاس حد لگانے کے لئے بھیجا تو سعیدؓ نے ہاتھ کاٹنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اگر بھاگا ہوا غلام چوری کر لے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا' عبداللہ بن عمر نے کہا' کیا تم نے اللہ کی کتاب میں کوئی ایسا حکم پایا ہے کہ مفرور چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے؟ چنانچہ عبداللہ بن عمرؓ کے کہنے پر اس چور کا ہاتھ کاٹ دیا گیا' موطا امام محمد میں یہ واقعہ ان الفاظ میں مذکور ہے:

".....اخبرنا نافع ان عبداً لعبداللّٰه بن عمرؓ سرق وهو آبق فبعث به ابن عمرؓ الی سعید بن العاصؓ لیقطع یده فابی سعیدؓ ان یقطع یده قال لاتقطع یدالآبق اذا سرق فقال له عبداللّٰه بن عمر افی کتاب اللّٰه وجدت هٰذا ان عبدالآبق لاتقطع یده فامر به ابن عمرؓ فقطعت یده....."❷

۵۔ ولید بن عقبہ کی (کوفہ میں) گورنری کے آخری ایام میں کوفہ کے چند سر پھروں نے ایک شخص کے گھر رات کو نقب لگایا' وہ شخص بیدار ہو گیا اور اس نے اڑوس پڑوس کو جمع کرنے کے لئے شور مچایا' نقب زنوں نے اس کا شور سن کر اسے پکڑا اور قتل کر دیا' اسی اثناء محلے کے لوگ جمع ہو گئے اور انہوں نے نقب زنوں کو گھیر گھار کر پکڑ لیا اور گورنر کوفہ ولید بن عقبہ کے پاس اجرائے حد کے لئے پیش کیا' ولید نے انہیں قید میں ڈال دیا اور سارا معاملہ دارالخلافہ مدینہ میں حضرت عثمانؓ کی طرف لکھ بھیجا' حضرت عثمان غنیؓ نے نقب زنوں کو سزائے موت کا حکم دیا۔❸

۴۔ عہد علوی (۳۵۔۴۰ھ/۶۵۶۔۶۶۱ء)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے' اور آپ چوتھے خلیفہ راشد ہیں' آپ پر خلافت راشدہ کا سنہری دور ختم ہو گیا' آپ نے جو نظام عدل اپنے پیشرو خلفاء سے پایا تھا اور جس کے آپ خود بھی ہمیشہ سے ایک اہم رکن چلے آ رہے تھے' اسے جاری و ساری رکھنے

❶ موطاء امام محمد: ص ۳۶۳ ❷ ایضاً: حوالہ بالا' ۳۶۷

❸ حضرت عثمان کے سرکاری خطوط: محولہ بالا' ص ۱۲۶' ۱۲۷

کے لئے آپ نے اس میں کسی خاص تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں کی' نفاذ حدود کے سلسلہ میں آپ نے جو فیصلے کئے' اگرچہ وہ سب کے سب تو اس دور میں تحریر نہیں کئے گئے' تاہم تاریخ و قانون کی مختلف کتابوں میں آپ کے بعض فیصلوں کے حوالے ملتے ہیں جنہیں بطور نظیر شامل کتاب کیا جاتا ہے:

۱۔ حد زنا سے متعلق ایک مقدمہ آپ کے پاس پیش ہوا' ایک خاتون ''شراحہ'' زنا کے الزام میں پیش کی گئی جس کا شوہر شام کے علاقہ میں روپوش تھا' شراحہ کا غلام اسے حالت حمل میں لے کر آپ کے پاس حاضر ہوا اور کہا کہ یہ حمل زنا کا ہے' خاتون نے اعتراف کیا چنانچہ آپ نے سو کوڑے لگائے اور جمعہ کے روز سنگسار بھی کرادیا❶

۲۔ حد قذف لگائے جانے کا ایک واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ ایک عورت نے ایک جوان لڑکی پر مرافعہ کیا کہ اس نے حرام طریقہ سے اپنی بکارت زائل کروائی ہے جبکہ وہ بالغہ ہے' یہ ایک یتیم لڑکی تھی جو ایک شخص کے زیر پرورش تھی' اس شخص کی بیوی کو ایک روز جبکہ اس کا شوہر سفر پر تھا یہ خیال ہوا کہ یہ لڑکی جوان ہوگئی ہے' کہیں ایسا نہ ہو کہ میاں اس لڑکی سے نکاح کرلیں' چنانچہ اس خاتون نے چند پڑوسی عورتوں کو گھر پر بلا کر ان سے مدعا بیان کیا اور ان خواتین کی مدد سے لڑکی کو پکڑ کر زبردستی اس کی فرج میں انگلی ڈال کر اس کا پردہ بکارت زائل کردیا' شوہر جب سفر سے لوٹا تو عورت نے لڑکی پر زنا کا الزام لگایا اور ثبوت میں پڑوسی عورتوں کو بطور گواہ پیش کیا' مقدمہ حضرت علیؓ کے پاس پیش ہوا آپ نے زنا کے گواہ طلب کئے تو عورت نے پڑوسی عورتوں کو پیش کردیا' حضرت علیؓ نے ہر عورت کو الگ الگ کر کے بیانات لینا شروع کئے' الزام عائد کرنے والی خاتون کو الگ بلا کر درمیان میں تلوار رکھ کر اس سے اصل صورتحال بتانے کو کہا مگر اس نے اصل واقعہ بیان نہیں کیا' پھر آپ نے گواہی دینے والی عورتوں میں سے ایک کو بلا کر اس سے کہا کہ پہلی عورت نے سارا واقعہ سچ سچ بیان کردیا ہے' اس لئے میں نے اسے جان کی امان دی' اب اگر تم نے صحیح واقعہ بیان نہ کیا تو جو تیرا حشر ہونا ہے سو تو دیکھے گی' عورت نے قسم کھا کر ساری صورتحال بیان کردی کہ یتیم لڑکی خوبصورت اور جوان ہے' اس عورت کو خوف ہوا کہ شوہر اس سے نکاح کرلے گا' چنانچہ اس نے ہمیں جمع کر کے اس لڑکی کی بکارت انگلی سے

❶ النجم الثاقب فی اقضیۃ علی بن ابی طالب: محولہ سابقہ' ص ۱۶۸

زائل کر کے زنا کا الزام عائد کیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سن کر اللہ اکبر کہا' اور فرمایا میں پہلا شخص ہوں جس نے گواہوں کو علیحدہ علیحدہ کیا' پھر آپ نے اس الزام لگانے والی خاتون کو حد قذف لگائے جانے کا حکم دیا' اور اس کے شوہر سے کہا کہ وہ اس لڑکی سے نکاح کر لے' اور بیوی کو طلاق دے دے۔ ❶

۲۔ حد سرقہ کے سلسلہ میں ابوزعرا کا بیان ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس جب کوئی چور لایا جاتا تو آپ جرم ثابت ہونے پر اس کا ہاتھ کاٹ دیتے اور کٹے ہوئے ہاتھ کو تیل میں تلا جاتا۔ ❷

۳۔ حد سرقہ ہی سے متعلق ایک مقدمہ حضرت علی کے سامنے پیش ہوا' دو شخص ایک چور کو پکڑ کر لائے اور انہوں نے گواہی دی کہ اس نے چوری کی ہے' حضرت علیؓ نے ان کی شہادت پر اس کا ہاتھ کاٹ دیا' حضرت علیؓ نے پہلے شخص کو ان دونوں سے دیت دلوائی اور پھر فرمایا کہ اگر مجھ پر یہ ثابت ہوتا کہ تم نے یہ کام قصداً کیا ہے تو میں قصاص میں تم دونوں کے ہاتھ کٹواتا' اور جس شخص کو وہ اب کی بار چور بنا کر لائے تھے اسے یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ ان لوگوں کی پہلی گواہی غلط ہو جانے کی بناء پر اب میں ان کی شہادت کو قبول نہیں کرتا ❸

۴۔ امام طحاوی نے حد سرقہ سے متعلق حضرت علیؓ کے عہد خلافت کا ایک واقعہ یوں بیان کیا ہے:

"....عن علی ابن ابی طالب رضی اللّٰہ عنہ ان رجلاً اقر عندہ بسرقۃ مرتین' فقال قد شھدت علی نفسك شھادتین' قال فامر بہ فقطع و علقطافی عنقہ....." ❹

(ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے روبرو دو بار چوری کا اعتراف کیا تو آپ نے فرمایا' تو نے خود ہی اپنے بارے میں دو گواہیاں دے دی ہیں' چنانچہ آپ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا' اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا)

۵۔ ایک شخص کو حضرت علیؓ کے ہاں پیش کیا گیا' اس پر نقب زنی کا الزام تھا' مگر اس نے چوری

---

❶ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۱۳۵' ۱۳۶ ❷ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۱۴۶ ❸ ایضاً: حوالہ بالا

❹ شرح معانی الآثار الطحاوی: ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی لاہور' مطبع مجتبائی' ۱۴۱۴ھ ص ۸۳

نہیں کی تھی' صرف نقب لگائی تھی' چنانچہ آپ نے اس پر حد جاری نہیں کی بلکہ تعزیراً چند کوڑے لگوادیئے۔ ❶

۶۔ ایک شخص پر اونٹ چرانے کا الزام تھا' حضرت علیؓ نے اس سے فرمایا' میرے خیال میں تم نے چوری نہیں کی ہے' اس نے کہا ''میں نے چوری کی ہے'' پھر فرمایا: شاید تمہیں شبہ ہوگیا ہے' اس نے کہا ''نہیں'' بلکہ میں نے چوری کی ہے' پھر آپ نے قنبر کو حکم دیا کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر لے جاؤ اور آگ جلا کر قصاب کو بلا لاؤ تا کہ وہ اس کا ہاتھ کاٹ دے' قصاب کے آنے میں کچھ تاخیر ہوئی تو آپ نے اس سے ایک بار پھر دریافت کیا' اس نے کہا میں نے چوری نہیں کی' چنانچہ آپ نے فرمایا کہ اس کے اقبال جرم پر ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تھا اب اسی کے انکار پر چھوڑا ہے۔ ❷

مندرجہ بالا شہادت سے یہ بات واضح ہوئی کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی دیگر تین خلفاء کے ادوار کی طرح حدود اللہ جاری کی جاتی تھیں اور مجرموں سے اجرائے حدود کے سلسلہ میں کوئی رورعایت نہ کی جاتی تھی۔

عہد بنی امیہ (۴۱۔۱۳۲ھ/۶۶۱۔۷۵۰ء)

عہد بنی امیہ میں شرعی حدود کے نفاذ کے لئے نظام قضاء قائم تھا اور اس میں چند بنیادی تبدیلیاں ہوچکی تھیں' مثلاً یہ کہ اب یہ نظام حکومت سے یکسر الگ ہوچکا تھا گویا عدلیہ اور انتظامیہ دو مستقل شعبے بن چکے تھے' علاوہ ازیں قرآن وسنت کے ساتھ ساتھ قاضی حضرات (Judges) اجتہاد سے بھی کام لینے لگے تھے اور یوں نظام قضاء میں ایک ارتقائی دور کا آغاز ہوچکا تھا۔

ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن کہتے ہیں:

".....وقد تميز القضاء في عهدبني امية بميزتين اثنتين: الاولى' ان القاضي كان يحكم بما يوحيه اليه اجتهاده' واذلم تكن المذاهب الاربعة التي تقيد بهاالقضاة قد ظهرت بعد' فكان القاضي في هذا العصر يستنبط الحكم بنفسه من الكتاب والسنة او الاجماع او يجتهد في الحكم اجتهاداً۔

الثانية: ان القضاء لم يكن متاثراً بالسياسة اذكان القضاة مستقلين في

❶ النجم الثاقب: محولہ بالا' ص ۱۴۵ ❷ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۱۴۵

احکامهم لایتاثرون بمیول الدولة الحاکمة' و کانوا مطلقی التصرف و کلمتهم نافذة حتی علی الولاة وعمال الخراج....."❶

یعنی عہد بنی امیہ کا نظام قضاء دو بڑی امتیازی خوبیوں کا حامل رہا ہے:

۱۔ ایک تو یہ کہ اس دور میں قاضی (Judge) اپنے اجتہاد' وغور وفکر سے فیصلہ کرتا تھا کیونکہ اس دور میں ابھی مذاہب اربعہ نمودار نہیں ہوئے تھے' جن کا بعد کے قاضیوں نے اپنے آپ کو پابند بنالیا تھا' چنانچہ اس دور میں قاضی اپنے سامنے پیش ہونے والے مقدمات کے فیصلے خود کتاب وسنت یا اجماع کی روشنی میں کرتے تھے یا خود اپنی غور وفکر سے معاملات میں رائے قائم کرتے تھے'

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس دور میں نظام قضاء یعنی عدلیہ پر سیاست کا کوئی اثر نہ تھا' اور قاضی اپنے معاملات میں خودمختار تھے' ان پر حکومت کا کوئی دباؤ نہ ہوتا تھا' اور انہیں عدلیہ کے معاملات میں مکمل خودمختاری حاصل تھی' ان کی بات مانی جاتی تھی حتی کہ ان کا حکم والیوں اور ٹیکس وخراج جمع کرنے والے عمال (Collecters) پر بھی چلتا تھا۔

اس دور کے قاضیوں کے اخلاق وکردار کے سلسلہ میں وہ کہتے ہیں:

".....کان القضاة فی عصر الاموی من خیرة الناس' یخشون اللّٰہ یحکمون بین الناس بالعدل....."❷

(یعنی عہد بنی امیہ میں قاضی ان لوگوں کو بنایا جاتا تھا جو لوگوں میں سب سے بہتر اور اعلیٰ کردار کے مالک ہوتے تھے' خوف خدا رکھنے والے' اور لوگوں کے مابین انصاف سے فیصلے کرنے والے ہوتے۔)

عدلیہ میں تقسیم کار کے اعتبار سے تین بڑے شعبے تھے' قاضی' محتسب اور قاضی مظالم' چنانچہ عام قاضی کا کام لوگوں کے عمومی معاملات نمٹانا ہوتا تھا جبکہ محتسب کا کام عام مقدمات کے علاوہ فوجداری (Criminal Cases) اور ایسے مقدمات جو جلد تصفیہ طلب ہوں' ان کی سماعت کرنا ہوتا تھا' البتہ قاضی مظالم کی عدالت جو ان دونوں سے فوقانی قسم کی عدالت تھی ان مقدمات کی سماعت کرتی تھی جو ان دونوں سے طے نہ ہو سکے ہوں یا ان کے دائرۂ سماعت

❶ تاریخ الاسلام: حسن ابراہیم حسن' مصر' مکتبۃ النھضۃ المصریۃ' ۱۹۶۷ء ص ۵۰۰ ج ۱ ❷ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۵۰۱

سے باہر ہوں ❶

عہد بنی امیہ میں قاضیوں کا تقرر خلفاء راشدین کے طرز پر امراء ہی کے اختیار میں رہا' تاہم حدود شرعیہ یعنی قصاص و قطع ید وغیرہ کا اجراء براہ راست خلفاء اور امراء کے اختیار میں تھا❷ جہاں کوئی غیر امیر قاضی ہوتا تو جرائم حدود کے قطعی فیصلہ یا نفاذ حد کے لئے وہ امیر یا خلیفہ سے رجوع کرتا تھا' اکثر مورخین اسی بات پر متفق ہیں کہ عہد بنی امیہ کا نظام قضاء دراصل خلافت راشدہ میں قائم شدہ نظام عدل کا تسلسل ہی تھا اور چونکہ خلافت راشدہ کے نظام عدل میں Criminal Cases یا نفاذ حدود کو خاص اہمیت حاصل رہی اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ بنی امیہ کے دور میں بھی حدود شرعیہ علی منہاج الخلافۃ ہی نافذ تھیں۔ محمد فاروق نبہان کہتے ہیں کہ:

".....لم يختلف القضاء في العصر الاموى كثيراً عما كان عليه في عهد الخلفاء الراشدين فقد كان القضاة يعتمدون على المصادر الاسلامية الاساسية' القرآن و السنة فاذالم يجدوا فيها الحكم اجتهدوا في ذلك معتمدين على الراى و القياس وفقاً للمبادى الاساسية و القواعد الشرعية العامة....." ❸

(یعنی عہد بنی امیہ میں نظام قضاء خلافت راشدہ کے نظام قضاء سے زیادہ مختلف نہ تھا' قاضی حضرات اسلام کے بنیادی مصادر قرآن وسنت پر اعتماد کرتے تھے اور جب انہیں کوئی حکم قرآن وسنت میں نہ ملتا تو وہ اسلام کے عام بنیادی اصولوں کے مطابق قیاس اور رائے سے اجتہاد کرتے تھے)

عہد بنی امیہ کا آغاز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور سے ہوتا ہے' چنانچہ ان کے دور میں نظام حدود کے قیام کے لئے قضاۃ کا تقرر کیا جاتا تھا' فضالہ بن عبید الانصاری اور ابوادریس الخولانی اس دور کے معروف قاضی گزرے ہیں' ان کے علاوہ ہر صوبہ یا ولایت میں ایک مستقل قاضی ہوا کرتا تھا' جناب محمد خضری بک عہد معاویہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

".....و كان حاجبه (اى حاجب معاوية) سعد مولاه' وقاضيه فضالة بن عبيد الانصارى ثم ابو ادريس الخولانى' و معنى ذلك انه كان قاضى الشام'

---

❶ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۵۰۱ ❷ تاریخ الامت: اسلم جیراج پوری' نئی دھلی" مکتبہ جامعہ نگر" ۱۹۵۶ء ص ۱۲۴ ج ۳
❸ نظام الحکم فی الاسلام: محمد فاروق نبہان' الکویت" مطبوعات جامعہ" س۔ن' ص ۶۲۳

و کان لکل ولایة قاض خاص....."❶

(امیر معاویہ کے حاجب ان کے غلام سعد' اور ان کے قاضی فضالتہ بن عبید انصاری تھے پھر ابوادریس خولانی قاضی ہوئے' اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شام کے قاضی تھے اور ہر ولایت کا ایک خاص قاضی ہوتا تھا)

فضالہ بن عبید الانصاری ان قاضیوں میں سے تھے جنہیں اجراء حدود کا اختیار حاصل تھا' چنانچہ ایک مرتبہ ان کے پاس ایک شخص ایک ایسے آدمی کو لے کر آیا جس پر چوری کا الزام تھا اور جس کے پاس مال مسروقہ بھی موجود تھا' فضالہ نے اس سے کہا کہ یہ مال شاید تمہیں کہیں سے ملا ہو' اور تم نے چوری نہ کیا ہو' یا تم نے کہیں سے گرا پڑا اٹھالیا ہو' یہ سن کر اس شخص نے جو چور کو لایا تھا تعجب کا اظہار کیا اور کہا کہ جناب آپ تو اسے سکھا رہے ہیں' مگر فضالہ اپنی بات کہتے رہے' چنانچہ چوری کے ملزم نے کہاں ہاں ہاں خدا آپ کو بھلائی دے' مجھے یہ مال کہیں سے ملا ہے' فضالہ نے حد جاری نہیں کی اور اسے چھوڑ دیا' کیونکہ حکم شریعت بھی یہی ہے کہ شبہات سے حد ساقط ہو جاتی ہے❷

وکیع کہتے ہیں:

".....عن عبدالرحیم ابن الحسماس العذری القاضی' قال: کنت عند فضالة بن عبیدالانصاری' فاتاه رجل بسارق یحمل سرقته' فقال له فضالة: لعلك وجدتها' لعلك التقطها' فقال له الرجل: انا لله وانا الیه راجعون' انه لیلقنه قال ای والله اصلحك الله لوجدتها فخلی فضالة سبیله....."❸

(قاضی عبدالرحیم بن حسماس العذری کہتے ہیں' میں فضالہ بن عبید الانصاری کے پاس بیٹھا تھا کہ ان کے پاس ایک شخص ایک چور کو مال مسروقہ سمیت گرفتار کر کے لایا فضالہ نے اس سے کہا شاید تمہیں یہ مال کہیں سے ملا ہے؟ شاید تم نے گرا پڑا اٹھالیا ہے؟ اس شخص نے کہا انا للہ وانا الیہ راجعون' یہ تو اسے سکھا رہے ہیں' چور نے کہا اللہ تمہیں نیکی دے ہاں میں نے اسے پایا ہے' چنانچہ فضالہ نے اسے چھوڑ دیا)

---

❶ محاضرات تاریخ الامم الاسلامیة: محولہ سابقہ' ص ۱۸۵

❷ اخبار القضاة: محمد بن خلف بن حیان وکیع' مصر "المکتبة التجاریة الکبریٰ" ۱۳۶۶ھ ص ۲۰۱ ج ۳

❸ ایضاً: حوالہ بالا ص ۲۰۱ ج ۳

عہد معاویہ میں نظام حدود سے متعلق ایک اور شہادت ابن کثیر کی ہے' وہ ابن جریر سے یوں روایت کرتے ہیں:

".....عن ابن جریران علیاًالاسدی جارب واخاف السبیل واصاب الدم والمال' فطلبه الائمة والعامة فامتنع ولم یقدرواعلیه' حتی جاء تائباً و ذلك انه سمع رجلاً یقرأ هذه الآیة (یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْاعَلٰیٓ اَنْفُسِهِمْ لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا' اِنَّهٗ هُوَالْغَفُوْرُالرَّحِیْمُ❶ فوقف علیه فقال یا عبداللّٰه اعد قرآتها' فاعاد علیه فغمد سیفه ثم جاء تائبا حتی قدم المدینة من السحر فاغتسل ثم اتی مسجد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم' فصلی الصبح ثم قعدالی ابی هریرة فی اغمار اصحابه فلما اسفروا عرفته الناس فقاموا الیه' فقال لا سبیل لکم علی' جئت تائبا من قبل ان تقدروا علی فقال ابو هریرة صدق واخذ بیده حتی اتی مروان بن حکم وهو امیر علی المدینة فی زمن معاویة' فقال هذا علی جاء تائبا ولا سبیل لکم علیه' ولا قتل' فترك من ذلك کله قال وخرج علی تائبا مجاهدا فی سبیل الله فی البحر....."❷

(علی اسدی نامی ایک شخص نے راستے پر خطر بنادیئے' مار دھاڑ شروع کردی' لوگوں کو قتل کرنا' مال لوٹ لینا اس کا وطیرہ بن گیا' حکومت اور رعایا نے اسے گرفتار کرنے کی بہت کوشش کی مگر بے سود' ایک بار یہ جنگل میں تھا کہ اس نے کسی کو یہ آیت تلاوت کرتے سنا' یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لاتقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا انہ ھوالغفور الرحیم یہ تلاوت کرنے والے شخص کے سامنے آیا اور کہا کہ اے اللہ کے بندے ذرا اس آیت کو دوبارہ پڑھنا' اس نے دوبارہ پڑھا تو علی نے تلوار میان میں کرلی اور تائب ہوکر مدینہ کی راہ لی' سحری کے وقت یہ مدینہ منورہ پہنچا' غسل کیا اور مسجد نبوی میں آکر نماز فجر ادا کی' پھر حضرت ابوہریرہ کے حلقہ درس میں بیٹھا' جب دن چڑھا تو لوگوں نے اسے پہچان لیا اور اسکی طرف لپکے تو اس نے پکار کر کہا' خبردار! تمہیں مجھ پر زیادتی کا کوئی حق نہیں کیونکہ اس سے پہلے کہ تم لوگ مجھے پکڑو میں تائب ہو چکا ہوں' حضرت ابوہریرہ نے یہ سنا تو فرمایا اس نے ٹھیک کہا' پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اسے ہاتھ سے پکڑے

❶ القرآن: ۳۹:۵۳ ❷ تفسیر ابن کثیر: عمادالدین ابوالفداء اسماعیل ابن کثیر' لاہور' امجد اکیڈمی' ۱۹۸۲ء ص ۵۲ ج

ہوئے مروان بن حکم کے پاس لے گئے جو ان دنوں امیر معاویہ کی طرف سے گورنر مدینہ تھا' آپ نے مروان سے کہا یہ علی ہے جو تائب ہوکر آیا ہے' لہذا اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے' نہ اسے قتل کیا جائے اور نہ ہی کوئی اور سزا اسے دی جائے' چنانچہ اس دن سے اسے معاف کردیا گیا' اور وہ توبہ تائب ہوکر اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے بحریہ میں شامل ہوگیا۔)

متذکرہ بالا واقعہ اس بات کی شہادت ہے کہ حضرت امیر معاویہ کے دور میں قطاع الطرق یا محاربین پر حد شرعی نافذ کی جاتی تھی لیکن اگر محاربین میں سے کوئی تائب ہوجاتا تو بموجب حکم شرعی اس پر سے حد موقوف کردی جاتی' اس طرح دیگر حدود کے نفاذ میں بھی انتہائی احتیاط برتی جاتی تھی'

حد سرقہ سے متعلق ایک کیس مروان کے پاس پیش ہوا لیکن مروان نے حد جاری نہیں کی کہ سارق مفلوک الحال شخص تھا' مصنف عبدالرزاق کی روایت ہے:

".....عن هشام بن عروة قال: جئی الی مروان برجل سرق شاة' فاذا انسان مجهود مضرور' فقال ماارى اخذهاالا من ضرورة فلم يقطعه....." ❶

(ہشام بن عروۃ کہتے ہیں کہ مروان کے پاس ایک شخص لایا گیا جس نے بکری چرائی تھی' مگر چور غریب اور پریشان حال لگتا تھا' مروان نے کہا میں نہیں سمجھتا کہ اس نے یہ بغیر مجبوری کے چرائی ہوگی' چنانچہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا)

موطا امام مالک وامام محمد کی روایت ہے کہ ایک شخص مروان بن حکم کے زمانہ میں کچھ اچک کر لے گیا' مروان نے اس کا ہاتھ کاٹنا چاہا تو زید بن ثابتؓ اس کے پاس آئے اور اسے بتلایا کہ اس میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا ❷

روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

".....عن ابن شهاب ان رجلا اختلس شئيًا فی زمن مروان بن الحكم فاراد مروان قطع يده فدخل عليه زيد ابن ثابت فاخبره انه لاقطع عليه....." ❸

موطا ہی کی ایک اور روایت میں ہے کہ' ایک غلام نے کسی کے باغ سے کھجور کا پودا چرالیا اور اپنے

❶ مصنف عبدالرزاق: ۲۴۲ ج ۱۰ ❷ موطاء امام محمد: ص ۳۶۷ ❸ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۳۶۷

آقا کے باغ میں لگا دیا' پودے کا مالک اسے ڈھونڈنے نکلا اور اسے پالیا' اس نے مروان بن حکم کے پاس دعویٰ کیا' چنانچہ مروان نے غلام کو قید کر دیا اور اس پر حد سرقہ جاری کرنے کا ارادہ کیا' غلام کا آقا حضرت رافع بن خدیج صحابیؓ کے پاس گیا اور ان سے مسئلہ دریافت کیا' انہوں نے بتلایا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ پھل کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے نہ پودے کی چوری میں' اس شخص نے رافع سے کہا مروان نے میرے غلام کو پکڑ لیا ہے' اور اس کا ہاتھ کاٹنا چاہتا ہے' میری خواہش کہ آپ مروان کے پاس چل کر انہیں یہ حدیث بتلا دیں جو آپ نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے رافع بن خدیجؓ مروان کے پاس آئے اور اس سے کہا ''کیا تم نے اس غلام کو پکڑا ہے؟ اس نے کہا ہاں' پھر پوچھا تم اس کے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟ مروان نے کہا میں اس پر حد جاری کروں گا (اس کا ہاتھ کاٹنا چاہتا ہوں) رافع نے کہا میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ پھل اور پودے کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا' چنانچہ مروان نے غلام کو چھوڑنے کا حکم دیا۔

موطا کی اس روایت سے مزید معلوم ہوا کہ نظام حدود عہد بنی امیہ میں موجود تھا اور مجرموں کو شریعت اسلامیہ کے مطابق سزائیں دی جاتی تھیں' موطا کی روایت کا متن حسب ذیل ہے۔

".....عن محمد بن یحی بن حبان ان غلاماً سرق و دیاً من حائط سیده فخرج صاحب الودی یلتمس ودیه فوجده فاستعدی علیه مروان بن الحکم فسجنه واراد قطع یده فانطلق سیدالعبد الی رافع بن خدیج فساله فاخبره انه سمع رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول لا قطع فی ثمر ولا کثر والکثر الجمار قال الرجل ان مروان اخذ غلامی وهو یرید قطع یده فانا احب ان تمشی الیه فتخبره بالذی سمعت من رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فمشی معه حتی اتی مروان فقال له رافع اخذت غلام هٰذا فقال نعم قال فما انت صانع قال ارید قطع یده قال فانی سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول لا قطع فی ثمر و لا کثر فامر مروان بالعبد فارسل....."[1]

عہد بنی امیہ میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ ایک عرصہ تک مدینہ کے قاضی رہے' آپ نفاذ حدود کے سلسلہ میں خلفاء راشدین کے عمل پر قائم تھے' سلمہ ابن المحنون (ابی میمون) کہتے ہیں' میں نے اپنا

[1] ایضاً: حوالہ بالا' ۳۶۰

اونٹ مسجد کے باہر باندھا اور مسجد میں داخل ہوگیا' ایک شخص نے آ کر میرا اونٹ کھول دیا تو میں نے غصہ میں اسے کہہ دیا ''او ماں کے ساتھ زنا کرنے والے'' اس شخص نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے میری شکایت کردی' چنانچہ آپ نے مجھے (قذف کے) اسّی کوڑے لگوائے' وکیع نے اس روایت کو اخبار القضاۃ میں' مدینہ میں بنی امیہ کے دور کے قاضیوں کے باب میں اس طرح بیان کیا ہے:

".....عن ابی میمون' وھو سلمة بن المجنون' قال: عقلت بعیری' و دخلت المسجد فجاء رجل فاطلقه' فجئت الیه فقلت یا فاعلاً بامه' فرفعنی الی ابی ھریرة فضر بنی ثمانین....." ❶

عبدالملک بن مروان نے پوری اسلامی سلطنت میں حسب روایت خلفاء سابقہ' امراء اور قضاۃ کے تقرر کا سلسلہ جاری رکھا' چنانچہ حسان بن نعمان کو والی مصر مقرر کیا' جو کہ غسانی النسل تھے اور عبدالملک بن مروان کی حکومت کے مضبوط ستون سمجھے جاتے تھے' حسان نے پورے مصر میں قضاۃ کا ایک چینل قائم کردیا تھا جو کتاب اللہ اور سنت رسول کے مطابق فیصلے کرتے تھے' محمد علی دبور کہتے ہیں:

".....عین حسان القضاة للنواحی' یقضون الخصومات و یحکمون بین الناس بکتاب اللّٰہ و سنة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم....." ❷

(حسان نے ملک بھر میں قاضی مقرر کئے جو کہ مقدمات کے فیصلے کرتے تھے اور لوگوں کے معاملات کتاب اللہ اور سنت رسول کے مطابق نمٹاتے تھے)

عہد بنی امیہ کے نامور قضاۃ میں قاضی شریح کا نام تاریخی اہمیت کا حامل ہے' آپ طویل العمر قاضی تھے' ستاون ۵۷ برس منصب قضاء پر فائز رہے' حجاج بن یوسف کے زمانہ میں بہت ضعیف ہوگئے تھے اس لئے مستعفی ہوئے' وکیع کا بیان ہے:

".....عین شریح علی قضاء الکوفة و مکنه سنین طویلة' امتدت الی و لایة الحجاج علی العراق (کانت مدة استقضائه سبع و خمسین سنة) فقداسن شریح و طلب من الحجاج اعفاء ه مشیراً بتولیة ابی بردة ابن ابی موسی الاشعری فاعفاالحجاج و ولی اباابردة

❶ اخبار القضاۃ: مجلد ۱۱۱ ص ۱۱۱ ج ۱ ❷ تاریخ المغرب الکبیر: محمد علی دبور' مصر' ''عیسی البابی الحلبی'' ۱۹۶۳ء ص ۷۲

والخصومات التی نظر فیها شریح متنوعة وهی علی تنوعهالا تتعدی قضایا الا حوال الشخصیة' والحدود' والقصاص' و قضایا السوق....." ❶ توفی شریح سنة ۷۹ھ۔

(شریح کو کوفہ کا قاضی بنایا گیا اور وہ کئی سال تک قاضی رہے' ان کا عرصہ قضاء حجاج بن یوسف کے زمانہ تک پھیلا ہوا ہے کل مدت قضاء ۵۷ سال بنتی ہے' شریح بوڑھے ہو گئے تو انہوں نے حجاج سے درخواست کی کہ انہیں ریٹائر کر دیا جائے اور ان کی جگہ ابو بردہ ابن ابی موسیٰ الاشعری کو قاضی مقرر کیا جائے' چنانچہ حجاج نے ان کا مشورہ مان لیا' انہیں رخصت دے کر ابو بردہ کو قاضی مقرر کیا۔ شریح نے جن مقدمات کے فیصلے کئے وہ مختلف النوع ہیں' اور ان کا تعلق زیادہ تر سول کیسز' حدود و قصاص کے مقدمات اور کمرشل کیسز سے ہے ۷۹ ہجری میں شریح کا انتقال ہوا۔ ❷

عبدالملک بن مروان نے ۸۹ھ (۷۰۷ء) میں عمران بن عبدالرحمٰن الحسنی کو مصر میں قاضی مقرر کیا اور صاحب شرطہ کا اضافی چارج بھی انہی کے سپرد کیا' چنانچہ ایک بار امیر مصر کے کاتب' میر منشی (Secretary) کے بارے میں معلوم ہوا کہ اس نے شراب پی ہے' گواہ بھی موجود تھے' جن کی گواہی سے الزام پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا' قاضی صاحب نے ''حد شرب'' لگانے کا ارادہ کیا تو امیر نے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا' چنانچہ قاضی صاحب نے یہ کہتے ہوئے استعفاء دے دیا کہ اگر مجھے نفاذ حد کی ممانعت ہے تو پھر میں منصب قضاء پر فائز نہیں رہ سکتا۔ ❸

ولید بن عبدالملک کے دور حکومت (۸۶ تا ۹۶ھ/ ۷۰۵۔۷۱۴ء) کے نظام قضاء میں نفاذ حدود کا سلسلہ قائم تھا' اور مسجد میں بعض مجرموں پر حدود جاری کی جاتی تھیں۔ حتیٰ کہ امراء اور خلفاء کے قریبی عزیز و اقارب بھی ان سے بچ نہ سکتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ولید کے ماموں نے شراب پی اور وہ نشہ کی حالت میں مسجد میں آ گیا سعد بن ابراہیم جو مدینہ کے قاضی تھے مدینہ سے ادھر (شام) آئے ہوئے تھے' انہوں نے اسے اس حالت میں دیکھا تو پکڑ کر حد خمر (اسّی کوڑے) لگا دی۔

وکیع نے اسے اس طرح بیان کیا ہے:

---

❶ اخبار القضاۃ: الوکیع' ص ۲۳۲ تا ۲۷۶ ❷ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۲۳۲' ۲۴۵' ۲۵۲' ۲۷۳' ۲۷۶

❸ النظام القضائی فی بغداد فی العصر العباسی: عبدالرزاق علی الانباری عراق ''النجف الاشرف' مطبعۃ النعمان'' ۱۹۷۵ء ص ۶۸

".....کتب الولید الی سعد ان استخلف عبیداللّٰہ بن عمر علی القضاء واقدم علینا فولی عبیداللّٰہ و رکب الی الشام واقام بباب الخلیفة اياماً لایوذن له حتی اضربه طول القیام' فبینما هو ذات عشیة اذا هو بفتی فی صفراء سکران' فقال ما هذا؟ قالوا: هٰذا خال امیرالمؤمنین' سکران یطوف فی المسجد' فقال لمولی له: هلم السوط' فاتاه به' وقال: عليّ به' فاتی به فضربه فی المسجد ثمانین سوطاً....."❶

عہد بنی امیہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا دور حکومت عدل وانصاف کے لحاظ سے تابناک دور ہے' کہ آپ کو عمر ثانی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے' اقامت عدل میں آپ کا کردار اسلامی تاریخ کا ایک سنہری باب ہے' حدود کے معاملات آپ خود نمٹاتے تھے'

آپ کا حکم تھا کہ کوئی قاضی اس وقت تک حد جاری نہ کرے جب تک کیس میرے سامنے پیش نہ ہو' اور میں نفاذ حد کا قطعی فیصلہ صادر نہ کردوں۔

شیخ محمد خضری بک کہتے ہیں کہ:

".....وقد ضیق علی الامراء عمر بن عبدالعزیز بعض التضییق لانه ثقته کانت بهم قلیلة وقد هتم علیهم ان لا ینفذوا حداً من الحدود من قتل اَو طهع الاِ اِذا عُرِض علیه واَمر بتنفیذه....."❷

(حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے امراء پر خاصی سختی کی کیونکہ وہ امراء پر بہت کم اعتماد کرتے تھے اور آپ نے یہ (Standing Order) حکم دے رکھا تھا کہ کوئی بھی امیر ان سے رجوع کئے بغیر کسی مقدمہ میں حد نافذ نہ کرے)

موطا امام محمد میں ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ایک غلام کو قذف کی پوری حد لگائی' حالانکہ غلاموں کے لئے نصف حد کا حکم ہے' لیکن آپ نے غالباً اپنے اجتہاد سے کام لیا یا غلام کے جرم کی شناعت کے پیش نظر اس میں اضافہ کیا اور اسّی (۸۰) کوڑے لگائے' موطا کی روایت حسب ذیل ہے:

".....اخبرنا مالك اخبرنا ابو الزناد عن عمر بن عبدالعزیز انه جلد عبداً فی

---

❶ اخبار القضاۃ: وکیع' محولہ سابقہ' ص ۱۶۲

❷ الدولۃ الامویۃ: محمد الخضری بک' بیروت' لبنان' "موسسۃ دار الکتاب الحدیث" ۱۹۸۹ء ص ۵۰۰

فرية ثمانين....."❶

(مالک نے بواسطہ ابوالزناد ہمیں خبر دی کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک غلام کو ایک مقدمہ میں اسّی کوڑے کی سزا دی)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں مجرموں سے رعایت نہیں برتی جاتی تھی اور جرم ثابت ہونے پر قاضی خلیفہ کے حکم سے حد جاری کرتے تھے' عامر بن شراحیل شعبی آپ کے دور کے ایک قاضی تھے' ابن شبرمہ کہتے ہیں میں نے انہیں دیکھا کہ وہ مسجد میں ایک شخص کو حد لگا رہے تھے۔❷

انہی عامر بن شراحیل الشعبی کے پاس ایک نصرانی کو لایا گیا جس نے مسلمان پر تہمت لگائی تھی اور مسلمان نے بھی نصرانی پر تہمت لگائی' چنانچہ عامر نے نصرانی کو تو دو سو کوڑے لگائے مگر مسلمان کو سزا نہیں دی بلکہ یہ کہا کہ تم پر پہلے ہی اس سے بھی سخت پھٹکار ہے یعنی مشرک ہونا' وکیع کہتے ہیں:

".....عن طارق بن عبدالرحمن ان الشعبی اتی بنصراني قذف مسلماً و قذف المسلم النصرانی' فجلدالنصرانی للمسلم مائتین' ولم یجلدالمسلم للنصرانی شیاءً وقال فیك اعظم من ذلك' الشرك....."❸

مسعودی کا بیان ہے کہ قاسم بن عبدالرحمٰن نے جو کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی طرف سے قاضی کوفہ تھے' ایک غلام کو آزاد شخص پر تہمت لگانے کے الزام میں اسّی کوڑے لگوائے' وکیع کہتے ہیں:

".....حدثنا المسعودی عن القاسم (ای القاسم بن عبدالرحمن قاضی الکوفة) انه ضرب عبداً افتری علی حرثمانین سوطاً....."❹

ایک اور روایت بھی اس بات کی مؤید ہے کہ عہد عمر بن عبدالعزیز کے قاضی حدود جاری کیا کرتے تھے' چنانچہ مسعودی ہی کا کہنا ہے کہ میں قاسم بن عبدالرحمٰن کے ہاں گیا تو دیکھا کہ انہوں نے ایک غلام کو ایک مقدمہ میں اسّی کوڑے لگائے' اس پر عبدالحمید بن زید نے ان سے سوال کیا کہ غلام کو اسّی کوڑے کیوں لگائے گئے' تو انہوں نے کہا کہ اللہ کا حکم ہے کہ اسّی کوڑے لگاؤ۔

عبدالحمید نے ابوالزناد سے پوچھا کہ کیا تم لوگ اسی طرح سزا دیا کرتے تھے' تو انہوں نے کہا کہ ہم تو ایسا نہیں کرتے تھے' لیکن عمر بن عبدالعزیز نے غلاموں کو اسّی کوڑے لگوانا شروع کئے'

❶ موطاء امام محمد: ص ۳۷۲ ❷ اخبار القضاۃ: حوالہ بالا' ص ۴۱۵ ج ۲
❸ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۴۱۳' ۴۱۵ ج ۲ ❹ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۸ ج ۳

قاسم نے کہا کہ ابن مسعود کا قول بھی یہی ہے کہ غلاموں کو اسّی کوڑے لگائے جائیں' وکیع نے اس روایت کو یوں نقل کیا ہے:

".....حدثنا المسعودی' قال شهدت القاسم بن عبدالرحمٰن جلد عبداً فی قریة ثمانین' فقال له عبدالحمید بن عبدالرحمن بن زید جلدت العبد ثمانین؟ قال نعم قال لم؟ قال لقوله عزوجل فاجلدوهم ثمانین جلدة فقال عبدالحمید لابی الزناد' اکذالك کنتم تفعلون؟ قال' ماکنا نفعل حتی کان عمر بن عبدالعزیز جلد ثمانین' وقال قاسم بن عبدالرحمن' ان ابن مسعود قال: یجلد ثمانین....." ❶

ابوبکر بن حزم عہد عمر بن عبدالعزیز میں مدینہ کے ایک قاضی ہوتے تھے' ان کے بارے میں وکیع کا بیان ہے:

".....جلد ابوبکر بن حزم اذ کان قاضیاً علی المدینة عبداً قذف حرة او حراً ثمانین....." ❷

(ابوبکر بن حزم جب مدینہ کے قاضی تھے تو آپ نے ایک غلام کو حد قذف کے اسّی کوڑے لگائے)

ایاس بن معاویہ بصرۃ کے قاضی تھے آپ کا انتقال ۱۲۰ھ ۷۳۸ء میں ہوا' الانباری کہتے ہیں:

".....وقد حکم ایاس' قضایا تتعلق بالحدود' واخری تتعلق بالقصاص' وکان مجلسه فی المسجدالجامع فی البصرة....." ❸

(ایاس نے حدود سے متعلق قضایا کے فیصلے کئے اور ان کے علاوہ قصاص سے متعلق بھی' وہ بصرہ کی جامع مسجد میں عدالت لگایا کرتے تھے)

ہشام بن عبدالملک کے دور (۱۰۵۔۱۲۵ھ ۷۲۳۔۷۴۳ء) میں یوسف بن عمر (۱۲۰۔۱۲۲ھ ۷۳۸۔۷۴۰ء) کوفہ کے گورنر تھے انہوں نے ابن ابی لیلیٰ کو قاضی مقرر کیا' چنانچہ ابن ابی لیلیٰ کو منصب قضاء تفویض کئے جانے کا حال الانباری نے یوں بیان کیا ہے:

".....وفی عهد یوسف بن عمر (۱۲۰۔۱۲۲ھ) استقضی علی الکوفة ابن ابی لیلی' استدعاه الی مجلسه وقلده قضاء الکوفة تعطینا صورة عن

❶ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۹۰۸ ج ۳ ❷ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۱۳۹ ج ۱ ❸ النظام القضائی فی بغداد: محولہ بالا' ص ۸۴

تقلیدالقضاۃ فی عھدالاموی' قال لہ: "ولیتك القضاء بین اھل الکوفة واجریت علیك مائة درھم فاجلس لھم بالغداۃ والعشی فانما انت اجیری للمسلمین" وقد شوھد ابن ابی لیلی وھو یضرب الحدود فی المسجد....."❶

(یوسف بن عمر کے زمانہ اقتدار (۱۲۰۔۱۲۲ھ ۷۳۸۔۷۴۰ء) میں ابن ابی لیلیٰ کو کوفہ کا قاضی بنایا گیا' منصب قضا پر فائز کرتے ہوئے انہیں جو ہدایات دی گئیں ان سے اموی دور میں تعیین قضاۃ کے طریقہ کار کا علم ہوتا ہے' خلیفہ نے کہا میں تمہیں کوفہ کے لوگوں پر قاضی بناتا ہوں اور ایک سو درہم تنخواہ مقرر کرتا ہوں' تم ان کے مقدمات سننے کے لئے صبح وشام نشست رکھنا اور تم میری طرف سے مسلمانوں کے خادم ہو' چنانچہ ابن ابی لیلیٰ کو دیکھا گیا کہ وہ مسجد میں لوگوں پر حد جاری کرتے تھے)

عہد بنی امیہ میں ہندوستان کے بعض علاقے' اسلامی قلمرو میں داخل ہو چکے تھے' چنانچہ نفاذ حدود کا سلسلہ یہاں بھی جاری ہو چکا تھ' ہندوستان کے حوالہ سے قاضی اطہر مبارک پوری لکھتے ہیں:

".....اموی دور میں خاص طور سے ایسے امراء کا انتخاب کیا جاتا تھا جو کتاب وسنت اور اسلامی احکام وشرائع کے عالم ہوتے تھے اور وہ اپنے دارالامارۃ میں عدالت کرتے تھے' بعض مقامات پر محکمہ قضاء کے لئے علیحدہ قضاۃ مقرر کئے جاتے تھے' ایسا بھی ہوتا تھا کہ امیر کے ساتھ ساتھ علماء ومشائخ کی جو جماعت ہوتی تھی اس میں سے کسی صاحب کو عہدہ قضاء دے دیا جاتا تھا' چنانچہ ہندوستان میں بھی یہی صورت تھی' یہاں باقاعدہ محکمہ قضاء یعنی اسلامی عدالت کا قیام تھا' جس میں مسلمانوں کے قضایا اسلامی قوانین کی روشنی میں طے کئے جاتے تھے' حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے سیوستان میں ایک خطیب و قاضی مقرر کیا تھا اور یہ عہدہ نسلاً بعد نسل مدتوں چلتا رہا' اسلامی عدالت یا دارالقضاء میں صرف مسلمانوں کے قضایا ومقدمات کے فیصلے ہوتے تھے جن میں اسلامی قوانین و تعزیرات کا اجراء ہوتا تھا....."❷

عہد بنی امیہ میں قضاء کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ اس پر حکمرانوں کا بے جا تسلط اور خواہ مخواہ کی

---

❶ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۹۲

❷ خلافت امویہ اور ہندوستان: قاضی اطہر مبارکپوری' سکھر نظر وفکر پبلیکیشنز سندھ اسلامک سینٹر' ۱۹۸۶ء ص ۲۰۴' ۲۰۵

مداخلت نہیں تھی' قاضی مقدمات کے فیصلے کرنے میں آزاد تھے اور کتاب اللہ وسنت رسول کی روشنی میں مجرموں پر حدود وتعزیرات کا نفاذ کرتے تھے' سیاست کا بھی عدالت پر کوئی اثر نہ تھا اور عدلیہ آزادانہ ماحول میں شریعت کی تطبیق کا فریضہ انجام دے رہی تھی' اس خوشگوار ماحول اور عدالت کی آزادانہ پالیسی کا تذکرہ توفیق سلطان الیوز بکی نے اس طرح کیا ہے:

".....وفی العصر الاموی لم یتدخل خلفاء بنی امیة فی احکامه کما لم یتاثر القضاة بالسیاسة' فکان القاضی یحکم بمایملی علیه علمه بکتاب اللّٰه و سنة رسوله و احکام الخلفاء الراشدین وما یوحیه الیه اجتهاده....." ❶

(عصر اموی میں خلفاء بنی امیہ عدالت کے معاملات میں مخل نہیں ہوتے تھے اور نہ ہی عدلیہ پر سیاسی اثرات اثر انداز ہوتے' قاضی علم کتاب وسنت' نظائر خلفاء راشدین اور اجتہاد کی روشنی میں مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے)

عہد بنی امیہ کے نظام قضاء اور اس دور میں نفاذ حدود کے حوالہ سے جو بعض تاریخی شواہد سابقہ صفحات میں پیش کئے گئے ہیں ان سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ عہد بنی امیہ میں شرعی حدود نافذ تھیں' تاریخ مراجع ومصادر اس دور کے عدالتی فیصلوں کا کوئی باقاعدہ ریکارڈ مہیا نہیں کر سکے' اس کی وجہ غالباً اس دور میں عدالتی فیصلوں کو تحریری دستاویزات کی شکل میں مرتب ومدون نہ کرنا ہے۔

محمود بن محمد عرنوس جو تاریخ قضاء کے حوالہ سے علمی دنیا میں معروف مورخ کے طور پر جانے جاتے ہیں' اس طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

".....خلافت راشدہ اور خلافت بنی امیہ کے زمانہ میں قضاء کا شعبہ ابتدائی مراحل میں تھا اور ابھی وقت نہ آیا تھا کہ مقدمات کے فیصلوں کو ضبط تحریر میں لا کر ان کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا جاتا کیونکہ جو لوگ اپنے تنازعات کا تصفیہ کرانے کے لئے قاضی کی عدالت میں حاضر ہوتے تھے' ان کی حیثیت بالعموم مستفسر کی ہوتی تھی' قاضی جو فیصلہ کرتا تھا اس کی تعمیل خاموشی سے کر دی جاتی تھی لیکن بعد میں جب اہم معاملات عدالتوں میں پیش

❶ دراسات فی النظم العربیة والاسلامیة: توفیق سلطان الیوز بکی' عراق "وزارة التعلیم العالی والبحث العلمی جامعة الموصل' ۱۹۷۷ء ص ۱۵۵

ہونے لگے اور فیصلوں کے بارے میں بھی اختلاف ہونے لگا تو یہ ضروری ہوا کہ انہیں باقاعدہ ضبط تحریر میں لایا جائے.....'' ❶

علاوہ ازیں مؤرخین نے تاریخ مرتب کرتے وقت نظام قضاء کا بڑا سرسری سا جائزہ پیش کیا ہے' تاریخ قضاء لکھنے والے مؤرخین نے قضاۃ کے احوال پر زیادہ زور صرف کیا اور ان کے صادر کردہ اہم تاریخی فیصلوں پر کوئی خاص توجہ نہیں دی' یہی وجہ ہے کہ عہد بنی امیہ و بنی عباس کے طویل تاریخی دور میں بہت کم واقعات عدالتی کاروائیوں یا فیصلوں کے بارے میں محفوظ رہ سکے ہیں۔

عہد بنی عباس (۱۳۲۔۶۵۶ھ ۷۵۰۔۱۲۵۸ء)

عہد بنی عباس کے نظام قضاء میں تطبیق حدود کا عمل اور بھی نکھر چکا تھا کیونکہ یہ اجتہاد کا دور تھا اور چار مشہور فقہی مذاہب باقاعدہ سامنے آ چکے تھے جن کے اثرات نظام قضاء پر نمایاں تھے'

محمد فاروق نبھان کہتے ہیں:

".....تطور النظام القضائی فی العصرالعباسی تطوراً کبیراً عما کان علیه فی عصرالخلفاء الراشدین و عصرالامویین بسبب حرکة الاجتهاد و ظهور المذاهب الاجتهادیة المختلفة' و حرکة التدوین التی رافقت ذلك ولم یعدالقاضی یملك حق الاجتهاد فی القضایا التی تعرض علیه و انما اقتصر عمله فی تقلیدالائمة المجتهدین و تطبیق آرائهم دون ان یکون مفوضاً بالخروج عنها۔

و اصبح لکل قطر من الاقطار الاسلامیة مذهب معین تاخذالدولة به و یعتبر القضاة ملزمین بالتقید به فکان القاضی فی العراق یاخذ بمذهب ابی حنیفة' و القاضی فی مصر یاخذبمذهب الامام الشافعی و القاضی فی المغرب یحکم بقتضی رای الامام المالك ....." ❷

(عہد بنی عباس میں نظام قضاء کافی ترقی کر چکا تھا اور اجتہاد کی تحریک کے اٹھنے اور مختلف اجتہادی مذاہب کے ظاہر ہو جانے کے سبب خلافت راشدہ و بنی امیہ کے دور کے نظام قضاء سے زیادہ ترقی یافتہ ہو چکا تھا' مزید یہ کہ اس دور میں تدوین کی تحریک نے اسے چار چاند لگائے' چنانچہ بنی عباس کے دور کا قاضی مختلف قضایا میں خود اجتہاد نہیں کرتا تھا

❶ تاریخ القضاء فی الاسلام: ص ۶۶' ۶۷ ❷ نظام الحکم فی الاسلام: محمد فاروق نبھان' محولہ بالا' ص ۶۲۳

بلکہ قاضی کا کام صرف یہ تھا کہ وہ آئمہ مجتہدین کی تقلید کرتے ہوئے ان کی آراء کے مطابق فیصلہ کرتا تھا اور اسے فقہی آراء سے تجاوز کا اختیار نہ تھا اسلامی دنیا کے ہر حصہ میں حکومت کسی خاص فقہی مسلک کے مطابق عمل کرتی تھی چنانچہ عراق میں امام اعظم ابوحنیفہ' مصر میں امام شافعی' اور مغرب میں امام مالک کے مسلک کے مطابق قاضی فیصلے کرتے تھے)

مہدی کے عہد (۱۵۸ھ/۷۷۵ء) میں بنی عباس نے دیوان المظالم قائم کیا جو لوگوں کی دادرسی کا ایک اہم شعبہ تھا۔

قاضی القضاۃ (Chief Justice) کا عہدہ بھی بنی عباس کے دور میں متعارف ہوا' ہارون رشید کے زمانہ میں قاضی القضاۃ کو دیگر تمام قاضیوں کا سربراہ قرار دیا جاتا تھا' ہارون رشید کے زمانہ میں قاضی القضاۃ یا چیف جسٹس کے عہدہ پر کام کرنے والوں میں امام ابو یوسف کا نام خاص طور پر نمایاں ہے۔ محمد فاروق نبھان کہتے ہیں:

".....ظهر منصب القاضي القضاة في عهدالعباسيين الذي يعتبر الرئيس الاعلى لجميع القضاة التابعة له وممن تولى منصب قاضي القضاة ابو يوسف يعقوب بن ابراهيم' صاحب ابي حنيفة و مولف كتاب الخراج' وهو اول من عين في منصب قاضي القضاة في عهد هارون الرشيد"[1]

(قاضی القضاۃ کا عہدہ عباسیوں کے دور کی اختراع ہے جو کہ اپنے ماتحت تمام قاضیوں کا رئیس ہوتا ہے' قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز ہونے والے قاضیوں میں امام ابوحنیفہ کے شاگرد قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم مولف کتاب الخراج خاص طور سے قابل ذکر ہیں جنہیں ہارون الرشید کے زمانہ میں اس منصب پر فائز کیا گیا۔)

علاوہ ازیں یمن' عراق' اور فارس کے بعض علاقوں میں مذہب زیدی اور دیگر مذاہب فقیہہ کے مطابق نظام قضاء رائج تھا اور شرعی حدود کا نفاذ وہاں کی اکثریتی آبادی کے فقہ کے مطابق انجام پاتا تھا' توفیق سلطان یوزبکی کہتے ہیں:

".....وفي العصر العباسي المتاخر حدث تطور في نظام القضاء و تطورت

---

[1] ایضاً: حوالہ بالا' ص ۶۲۴

المذاهب الاسلامية فاصبح القاضي ملزماً بان يصدر احكامه وفق احد هذه المذاهب فكان القضاة في العراق يحكمون وفق مذهب ابي حنيفة و في الشام والمغرب وفق مذهب مالك وفي مصر وفق مذهب الشافعي' وهناك مذاهب اخرى كمذهب الزيدية في اليمن و مذهب الامامية في العراق وفارس....."❶

(یعنی عباسی دور میں مذاہب اسلامیہ کے ظہور سے ترقی ہوئی اور قاضی اس بات کے پابند ہوگئے کہ وہ انہی مذاہب میں سے کسی مذہب کے مطابق فیصلے کریں' چنانچہ عراق کے قاضی' مذہب ابی حنیفہ کے مطابق' شام اور مغرب کے قاضی مذہب امام مالک کے مطابق اور مصر کے قاضی مذہب شافعی کے مطابق فیصلے کرتے تھے' تاہم اور بھی کئی ایک مذاہب رائج تھے جیسے یمن میں مذہب زیدی اور عراق وفارس میں مذہب امامیہ)

مندرجہ بالا اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنی عباس کے دور میں عدالتی نظام اسلام کے نظام عدل کے تابع تھا اور مذاہب مشہور کے مطابق عدالتیں فیصلے کرتی تھیں۔ مختلف عدالتوں میں مختلف نوعیت کے قضایا پیش ہوتے تھے' اور اسی کے مطابق عدالتوں کا دائرہ کار بھی متعین تھا' چنانچہ دیوانی وفوجداری مقدمات (Civil & Criminal Cases) کے لئے الگ الگ قاضی تھے' بغداد کی بعض عدالتیں صرف چند مخصوص قسم کے مقدمات لیتی تھیں جبکہ جنرل عدالتوں میں جس قسم کے مقدمات پیش ہوتے تھے ان کی ایک مختصر سی فہرست الانباری نے بیان کی ہے' وہ کہتے ہیں:

".....وقد جرى العرف في بغداداان تحدد صلاحيات القاضي' اما قاضياً عاماً ينظر في جميع الامور او خاصاً ينظر في بعضها دون سواها'

فالعام ينظر في:

١۔ تثبيت الحقوق لا صحابها۔

٢۔ استيفاء الحقوق بعد ثبوتها في مجلس القضاء۔

٣۔ النظر في عقود الزواج والبيوع وغيرها عندالاختلاف فيها۔

٤۔ فصل النزاع والشجار في حقوق الاملاك على اختلافها۔

❶ دراسات في النظم العربية والاسلامية: توفیق سلطان' محولہ بالا' ص ۱۵۵' ۱۵۶

۵۔ الولاية على الايامى فى عقود مناكحين۔

٦۔ الولاية على المحجورين' لصغر سن' او المجنون' او السفه الموجب للحجر۔

۷۔ النظر فى اموال الغآئبين اذا كانوالا يعلمون بانهم ورثوها حتى يقدموا او يوكلو عنهم وكيلا' والحكم بنفقات الاقارب والزوجات' وتقديرها برايه واجتهاده۔

۸۔ النظر فى الوقوف والوصايا' وان كان فيما نظر راعاها' وان لم يكن تولاها بنفسه۔

۹۔ النظر فى التعديل والجرح' والتقليد' والعزل لشهودالعدول وامنائه و خلفائه النائبين عنه۔

۱۰۔ اقامة الحدود على مستحقيها' والحكم بالقصاص على مستحقيه مراعياً فى ذلك اجتهاده....."❶

مذکورہ بالا فہرست میں عام قاضیوں کے فرائض یا بالفاظ دیگر جنرل عدالتوں کے دائرہ اختیار میں نفاذ حدود کا کام بھی تھا' جیسا کہ دیگر مورخین❷ نے بھی ذکر کیا ہے۔

بنوامیہ کے دور میں قاضیوں کے تقرر میں اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا تھا کہ وہ جید عالم ہوں اور انہیں احکام شریعت پر مکمل عبور (Full command) ہو' اور انہیں یہ اختیار دیا جاتا تھا کہ وہ بغیر کسی سرکاری مداخلت کو قبول کئے' شریعت اسلامیہ کا سختی سے نفاذ کریں' الانباری کے بقول:

".....فى ظل العباسيين اصبح قاعدة ثابتة بان القاضى يجب ان يكون متضلعاً فى الشريعة' ومنذ تعيينه حتى اعفائه لم يكن يطبق سوى الشريعة دون تدخل من الحكومة....."❸

خلفائے بنی عباس نے نظام عدل میں جب تک مداخلت سے گریز کیا ان کی حکومت نہایت کامیابی و کامرانی سے چلتی رہی' بعض عباسی خلفاء تو صرف ایسے قاضیوں کا تقرر کرتے تھے جو بذات خود اس قدر قوی Bold ہوں کہ کسی کی مداخلت کو قبول نہ کریں اور آزاد عدلیہ کا تشخص برقرار

❶ النظام القضائی فی بغداد: الانباری' محولہ بالا' ص ۲۵۱ ❷ کتاب الولاۃ والقضاۃ: الکندی' ص ۴۷۰
❸ النظام القضائی فی بغداد: ص ۱۱۹

رکھنے والے ہوں' خلیفہ المنصور (۱۳۷۔۱۵۹ھ/۷۵۴ء۔۷۷۵ء) کہا کرتا تھا کہ میرے دروازہ پر چار آدمیوں کا ہونا ازبس ضروری ہے اور ان میں سے ایک قاضی ہے جو اپنے کام میں لومتہ لائم کی پرواہ نہ کرے' دوسرا صاحب شرطہ ہے' جو قوی سے ضعیف کا انصاف لے' تیسرا صاحب خراج ہے جو پورا پورا خراج وصول کرے اور رعیت پر ظلم نہ کرے اور چوتھا صاحب برید۔ ❶

ہارون رشید نے قاضی القضاۃ (Chief Justice) کا عہدہ متعارف کرایا اور اس عہدہ پر سب سے پہلے امام ابو یوسف کا تقرر کیا' خلیفہ قاضیوں کے تقرر میں ان سے مشورہ لیتا تھا پھر کچھ عرصہ بعد قاضیوں کے تقرر کا اختیار انہیں کو دے دیا' اس طرح قاضی القضاۃ کو قاضیوں کے تقرر اور برطرفی کے حقوق حاصل ہو گئے تھے' ڈاکٹر منیر العجلانی کہتے ہیں:

".....كان الخليفة المنصور يولى القضاة مباشرة' سواء فى العاصمة او فى البلدان وجرى خلفاء على طريقته' حتى جاء هارون الرشيد' فاتخذ قاضياً (ابا يوسف) ولقب "بقاضى القضاة" وكان لا يولى قاض ولا يعزل الا باشارته' ثم اعطى قاضى القضاة حق تولية القضاة ومن غير ان يرجع الى الخليفة' وهكذا كان قاضى القضاة قاضياً و وزيراً للعدل واسع السلطة....." ❷

(خلیفہ المنصور خود دارالخلافہ اور دیگر علاقوں میں قضاء کے فرائض انجام دیتا تھا اسی نہج پر دیگر خلفاء نے بھی کام کیا تا آنکہ ہارون رشید خلیفہ ہوا تو اس نے ابو یوسف کو قاضی بنایا اور انہیں قاضی القضاۃ کا لقب دیا' خلیفہ ان کے مشورہ کے بغیر نہ تو کسی کو قاضی بناتا تھا نہ کسی قاضی کو معزول کرتا تھا پھر خلیفہ نے تعیین قضاۃ کا کام بھی انہی کے سپرد کر دیا)

"الحارث بن مسكين (٢٣٧ـ٢٤٥ھ) ضرب حداً فى سب عائشة ام المؤمنين رضى الله عنها' و تهدد بالرجم و قتل نصرانياً سب النبى صلى الله عليه وسلم بعد ان جلده الحد' وامر بضرب عنق رجلين نصرانيين شهد عنده انهما ساحران....." ❸

بنوعباس کے عمومی نظام کے بارے میں الانباری کہتے ہیں:

---

❶ تاریخ الکامل: ابن الاثیر' محولہ سابقہ' ص ۲۱۷ ❷ عبقریۃ الاسلام فی عصر الحکم: ص ۳۴۳

❸ الولاۃ والقضاۃ: الکندی' ص ۴۷۰

".....و كانت محاولة الخلفاء العباسيين في هذه الادوار ان يوكدوا سلطتهم الدينية والدائرة القضائية خير مجال لتطبيق هذه السلطة' فالخليفة المتقي لله يقلدالقاضي الخرقي (٣٢٠ھ) بغداد باسرها' مصر' والمغرب' والرملة' والبصرة و كور دجله و قطعة من السواد' وفي بداية العهدالبويهي في بغداد (٣٣٤ھ) قلدالمطيع محمد بن الحسن بابن ابي الشوراب قضاء الشرقية والحرمين' واليمن' و مصر وسرى من راى و قطعة من اعمال سواد' و بعض اعمال الشام' وسقي الفرات و واسط' وفي سنة ٣٩٠ھ قلد قاضيان في بغداد ثم اضيفت اليهم مناطق اخرى' مثلاً الكرخ' والكوفة' وسقي الفرات لحسين بن هارون الضبي و طريق الدجلة و طريق الخراسان لابي الحسن الخرزي....." ❶

(یعنی عباسی خلفاء کی اپنے ادوار خلافت میں یہ کوشش رہی کہ وہ اپنی دینی و مذہبی برتری کو قائم رکھیں اور اس کے لئے محکمہ قضاء بہترین وسیلہ تھا جس کے ذریعہ وہ دینی احکام کو نافذ رکھ سکتے تھے' چنانچہ خلیفہ المتقی للہ نے ۳۲۰ھ (۹۴۲ء) میں امام الخرقی کو بغداد اور اس کے ماتحت علاقہ جات مصر' المغرب' الرملہ' بصرہ' کور دجلہ' اور سواد کے کچھ حصہ پر قاضی مقرر کیا' جبکہ بغداد میں اسی عہد کے آغاز (۳۳۴ھ) ہی میں المطیع محمد بن الحسن نے قاضی ابن ابی الشوارب کو شرقیہ' حرمین' یمن' مصر' سری من رائی اور سواد کے کچھ علاقوں' نیز شام اور فرات کے کنارے آباد کچھ حصوں اور واسط پر قاضی مقرر کیا' جبکہ ۳۹۰ھ (۹۹۹ء) میں بغداد میں دو قاضی مقرر کئے گئے جن کی زیر نگرانی بغداد کے علاوہ کچھ اور علاقے بھی تھے جیسے' الکرخ' کوفہ' اور فرات کے کنارے آباد کچھ علاقے قاضی حسین بن ہارون الضبی کی ماتحتی میں جبکہ دجلہ کی پٹی اور خراسان کے بعض علاقے ابوالحسن الخرزی کو دیئے گئے۔

نظام حدود شرعیہ کی تطبیق اور اسلامی نظام عدل کے قیام کو موثر بنانے کے لئے بنو عباس کے دور میں پوری اسلامی قلمرو میں قضاۃ کا ایک طویل (Channel) سلسلہ پھیلا ہوا نظر آتا ہے' ابن طولون نے قضاۃ دمشق بعہد بنی عباس کی ایک طویل فہرست ذکر کی ہے ❷

---

❶ النظام القضائی فی بغداد: الانباری' ص ۲۲۷

❷ قضاۃ الدمشق: شمس الدین ابن طولون' دمشق' المجمع العلمی العربی' ۱۹۵۶ء ص ۳۳۹' ۳۵۳

اسی طرح، نعمان العراق نے الجزائر، وبصرہ کے قاضیوں کی مستقل تاریخ لکھی ہے❶ ان کے علاوہ مصر کے قاضیوں کے حالات پر الکندی کی الولاۃ والقضاۃ میں عہد بنی عباس کے معروف قضاۃ کا ذکر ہے❷

جناب محمد اللہ عہد بنو عباس کے نظام عدل کا مختصر حال یوں بیان کرتے ہیں:

"....The administration of justice was carried on by the Kazis with limited and unlimited powers. Their functions were in general similer to those of the Kazis during the time of the Umayyad Khalifas...."❸

یعنی نظام قضاء مکمل یا محدود اختیارات کے ساتھ قاضیوں کے ذمہ تھا، ان کے فرائض واختیارات یا دائرہ عمل تقریباً وہی تھا جو بنوامیہ کے زمانہ کے قاضیوں کا تھا؟

مندرجہ بالا تاریخی حقائق وشواہد اس بات کے ٹھوس ثبوت ہیں کہ بنو عباس کے دور میں بھی عہد رسالت، خلافت راشدہ اور بنوامیہ کی طرح نظام حدود قائم تھا اور اب اس نظام نے اس قدر ترقی کر لی تھی کہ ہر فقہی مذہب کے قاضیوں کا تقرر ہونے لگا تھا اور محکمہ عدل ایک مستقل حیثیت کا مالک تھا جس کا سربراہ چیف جسٹس یا قاضی القضاۃ تھا جو اجرائے حدود کے مقدمات میں فائنل (FINAL) اتھارٹی تھا۔

اندلس (SPAIN) بعہد بنی عباس

اندلس میں عہد بنو عباس (۴۴۷۔۶۵۶ھ/۱۰۵۵۔۱۲۵۸ء) میں قرآن وسنت کے احکامات رائج تھے اور قاضی حضرات اندلس اور المغرب میں فقہاء کے مشہور مذاہب میں سے مذہب مالکی کے مطابق نفاذ حدود کا فریضہ انجام دیتے تھے، حسن ابراہیم حسن کہتے ہیں:

".....وكان القرآن والسنة مصدر التشريع في الاندلس ويسير القضاة في الاندلس والمغرب حتى اليوم على وفق مذهب الامام مالك بن انس، ويقوم بتنفيذ هذه الاحكام الحكام والولاة....."❹

---

❶ معدن الجواہر بتاریخ البصرۃ والجزائر: نعمان بن محمد بن العراق اسلام آباد "مجمع البحوث الاسلامیۃ" ۱۹۹۳/۱۹۷۳ ص ۱۰

❷ الولاۃ والقضاء: الکندی، محولہ بالا

❸ Muhammad-ullah, Al-Haj, The administratio of Justice of Muslim Law, Idarah-i-Adbiy at-i-Ue hli, India 1926 p33

❹ تاریخ الاسلام السیاسی والدینی: حسن ابراہیم حسن، ص ۳۸۲ ج ۴

(قرآن وسنت اندلس میں قانون کے بنیادی مصدر تھے اور مغرب میں نظام قضاء آج بھی امام مالک بن انس کے مذہب کے مطابق قائم ہے' حکام اور والی اسی کے مطابق نفاذ احکام کرتے ہیں۔)

الانباری نے ابن الجوزی کا ایک مشاہدہ یوں بیان کیا ہے:

".....یذکر ابن الجوزی فی سنة ٥١٥ خلع فی دارالسلطان علی القاضی ابو سعدالهراوی' وركب الی داره بقراح ابن رزبن و معه كلفة الامراء ونفذ امره فی القضاء بجميع الممالك سوى العراق' مراعاة لقاضی القضاة ابی عبدالله الزينبی" ❶

(ابن جوزی کہتے ہیں سن ۵۱۵ھ/۱۱۲۱ء میں قاضی ابوسعدالھراوی کو قاضی مقرر کیا گیا اور سلطان اپنے امراء کے ساتھ قاضی گھر واقع قراح ابن رزین تک گیا اور اس نے قاضی ابی عبداللہ الزینبی کی رعایت کرتے ہوئے پورے ملک ماسوا عراق کی قضاء کے سلسلہ میں اپنا حکم سنایا)

گویا پوری اسلامی سلطنت یا خلافت بنی عباس کی حدود میں اسلامی نظام قضاء (نفاذ حدود) رائج تھا اور ۵۱۵ھ/۱۱۲۱ء میں قاضی ابوسعدالھراوی اور قاضی القضاۃ ابی عبداللہ الزینبی ایسے صاحبان علم مسند قضاء پر فائز تھے۔

ہندوستان بعہد بنی عباس

خلافت بنی عباس کے دور میں ہندوستان پر بھی اسلامی احکام کی حکمرانی تھی' جناب اطہر مبارکپوری کہتے ہیں:

''ہندوستان میں عباسی دور میں نظام حکومت کیا تھا؟ کون کون سے شعبے قائم تھے اور سرکاری امور ومعاملات میں کیا طریقہ کار رائج تھا' ان باتوں کے بارے میں معلومات بہت کم ہیں کیونکہ اس دور کے مورخین نے صرف واقعات وحوادث کی فہرست بیان کی ہے' البتہ یہ مسلم امر ہے کہ عہد فاروقی میں جو نظام حکومت پورے عالم اسلام میں جاری تھا' اسی پر اموی اور عباسی دور میں عمل ہوتا رہا' بعض حالات میں بعض باتوں میں معمولی تبدیلی ہوئی مگر اس سے اصل نظام کی روح پر کوئی زد نہیں پڑی اس لئے یہاں عباسی دور

❶ النظام القضائی فی بغداد: الانباری' محولہ سابقہ' ص ۲۲۸' ۲۲۹

میں وہی احکام اور قوانین جاری تھے' جن کا نفاذ عہد فاروقی میں ہو چکا تھا۔'' ❶

المتوکل کے دور میں سندھ میں عمر بن عبدالعزیز ہباری نے ہباری حکومت کی بنیاد ڈالی۔ ❷ یہ ظاہری داودی مسلک سے تعلق رکھتے تھے انہوں نے سندھ میں منصورہ کو اپنا دارالحکومت بنایا اور اپنی حکومت کی حدود میں اسلام کے نظام حدود کو نافذ کیا' یاقوت حموی کے بیان کے مطابق عہد بنی عباس میں سندھ کے ہباری خاندان کی حکومت میں باقاعدہ عہدہ قضاء قائم تھا اور یہاں خالص دینی قوانین کی رو سے فیصلہ ہوتا تھا' حدود و تعزیرات جاری ہوتی تھیں اور پوری مملکت میں اسلامی احکام نافذ تھے' ابو دلف نے اپنے زمانہ کے حاکم منصورہ کے بارے میں لکھا کہ وہ حدود نافذ کرتا ہے۔ ''وتقیم الحدود'' ❸

اس طرح بنی عباس کے دور میں عرب و عجم میں جہاں جہاں بھی اسلامی خلافت رہی اسلام کا نظام قضاء اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ رائج رہا۔

---

❶ خلافت عباسیہ ہندوستان میں: قاضی الحصر' محولہ بالا' ص ۲۸۲

❷ تاریخ سندھ عرب دور حکومت: مبارک علی' لاہور'' نگارشات بیگم روڈ'' ص ۶۰' ۶۱

❸ معجم البلدان: شہاب الدین' ابوعبداللہ بن عبداللہ یاقوت الحموی بیروت'' داراحیاء التراث العربی'' ۱۳۹۹ھ ص ۴۱۹ ج ۵

باب چہارم

فصل اول

اسلام کا نظام احتساب (حصہ الف)

احتساب کی تعریف

احتساب' باب افتعال سے ہے اور اس کا مادہ ح س ب ہے۔ قرآن حکیم میں احتساب یا محتسب کا لفظ تو نہیں آیا' البتہ اس سے مشابہ الفاظ کی مختلف شکلیں استعمال ہوئی ہیں۔ محمد فواد عبدالباقی نے مادہ ح س ب کے تحت قرآن کی متعدد آیات کا ذکر کیا ہے❶ اور ونسنک (A.J.wensinck) نے صحاح ستہ❷' مسند دارمی❸' موطا امام مالک❹ اور مسند احمد بن حنبل❺ سے وہ احادیث پیش کی ہیں' جن میں اس مادہ کے مشتقات استعمال ہوئے ہیں❻ ان آیات قرآنی اور احادیث نبوی کی روشنی میں:

"حسب یحسب❼ حسبانا و حسابا کے معنی گننا یا شمار کرنا ہیں اور حسب یحسب❽ محسبة و حسبانا سے مراد ہے: خیال کرنا' گمان کرنا"

حسب میں "کافی" کا مفہوم پایا جاتا ہے' یعنی وہ جو کفایت کرے یا جس کے بعد کسی اور شئے کی ضرورت نہ رہے۔ حاسب کے معنی ہیں: حساب کرنے والا۔ حسبان حساب کی جمع ہے اور اس کا

❶ تفصیل کیلئے دیکھئے: المعجم المفہرس لألفاظ القرآن الکریم' بذیل مادہ

❷ بخاری' مسلم' ابوداود' ترمذی' نسائی' یہ متفق علیہ صحاح ستہ میں شامل ہیں پھر ایک جماعت بشمول قاضی عیاضؒ موطاء امام مالک کو جبکہ دوسری جماعت ابن ماجہ کو صحاح ستہ میں شمار کرتی ہے

❸ الدارمی (م ۲۵۵ھ) ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن سمرقندیؒ کی مشہور تالیف ہے جسکی ترتیب مسانید کے بجائے فقہی ابواب پر ہوئی ہے

❹ فقہی ترتیب سے مبوب امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ) کی شہرہ آفاق تالیف ہے امام مالکؒ نے دس ہزار میں سے ایک ہزار سات سو پچیس (۱۷۲۵) حدیثوں کا انتخاب کر کے موطاء تیار فرمائی۔

❺ حضرت امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) نے ساڑھے سات لاکھ احادیث میں سے المسند منتخب فرمائی۔

❻ مزید تفصیل کیلئے دیکھیئے: المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی بذیل مادہ "ح' س' ب"۔

❼ بروزن فَعَلَ' یَفْعُلُ: باب نصر' ینصر۔ ❽ یہ فعل' یفعل کے وزن پر ہے اور اسکا اپنا الگ باب ہے

مطلب ہے: گنتی یا شمار کرنا۔ حسیب حساب کرنے یا نگرانی کرنے والے کو کہتے ہیں۔

حساب اور حسبان

قرآن حکیم میں حساب یا الحساب کا لفظ پچیس ❶ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ کہیں اس کے معنی گنتی، شمار اور حساب کے آئے ہیں اور کہیں اعمال، یوم حساب، عذاب اور جزا و سزا کے مثلاً: والشمس والقمر حسبانا ❷ کی تشریح ایک دوسری آیت میں کر دی گئی ہے کہ آفتاب و ماہتاب اس لئے بنائے گئے ہیں: ولتعلموا عدد السنین والحساب ❸ تاکہ تم برسوں کا شمار اور حساب جان لو۔ اول الذکر آیت اور اس کا مفہوم یوں ہے:

"وجعل الیل سکنا و الشمس والقمر حسبانا" ❹

(ترجمہ) اور اسی (اللہ) نے رات کو (موجب) آرام ٹھہرایا اور سورج اور چاند کو (ذرائع) شمار بنایا ہے۔

مفسرین نے حساب اور حسبان کے معنی قریب قریب ایک ہی بتائے ہیں اور لکھا ہے کہ سورج اور چاند کے حسبان ہونے کی حقیقت اللہ ہی جانتا ہے۔ بعض کے نزدیک حسبان کے معنی بظاہر آگ، عذاب یا بلائے ناگہاں کے ہیں، یعنی کوئی آفت سماوی جس سے تباہی و بربادی خارج از امکان نہ ہو اور اس میں بارش کا طوفان، آندھی جھکڑ، ژالہ باری اور ٹڈی دل وغیرہ سبھی شامل ہیں۔ اس کی تائید قرآن حکیم کی اس آیت کریمہ سے بھی ہوتی ہے:

"ویرسل علیها حسبانا من السماء" ❺

(ترجمہ) اور وہ (تمہارے باغ یا کھیتی) پر آسمان سے آفت بھیج دے۔

لغت میں حسبان کے معنی سخت سردی کے بھی ہیں، جبکہ ابن فارس نے اس سے مراد لی ہے: ٹڈی اور اولے۔ علامہ راغب اصفہانی نے الحسبان کی معنوی تشریح میں بتایا ہے کہ دو نقیضوں میں سے کسی ایک کے بارے میں اس طرح حکم لگایا جائے کہ دوسرے کا دل میں خیال بھی آئے، اسی کو

---

❶ قرآنی آیات کیلئے ملاحظہ کیجئے: آل عمران: ۱۹/ ۲۷/ ۳۷/ ۹۹ المائدۃ: ۴۔ یونس: ۵۔ الرعد: ۱۸/ ۲۱/ ۴۰/ ۴۱۔ ابراہیم: ۴۱/ ۵۱۔ بنی اسرائیل: ۱۲۔ النور: ۳۸/ ۳۹۔ ص: ۱۶/ ۲۶/ ۳۹/ ۵۲۔ الزمر: ۱۰۔ غافر: ۱۷/ ۲۷/ ۴۰۔ حسابا کیلئے الطلاق: ۸۔ النباء: ۲۷/ ۳۶۔ الانشقاق: ۸۔ حسابک: الانعام: ۵۲۔ حسابہ: المؤمنون: ۱۱۷۔ النور: ۳۹۔ حسابھم: الانعام: ۵۲/ ۲۹۔ الانبیاء/ الشعراء: ۱۱۳۔ الغاشیۃ: ۲۶۔ حسابیہ کیلئے الحاقۃ: ۲۰/ ۲۶۔

❷ القرآن: ۶: ۹۶ ❸ القرآن: ۱۷: ۱۲ ❹ القرآن: ۶: ۹۶ ❺ القرآن: ۱۸: ۴۰

گنتی میں لائے اور اس پر ہی انگلی کو گرہ لگائے۔ نیز اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہ ہو۔ قریب قریب یہی معنی ''ظن'' کے ہیں' لیکن بصورت ''ظن'' دونوں نقیضوں کا خیال رہتا ہے' خواہ ایک کا خیال دوسرے پر غالب ہو ❶ اس کی تائید میں قرآن کی متعدد آیات ہیں مثلاً:

''الم احسب الناس.....'' ❷

(ترجمہ) کیا لوگ یہ خیال کئے ہوئے ہیں

''ام حسب الذین یعملون السیئات'' ❸

(ترجمہ) کیا وہ لوگ جو برے کام کرتے ہیں یہ سمجھے ہوئے ہیں۔

''ولا تحسبن اللّٰہ غافلا عما یعمل الظٰلمون'' ❹

(ترجمہ) اور (مومنو) مت خیال کرنا کہ یہ ظالم جو عمل کر رہے ہیں اللہ ان سے بے خبر ہے۔

''فلا تحسبن اللّٰہ مخلف وعدہ رسلہ'' ❺

(ترجمہ) تو ایسا خیال نہ کرنا کہ اللہ اپنے پیغمبروں سے کئے گئے وعدہ کے خلاف کرے گا۔

''ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ'' ❻

(ترجمہ) کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ (بے آزمائش) بہشت میں داخل ہو جاؤ گے۔

حسبان کے ظاہری معانی ومطالب سے قطع نظر اس کے ایک معنی حساب کے مطابق سزا دینا' کے ہیں' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''فحاسبنٰھا حسابا شدیدا'' ❼ تو ہم نے ان کو سخت عذاب میں پکڑ لیا۔ اس آیت کی تشریح اس حدیث سے بھی ہوتی ہے:

''من نوقش الحساب یھلك'' ❽

جس سے حساب میں سختی کی گئی' وہ مارا گیا۔

اعمال' حساب کتاب اور محاسبہ نفس

قرآن حکیم کی روشنی میں حساب کے معنی اعمال اور حساب کتاب کے بھی ہیں۔ ارشاد ربانی

❶ المفردات فی غریب القرآن: ابوالقاسم حسین بن محمد المعروف امام راغب لاصفہانی' قاہرہ ''مکتبۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی'' ۱۹۶۱ص مادہ کے ذیل میں

❷ القرآن:۲۹:۱/۲ ❸ القرآن:۲۹:۴ ❹ القرآن:۱۴:۴۲ ❺ القرآن:۱۴:۴۷

❻ القرآن:۳:۱۴۲ ❼ القرآن:۶۵:۸ ❽ صحیح بخاری: امام بخاری' محولہ سابقہ ص ۳۵ ج ۱

ہے: ان اللّٰہ سریع الحساب ❶ بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ لم ادر ما حسابیہ ❷ اور مجھے معلوم نہ ہو کہ میرا حساب کیا ہے؟ انی ظننت انی ملٰق حسابیہ ❸ مجھے یقین تھا کہ مجھ کو میرا حساب (کتاب) ضرور ملے گا۔ جزآء من ربک عطاء حسابا ❹ کی تفسیر میں کہا جاتا ہے کہ حسابا کے معنی یہاں کافیا کے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ پروردگار کی طرف سے انعام کثیر کے صلہ کے مفہوم کی حامل اس آیت کا اشارہ وان لیس للانسان الا ما سعی ❺ اسی مضمون کی طرف ہے، یعنی نیک اعمال کا بدلہ ملے گا مگر پورے حساب سے۔ نیز اللہ جس کو چاہتا ہے، بے شمار رزق دیتا ہے۔ واللّٰہ یرزق من یشاء بغیر حساب ❻ میں بغیر حساب کی متعدد توجیہات ہو سکتی ہیں۔ مثلاً:

> ''اللہ رب العزت استحقاق سے زیادہ عطا فرماتا ہے، جسے چاہے نوازے۔ انسان کے لئے اس کی عنایات اور نوازشات کا احصاء ممکن نہیں۔ بنا کسی تنگی کے دیتا ہے اور لوگوں کے عام اندازے سے کہیں زیادہ۔ اپنی مصلحت کے مطابق عطا فرماتا ہے نہ کہ لوگوں کے اندازے اور حساب کے مطابق۔ مومن کو جو کچھ دیتا ہے، اس پر محاسبہ نہیں کرے گا، کیونکہ مومن دنیا میں بقدر کفایت حاصل کرتا ہے اور وہ بھی جائز طریق سے، حسب ضرورت ❼

المفردات فی غریب القرآن میں ایک ایسی حدیث بھی پیش کی گئی ہے، جو ان تمام توضیحات کا ایک طرح سے خلاصہ ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ دنیا میں جو شخص اپنے نفس کا محاسبہ کرے گا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سے حساب نہیں لے گا۔ ایک اور حدیث: فتحسبون بالشر ولا تحسبون بالخیر ❽ کے مطابق شر (برائی) پر محاسبہ ہوگا، البتہ خیر (نیکی) پر نہیں۔ احتساب سے بچنے کی گویا یہ صورت بتائی گئی ہے کہ برائی سے اجتناب کیا جائے اور انسان اپنے نفس کا محاسبہ کرے۔

الحسیب اور المحاسب

امام بیہقی کے نزدیک الحسیب اور المحاسب کے اصل معنی حساب لینے یا حساب کرنے

---

❶ القرآن: ۳:۱۹۹ ایضاً: ۵:۴ ❷ القرآن: ۶۹:۲۶ ❸ القرآن: ۶۹:۲۰
❹ القرآن: ۷۸:۳۶ ❺ القرآن: ۵۳:۳۹ ❻ القرآن: ۲:۲۱۲
❼ تفصیل کیلئے ملاحظہ کیجئے: المفردات: بذیل مادہ ❽ مسند احمد: امام احمد بن حنبل، محولہ سابقہ ص ۱۵۴، ۱۶۷ ج ۵

والے کے ہیں❶ اسی لئے حساب کے مطابق جزا و سزا دینے والے کو حسیب کہا جاتا ہے۔

الحسیب اللہ تعالیٰ کا ایک مبارک نام بھی ہے' جو احسبنی سے نکلا ہے اور اس کے معنی ہیں: مجھ کو کافی ہوا۔ ابن اثیر کے الفاظ: الحسیب هو الكافي فعيل بمعنى مفعل من احسبني الشي اذا كفاني واحسبه و حسبته بالشديد اعطيته مايرضيه حتى يقول حسبي ❷ ہیں یعنی الحسیب بروزن فعیل جو حقیقت میں مفعل یعنی محسب کے معنی میں ہے' جیسے احسبنی الشی کہہ کر اس سے کفانی مراد لیتے ہیں جس کا مطلب ہے کہ مجھ کو پورا پڑ گیا اور احسبته و حسبته یعنی تشدید کے ساتھ اس وقت کہتے ہیں کہ میں نے اسے اتنا دیا' جس سے وہ رضامند ہو گیا' اور بول اٹھا کہ مجھے کافی دیا گیا ہے۔ اس کے بعد صاحب النہایہ نے عبداللہ بن عمرو سے ایک حدیث روایت کی ہے:

یحسبك❸ ان تصوم من كل شهر ثلثه ايام❹

کہ تیرے لئے ہر مہینے میں تین روزے رکھنا کافی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وكفى بالله حسيبا❺ اور حقیقت میں اللہ ہی (گواہ اور) حساب لینے والا کافی ہے۔ اس میں حسیب بہ معنی رقیب ہے' بہ معنی اللہ نگہبانی کے لئے کافی ہے جو محاسبہ کرے گا اور: إقرأ كتٰبك كفى بنفسك اليوم عليك حسيبا❻ (کہا جائے گا کہ روز حساب' اپنی کتاب پڑھ لے' تو آج اپنا آپ ہی محاسب ہے) خدا کے قانون مکافات کی رو سے مرتب شدہ نتائج کے ظہور کے وقت کسی خارجی شاہد اور محتسب کی ضرورت نہیں ہوتی۔ انسان کی اپنی ذات نہ صرف اپنے بارے میں زندہ گواہ ہوتی ہے: بل الانسان على نفسه بصيره❼ بلکہ اعمال کے جو اثرات اس پر مرتب ہوتے ہیں' اور خود اپنے تئیں بول اٹھتے ہیں کہ اس نے کس قسم کے امور سرانجام دیئے۔ چنانچہ ظہور نتائج کے وقت❽ كويوم يقوم الحساب❾ اسی لئے کہا گیا ہے کہ یہ اعمال کی جزا و سزا کے لئے وقف ہوگا۔ قرآن نے اسے اور بھی واضح کر دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

---

❶ بیہقی: امام بیہقی' قاہرہ ''مصطفیٰ البابی الحلبی'' ۱۳۵۸ھ کتاب الاسماء والصفات' ص ۳۴

❷ النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر: ابن الاثیر' قاہرہ ''البابی حلبی'' ۱۳۰۰ھ ص ۲۳۵ ج ۱

❸ ایک روایت میں ''یحسبک'' ہے مگر معنی وہی ہیں

❹ النہایۃ: محولہ بالا ❺ القرآن: ۴:۶ ❻ القرآن: ۱۷:۱۴ ❼ القرآن: ۷۵:۱۴

❽ اسکی کچھ شروعات دنیا میں بھی ہو جاتی ہے پھر برزخ میں اور کلی طور پر اسکا ظہور قیامت میں ہوگا ❾ القرآن: ۱۴:۴۱

"قال وما علمی بما کانوا یعملون، ان حسابھم الا علیٰ ربی لو تشعرون❶"

(ترجمہ) (نوح نے) کہا' مجھے کیا معلوم کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ ان کا حساب (اعمال) میرے پروردگار کے ذمے ہے۔ کاش تم سمجھو۔

حسب بہ معنی بزرگی وشرافت

حسب کہ اسم فعل کی صورت میں ہو' اس میں بھی' کافی' کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ جیسے حسبنا اللّٰہ ❷ ہمیں اللہ کافی ہے یا حسبھم جھنم ❸ ان کو دوزخ (ہی کی سزا) کافی ہے۔ لیکن حسب کے ایک معنی بزرگی وشرافت کے ہیں:

الحسب المال والکرم والتقوی۔ الحسب فی الاصل الشرف بالاباء وما یعدہ الانسان من مفاخرھم وقیل الحسب والکرم یکونان فی الرجل وان لم یکن لہ آباء لھم شرف والشرف والمجد لایکونان الا بالاباء❹

ابن اثیر کے اس بیان کا مقصود یہ ہے کہ حسب آباواجداد سے ملنے والی بزرگی وشرافت کو کہتے ہیں' جنہیں انسان اپنے مفاخرات میں شمار کرتا ہے۔ حسب اور کرم ایسے آدمی میں بھی موجود ہو سکتے ہیں' جس کے آباواجداد میں شرافت والے نہ ہوں' تاہم شرف و بزرگی آباواجداد کے بغیر ممکن نہیں۔ صاحب النھایہ نے مال کو شرافت نفس یا شرافت اجداد کے ہم مرتبہ ٹھہرایا ہے اور صراحت کردی ہے کہ صاحب حسب فقیر کی کوئی عزت ہوتی ہے نہ اسے اہمیت دی جاتی ہے' اور امیر جس کا کوئی حسب نہ ہو اس کی عزت کی جاتی ہے اور لوگوں کی نظر میں اس کا مرتبہ بلند ہوتا ہے❺

احادیث کی رو سے الحسب المال والکرم التقوی ❻ آدمی کا حسب مالداری ہے اور کرم پرہیزگاری۔ حسب المرء دینہ وکرمہ خلقہ❼ آدمی کا حسب اس کی دینداری ہے اور کرم اس کے اخلاق۔ آدمی کا حسب اس کا دین اور مروت اچھے اخلاق ہیں❽۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہوازن کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: اذ خیر تنابین المال والحسب فانا نختار الحسب ❾ جب آپ ہمیں یہ اختیار دیتے ہیں کہ ہم وہ مال واسباب (جو مسلمانوں نے

---

❶ القرآن: ۲۶:۱۱۲/۱۱۳ ❷ القرآن: ۹:۵۹ ❸ القرآن: ۵۸:۸

❹ النھایۃ: ابن الاثیر' محولہ بالا' بذیل مادہ ❺ ایضاً: محولہ بالا ❻ سنن ابن ماجۃ: امام ابن ماجہ' کتاب الزھد ص ۱۴

❼ لسان العرب: جمال الدین محمد بن مکرم المعروف ابن منظور افریقی محولہ سابقہ بذیل مادہ ❽ ایضاً: محولہ بالا

❾ ایضاً: محولہ بالا

لوٹ لیا تھا) واپس لے لیں یا اچھے امر کو اپنالیں تو ہم اچھے ہی کام کو اختیار کرتے ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے: کرم المومن تقواہ ودینہ حسبہ ❶ مومن کا کرم تقوی اور دین اس کا حسب ہے اور:

"لا ورع کالکف ولا حسب کحسن الخلق"❷

"(برائی سے) رک جانے سے بڑھ کر کوئی پرہیزگاری نہیں اور حسن خلق سے بڑھ کر کوئی حسب نہیں۔

حسب کی حیثیت کا اندازہ تو اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ رسولوں کو ان کی قوم کے حسبوں میں بھیجا گیا' جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے: وکذلک الرسل تبعث فی احساب قومھا ❸ اور بلاشبہ: الفخر فی الاحساب' ❹ حسب میں فخر ہے۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ حسب باپ دادا کی شرافت کا نام ہے۔ بستانی نے تصریح کی ہے کہ حسب ننھیال کی شرافت اور نسب ددھیال کی شرافت کو کہتے ہیں ❺ عام مفہوم یہ ہے کہ حسب آدمی کے فضائل اور اس کے باپ دادا کے فضائل واکرام اور تمام وجوہ خیر وشرف کا جمع کرنا ہے۔ لوگوں کے خیال میں جو مالدار اور صاحب ثروت ہو' اسے ہی صاحب نسب تسلیم کیا جاتا ہے اور لوگ اسی کی عزت کرتے ہیں' لیکن اللہ رب العزت کے نزدیک کریم یعنی بزرگ اور شریف وہی ہے' جو پرہیزگار ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ان اکرمکم عنداللّٰہ اتقکم"❻

(ترجمہ) اور اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

قرآن وحدیث کی تصریحات

بعض قرآنی آیات میں 'یحتسب' کا لفظ استعمال ہوا ہے اور وہ بھی 'گمان' کے معنوں میں مثلاً:

"ومن یتق اللّٰہ یجعل لہ مخرجا، ویرزقہ من حیث لایحتسب"❼

(ترجمہ) اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لئے (رنج ومحن سے) مخلصی (کی صورت) پیدا کردے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا' جہاں سے (وہم وگمان) بھی نہ ہو۔

---

❶ ایضاً: محولہ بالا ❷ ابن ماجہ: امام ابن ماجہ' محولہ بالا' ص ۲۴ ❸ صحیح مسلم: امام مسلم' محولہ سابقہ' کتاب الجہاد' ۷۴

❹ ایضاً: حوالہ بالا ص ۲۹ کتاب الجنائز ❺ قطر المحیط: بطرس بن یونس بن عبداللہ البستانی' بیروت "دار صادر" ۱۸۶۹ ص ۴۹۸

❻ القرآن: ۴۹:۱۳ ❼ القرآن: ۶۵:۲/۳

"فاتٰھم اللّٰہ من حیث لم یحتسبوا"❶

(ترجمہ): مگر اللہ نے ان کو وہاں سے آلیا' جہاں سے ان کو گمان بھی نہ تھا۔

"وبدالھم من اللہ مالم یکونوا یحتسبون"❷

(ترجمہ): اور ان پر اللہ کی طرف سے وہ امر ظاہر ہو جائے گا جس کا ان کو خیال بھی نہ تھا۔

لیکن لفظ احتساب کے متعلقات قرآن حکیم کی بہ نسبت احادیث نبویہ اور کتب فضائل میں صریح طور پر آئے ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق حسب کے عنوان سے دس حاسب کے تحت چالیس حسب کے ضمن میں چھ' حسب احساب کے ذیل میں تیرہ' حسبان کے تحت ایک اور حسیب کے بذیل عنوان تین حدیثیں ملتی ہیں' جبکہ احتسب کے تحت بائیس اور حسبہ کے ضمن میں دو❸ احتسب اور حسبہ سے قطع نظر باقی تمام کا معنوی مفہوم قریب قریب وہی ہے جو قرآنی آیات میں بیان ہوا ہے' مثلاً ماہ صیام کے چاند کے بارے میں ایک حدیث میں ہے:

"لانکتب ولانحسب"❹

نہ ہم لکھتے ہیں اور نہ ہم شمار کرتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جس کا حساب لگایا گیا' قیامت کے دن اسے عذاب دیا جائے گا: من حوسب یوم القیامۃ عذب ❺ ایک اور موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کل امری حسیب نفسہ❻ ہر شخص اپنے آپ کا خود محاسب ہے۔

احادیث مبارکہ میں احتسب کا ذکر کئی مقامات پر آیا ہے مثلاً: من احتسب ثلاثۃ من صلبہ دخل الجنۃ❼ بعض جگہ اس کے معنی وقف اور ایثار کے آئے ہیں' جیسے: والشھید من احتسب نفسہ علی اللّٰہ❽ شہید وہ ہے' جس نے اپنی جان کو اللہ کے لئے وقف (ایثار) کر دیا۔ ان لک ما احتسب❾ تیرے لئے وہی کچھ ہے' جس کا تو نے ایثار کیا۔ کہیں یہ خرچ کرنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ مثال کے طور پر: یحتسب النفقۃ علیھما حتی

---

❶ القرآن: ۲:۵۹ ❷ القرآن: ۳۹:۴۷ ❸ المعجم المفہرس' محولہ بالا' ص ۴۶۲' ۴۶۵

❹ صحیح بخاری: امام بخاری' محولہ سابقہ' کتاب الصیام' ص ۱۵ ❺ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۳۵ کتاب العلم

❻ مسند احمد: امام احمد بن حنبلؒ' محولہ بالا' ص ۳۰۵/ ۳۲۷ ❼ صحیح بخاری' امام بخاریؒ' محولہ بالا' کتاب الجنائز ص ۶

❽ موطاء امام مالک: امام مالکؒ' قاہرہ "مصطفیٰ البابی الحلبی" ۱۳۷۰ھ ص ۳۵ کتاب الجہاد۔

❾ صحیح مسلم: امام مسلم' محولہ بالا' ص ۲۷۸ کتاب المساجد

یغنیھما اللّٰہ ❶ جو خرچ کرے اللہ کے لئے ان دونوں پر یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو مستغنی کردے۔ بعض جگہ اس کے معنی 'شمار' اور کہیں 'محاسبہ' کے ہوئے ہیں۔ مثلاً: قلت یایتما یحسب قال بالتی صلی مع الامام ❷ میں نے کہا کہ میں کس طرح شمار کروں۔ انہوں نے کہا کہ اس کے ساتھ جنہوں نے امام کے ساتھ نماز پڑھی اور:

"فتحسبون بالشر ولا یحتسبون بالخیر" ❸

شر پر تمہارا محاسبہ ہوگا لیکن خیر پر نہیں

لفظ "احتساب" اور اس کے مشتقات کی بعض ایسی ہی تشریحات و توضیحات کو لین (Lane) نے بھی مدنظر رکھا ہے اور ان سب کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کر دیا ہے:

He reckoned upon a reward: or) he احتساب اجرا) (for sought a reward (from God in احتساب ویرزقه من حیث لا the world to come). in the Quran 1xv: 2, means (And he will supply him with the یحتسب means of subsistence) whence he does not reckon, or expect; whence does not occur to his mind. And من صام رمضان ایمانا واحتسابا in a trad Whoso fasteth during Ramadan, believing in God and his Apostle, and (reckoning upon a reward, or) seeking a reward from God. You say also. احتسب بکذا اجرا عنداللّٰه He reckoned upon obtaining, (or he sought) by such a thing, or such an action, a reward from God: or he prepared, or provid, such a thing, seeking thereby a reward from God. And احتسب عنداللّٰه خیرا He prepared, or provided, in store for himself, good, (i.e. a reward) with God. And احتسب الاجر علی اللّٰه He laid up for himself, in store, the reward, with God, not hoping for the reward of the present life; احتساب الاجر relating only to an action done for the sake of God. ❹

❶ مسند احمد: امام احمد بن حنبلؒ محولہ بالا ص ۲۹۳ ج ۶

❷ سنن دارمی: امام دارمیؒ ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن دمشق ۱۳۴۹ کتاب الصلوٰۃ ص ۵۶

❸ مسند احمد: امام احمد بن حنبلؒ محولہ بالا ص ۱۵۴/۱۶۷ ج ۵ ❹ احتساب Arabic English lexicon, See

رموز ونتائج

عربی زبان اور اسلامی ادبیات جس میں احادیث نبویہ اور کتب فضائل ہیں' لفظ احتساب کے معنی کسی ایسے کام کے لئے بالخصوص آئے ہیں' جو خالصتاً اللہ کے لئے یعنی صرف اور صرف خوشنودی خدا کی خاطر کیا جائے اور باری تعالیٰ ہی سے اس کے اجر وثواب کی امید رکھی جائے۔ چنانچہ ایسے کام کے لئے کہا جاتا ہے کہ یہ حسبۃ للہ یا احتساباً للہ کیا گیا۔ صحیحین کی ایک حدیث میں بھی احتساب کا یہی مفہوم پایا جاتا ہے.

"من صام رمضان ایمانا واحستابا غفرله ماتقدم من ذنبه"❶

جس نے کامل ایمان ویقین کے ساتھ اور خالصتاً اللہ کیلئے رمضان کے روزے رکھے' اس کے گزشتہ تمام گناہ معاف کردیئے گئے۔

ابن اثیر کی صراحت کے مطابق:

"من صام رمضان ایمانا واحتسابا ای طلبا لوجه اللّٰه وثوابه فلا حتساب من الحسب کالاعتداء من العدو انما قیل لمن ینوی یعمله وجه اللّٰه احتسبه❷

جس نے ایمان واحتساب کی حالت میں یعنی اللہ کی رضامندی اور اس کے ثواب کے حصول کے لئے رمضان کا روزہ رکھا' تو احتساب' حسب سے ہے' جیسے کہ اعتداء عدو سے۔ اور اس کا اطلاق ایسے شخص پر ہوتا ہے' جو اپنے عمل سے اللہ کی رضامندی چاہتا ہے کہ جس نے اسے روک دیا' یعنی اسے اللہ کی رضامندی میں محدود کردیا اور وہ اس سے مزید کچھ نہیں چاہتا۔ ایک اور حدیث سے بھی اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

"من یقیم لیلۃ القدر ایمانا واحتسابا.....الخ"❸

شب قدر میں جو قیام کرتا ہے' ایمان اور صرف رضائے الٰہی کی خاطر۔

ان تمام رموز کے مطابق کسی نیک کام سے اجتناب پر نکیر اور ناپسندیدگی کا اظہار احتساب ہے۔ ''احتساب'' میں وہ تمام معانی مضمر ہیں' جو مادہ ح س ب کے تحت قرآن وحدیث میں اس لفظ

---

❶ مشکوۃ المصابیح: خطیب تبریزی' ولی الدین محمد' سانگلہ' مکتبۃ الاثیر کتاب الصوم' فصل اول حدیث ۳

❷ النہایۃ: ابن الاثیر' محولہ سابقہ' بذیل مادہ ❸ صحیح بخاری: امام بخاری' محولہ بالا' ص ۳۵/ ۳۷ کتاب الایمان

کے متعلقات و مشتقات میں استعمال ہوئے ہیں۔ احتساب میں ''گنتی و شمار'' ہے اور ''خیال و گمان'' بھی۔ یہ ''کفایت'' پر دلالت کے لئے ''کافی'' ہے اور اس میں ''حساب لینے'' یا ''حساب کرنے'' حساب کتاب' اعمال' جزا و سزا' بلائے ناگہاں' عذاب اور ایثار کے بھی پرتو ملتے ہیں۔ رضائے الٰہی' کی طرف بھی ایک بلیغ اشارہ ہے اور اس کے تمام رموز محتسب کی تعریف میں بھی آ کر مجتمع ہو جاتے ہیں۔

عربیت کے قاعدہ کی رو سے لفظ احتساب کے بعد اگر ''علیٰ'' کا حرف جار (Preposition) استعمال ہو تو اس میں کام کے اسی جذبہ کے ساتھ کسی دوسرے شخص کے خلاف کام کرنے کے معانی پیدا ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ احتسب فلان علی فلان عملہ ❶ کہا جائے تو اس کا مطلب ہوگا کہ فلاں شخص نے فلاں شخص کے اس کام کے خلاف اس پر سخت نکیر کی اور اظہار ناپسندیدگی کیا۔ یہیں سے احتساب کے لغوی معانی اس کے اصطلاحی مفہوم پر منتج ہوتے ہیں اور ''الحسبہ'' (ادارہ احتساب) کی اصطلاح منصۂ شہود پر آتی ہے۔

❶ تاج العروس من جواھر القاموس' سید محمد مرتضیٰ الحسینی الزبیدی' الکویت' ۱۹۷۶ء بذیل مادہ

(حصہ ب)

الحسبہ کی تعریف

الحسبہ' دراصل ایک اصطلاح ہے اور اس سے مراد وہ ادارہ (Institution) ہے' جو احتساب کے فریضہ کو بہ حسن وخوبی انجام دے۔ تاریخ میں واشگاف طور پر ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی' جس سے اس اصطلاح کی وجہ انتخاب معلوم ہو سکے' تاہم یہ امر یقینی ہے کہ ''الحسبہ'' کی اصطلاح کے اختراع اور تعیین میں مادہ ح س ب کے ماتحت و متعلق تمام الفاظ اور ان کے معانی کسی نہ کسی صورت میں اس کے مفہوم و مطالب میں کارفرما رہے ہیں۔ بظاہر تو:

"الحسبه اسم من الاحتساب كالعدة من الاعتداد"❶

الحسبہ احتساب سے اسم ہے' جیسا کہ عدۃ اعتداد سے۔

لیکن قانونی اور انتظامی اصطلاحات میں درحقیقت الحسبہ ایک ایسی اصطلاح ہے' جس کے معانی حساب یا محتسب کا فریضہ ہیں:

"الحسبه: مصطلح من مصطلحات القانون الادارى معناه الحساب او وظيفة المحتسب"❷

قرآن حکیم سے استشہاد

فرائض واوامر کے انفاذ واجراء اور نواہی ومنکرات کے ابطال وممانعت میں قرآن حکیم نے جو خاص تدریجی اسلوب اختیار کیا ہے' اس سے ''الحسبہ'' کا اصطلاحی مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر زکوٰۃ❸ کی فرضیت پر اول اول یہ انداز اپنایا گیا:

"فانذرتكم نارا تلظىٰ' لا يصلها الا الاشقى' الذى كذب وتولىٰ' وسيجنبها الاتقى' الذى يوتى ماله يتزكىٰ❹

(ترجمہ) سو میں نے تم کو بھڑکتی آگ سے متنبہ کر دیا' اس میں وہی داخل ہوگا' جو بڑا بدبخت ہے۔ جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا اور جو بڑا پرہیزگار ہے وہ (اس سے) بچالیا جائے گا جو اپنا مال دیتا ہے' تاکہ پاک ہو۔

---

❶ النهاية: ابن الاثیر' محولہ سابقہ' ص ۲۵۵' بذیل مادہ ❷ دائرۃ المعارف الاسلامیۃ: عربی مقالہ بعنوان الحسبۃ

❸ زکوٰۃ کا مادہ زک و ہے۔ زکا' یزکو' زکا و زکا بمعنی بڑھنا پھلنا پھولنا ❹ القرآن: ۹۲: ۱۴ تا ۱۸

پھر ارشاد ہوا:

"فآت ذا القربٰی حقه والمسکین و ابن السبیل ذٰلك خیرللذین یریدون وجه اللّٰه و اولئك هم المفلحون' وماء اتیتم من ربا لیربوا فی اموال الناس فلا یربوا عنداللّٰه وماء اتیتم من زکٰوة تریدون وجه اللّٰه فاولٰئك هم المضعفون:"❶

(ترجمہ) پس اہل قرابت اور محتاجوں اور مسافروں کو ان کا حق دیتے رہو۔ جو لوگ رضائے خدا کے طالب ہیں' یہ ان کے حق میں بہتر ہے اور یہی لوگ نجات حاصل کرنے والے ہیں اور جو تم سود دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں افزائش ہو تو خدا کے نزدیک اس میں افزائش نہیں ہوتی اور جو تم زکوٰۃ دیتے ہو اور اس سے خدا کی رضامندی طلب کرتے ہو تو (وہ موجب برکت ہے اور) ایسے ہی لوگ (اپنے مال کو) دو چند سہ چند کرنے والے ہیں۔

اور اس کے بعد واضح طور پر تلقین کر دی گئی:

"قد افلح المؤمنون' الذین هم فی صلاتهم خاشعون' والذین هم عن اللغو معرضون' والذین هم للزکٰوة فاعلون"❷

(ترجمہ) بے شک ایمان والے رستگار ہو گئے' جو نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں اور جو بے ہودہ باتوں سے منہ موڑے رہتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

آخر میں فیصلہ کن انداز میں کہہ دیا گیا:

"فان تابوا و اقاموا الصلٰوة و آتوا الزکٰوة فاخوانکم فی الدین"❸

(ترجمہ) اگر یہ (لوگ کفر سے) توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں۔

ان آیات کریمہ میں زکوٰۃ کی فرضیت اور لزوم کا ذکر ہے۔ زکوٰۃ اگرچہ رسول اللہ ﷺ کی مکی زندگی ہی میں فرض اور ضروری تھی' مگر اس کے اظہار میں ابتدائی طور پر ترغیب و تشویق کے پہلو کو ملحوظ و محفوظ رکھا گیا اور اس کی فرضیت میں زیادہ سختی ظاہر نہیں کی گئی' لیکن انجام کار اسے اسلام اور

---

❶ القرآن:۳۰:۳۸:۳۹ ❷ القرآن:۲۳:۴ ❸ القرآن:۹:۱۱

اخوت اسلامیہ میں شامل ہونے کا مظہر قرار دے دیا گیا۔ زکوٰۃ کی اسی اہمیت اور فرضیت کے پیش نظر حضرت ابوبکرؓ کو اپنے دور صدیقی میں یہ انتباہ کرنا پڑا کہ اگر ایک رسی جسے لوگ عہد رسالتؐ میں بطور زکوٰۃ ادا کرتے تھے اب نہیں دیں گے تو میں اس کی وصولیابی کے لئے مقاتلہ کروں گا۔

"لو منعونی عقالا کانوا یودونه للنبی صلی اللّٰہ علیه وسلم لقاتلتهم"❶

اس اعتبار سے زکوٰۃ اسلام کا بنیادی رکن ٹھہری اور ادائے زکوٰۃ کو اس کے شرائط مخصوصہ کے ساتھ ضروری اور لازمی تسلیم کرلیا گیا۔

زکوٰۃ کی فرضیت کے نقوش عوام وخواص کے قلوب واذہان پر ثبت کرنے کے لئے قرآن حکیم نے تدریجا جو مختلف اسالیب اختیار کئے ہیں اس سے دیگر خیرات وحسنات کی تنفیذ بالخصوص احتساب کے اصطلاحی مفہوم "الحسبہ" کی توضیح کو سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے۔ قرآن کا یہی انداز فکر وعمل معروفات ومنکرات کے بارے میں ہے۔ زکوٰۃ اور نماز وغیرہ کی تلقین معروفات کے زمرے میں کی گئی اور سود اور شراب وغیرہ سے اجتناب کی منکرات کے ضمن میں۔ امام غزالیؒ بھی اسی نقطہ نظر سے "الحسبہ" کے اصطلاحی مفہوم کو ارکان اسلام اور شرائط اسلام کے تذکرے میں بیان کرتے ہیں۔

امام غزالیؒ کی رائے

امر بالمعروف ونہی عن المنکر' کے عنوان سے امام غزالیؒ نے ایک الگ باب ہی "احتساب" کے لئے مختص کردیا ہے۔ وجوب امر بالمعروف ونہی عن المنکر' اور اس کی فضیلت کا ذکر وہ آیات قرآنی' احادیث نبویؐ اور آثار سلف کے حوالے سے کرتے ہیں۔ ان کے بیان کے مطابق قرآن نے زکوٰۃ کے محاسن اور اس کی خوبیوں کے اظہار اور اس کی فرضیت کے لئے جو تدریجی اسلوب اختیار کیا ہے' اسی کی روشنی میں ضروری ہے کہ معروف کے معروضی تقاضوں کو مدنظر رکھا جائے۔ لوگ ذمہ دار ہیں کہ وعظ ونصیحت اور شیریں کلامی سے معروفات پر عملدرآمد کے لئے ایک دوسرے کو سمجھائیں۔ کسی بری بات سے اجتناب اور اچھی بات کی تلقین ایک ہی مرتبہ نہیں' بار بار کریں' کیونکہ نفس انسانی ناصح اور بہی خواہ کی باتوں کو ذہن نشین کرنے کی عادت تو رکھتا ہے' مگر اس کی یہ استعداد اور صلاحیت بسا اوقات موقت اور عارضی ہوتی ہے۔ ناصح کی نصیحت اور خیر خواہ

❶ صحیح البخاری: امام بخاری' محولہ سابقہ' کتاب الزکاۃ

کی فصیحت سے انسانی شعور میں وقتی طور پر ہیجان تو پیدا ہو جاتا ہے' البتہ اسے رجحان میں تبدیل کرنے میں مشکل پیش آتی ہے کیونکہ اس کی حیثیت دیرپا نہیں ہوتی اور بار بار کی فہمائش سے انسانی طرزِ عمل میں تبدیلی کا عنصر غالب آنے کے امکانات روشن رہتے ہیں۔ مثلاً:

"فسق و فجور' شراب خوری' ملاہی اور ملاعب ممنوعہ سے اگر کوئی شریفانہ طریق یا فہمائش سے محترز و مجتنب نہ ہو تو پھر بہتر یہی ہے کہ شراب لنڈھا کے جام و مینا چھین لئے جائیں' مال مغصوبہ کو غاصب کے غاصبانہ قبضے سے زبردستی لے کر اسے حقدار اور صاحب مال کو لوٹا دیا جائے اور بفرض محال وعظ و نصیحت یا عملی کارروائی سے ایسا ممکن نہ ہو تو تہدید ضرب و حبس اور تخویف سے کام لینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں" ❶۔

امام غزالیؒ کے نزدیک یہی گویا احتساب ہے کہ حقوق اللہ سے متعلق کسی منکر یعنی ناپسندیدہ کام سے روکا جائے تاکہ جس کو منع کیا جا رہا ہے' وہ برائی کا مرتکب نہ ہو:

"عبارة عن المنع عن منكر لحق الله صيانة للمنوع عن مقارنة المنكر" ❷

صاحب احیاء العلوم کی رائے میں احتساب فرض کفایہ ہے' البتہ اسے واجب سمجھ لینے میں کوئی حرج نہیں اور نہ مانیں تو گنہگار ہونگے کیونکہ قرآن حکیم میں اس کا ذکر احکام یعنی نماز' روزہ اور زکوٰۃ وغیرہ کے ساتھ آیا ہے۔ نیز اسے دینداروں کی پہچان بتایا گیا ہے۔

ابن اثیر کا بیان

علمائے لغت میں سے بعض "احتساب" کو "حسبک" سے مشتق ہونا بتاتے ہیں' جس کے معنی انگریزی میں Thou Shalt Account With کے ہیں۔ انگریزی میں Account کے معنی شمار' حساب کتاب' میزان' سرگزشت' تفصیل' کیفیت بیان' جانچ پڑتال' امتحان' وغیرہ کے ہیں۔ بطور فعل اس کے معانی ہیں: لحاظ کرنا' جانچنا' سمجھنا' شمار کرنا' جبکہ Accountability in Account With لیتے ہیں۔ کوئی شخص اگر کسی معاملے کو خوش اسلوبی سے انجام دے اور خوش معاملگی کے لئے حسن تدبیر کو اختیار کرے تو عربی میں کہا جاتا ہے کہ اس کا یہ فعل الحسبہ ہے جس کا اجر اللہ کے ہاں جمع ہے:

---

❶ تفصیل کیلئے مراجعت کیجئے "احیاء علوم الدین' باب وجوب امر بالمعروف و نہی عن المنکر ص ۳۱۱

❷ ایضاً: حوالہ بالا ص ۳۱۱

".....فلان حسن الحسبه فی الامر: یحسن تدبیره وفعله حسبه: مدخرا اجره عنداللّٰه"❶

اس سارے حساب کتاب' میزان عدل' سرگزشت احوال' تفصیل معاملات اور کیفیات' امتحانات اور بیانات جس سے محتسب' محتسب علیہ اور محتسب فیہ گزرتے ہیں اور باہمی معاملات خوش اسلوبی' خوش معاملگی اور حسن تدبیر سے انجام پاتے ہیں' الحسبہ کی وہ اصطلاحی صورت سامنے آتی ہے' جس کی تائید ابن اثیر کے اس بیان سے ہوتی ہے کہ الحسبہ 'احتساب سے اسم ہے' جیسا کہ عدۃ' اعتداد سے:

"والاحتساب فی الاعمال الصالحه وعندالمکروهات هو البدار الی طلب الاجر وتحصیله بالتسلیم والصبر او باستعمال انواع البر والقیام بها علی الوجه المرسوم فیها طلبا للثواب المرجو منها"❷

اور احتساب نیک اعمال میں اور ناپسندیدہ امور کے وقت اجر کے حصول کی طرف جلدی کرنے کا نام ہے اور اس کا حصول تسلیم و رضا اور صبر یا اس سے مطلوب اجر و ثواب کے حصول کی خاطر نیکی کے مختلف طریقوں پر چلنے اور ان پر مناسب طریقے سے مداومت کرنے سے ممکن ہے۔

الماوردی اور الفراء کا نظریہ

نیک اعمال اور پسندیدہ امور کہ معروفات میں شمار ہوتے ہیں اور برائیوں اور ناپسندیدہ افعال کا تعلق منکرات سے ہے' اس لئے فقہاء اسلام میں سے اکثر نے "الحسبہ" کے اصطلاحی مفہوم کو "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کی روشنی میں واضح کرنے کی سعی کی ہے۔ ان میں مشہور شافعی فقیہ قاضی ابوالحسن علی الماوردی اور ان کے ہم عصر ممتاز حنبلی فقیہ قاضی ابویعلی الفراء سرفہرست ہیں۔ اول الذکر کے نزدیک:

"هی امربالمعروف اذا ظهر ترکه' ونهی عن المنکر اذا ظهر فعلة"❸

اس (الحسبہ) سے مراد اچھائی کا حکم دینا ہے' جب اعلانیہ اسے چھوڑ دیا گیا ہو اور برائی سے روکنا' کہ جب اسے کھلم کھلا اپنایا جانے لگے۔

---

❶ تفصیل کیلئے دیکھئے "المعجم الوسیط" ابراہیم مصطفیٰ وغیرہ تہران "المکتبۃ العلمیۃ" س۔ن ص ۱۷۱ ج ۱

❷ النہایۃ: ابن الاثیر' محولہ سابقہ' بذیل مادہ ❸ الاحکام السلطانیۃ: ماوردی' محولہ سابقہ' ص ۲۳۱

ثانی الذکر حنبلی فقیہ قاضی ابویعلی نے بھی ''الحسبہ'' کی اصطلاحی تعریف میں من وعن یہی الفاظ استعمال کئے ہیں❶' اور اس کی تائید میں بعض قرآنی آیات اور احادیث کی طرف اشارہ کیا ہے' اسی لئے مستشرقین تک اعتراف کرتے ہیں کہ الحسبہ اور اس کے دائرہ کار کی بنیاد قرآن ہے' جس کا مقصد برائیوں سے اجتناب اور اچھائیوں کی ترغیب وتشویق ہے:

The Hisba Jurisdiction is based on the duty imposed on Muslims by the Kur,an.... of enjoining good and of forbidding evilactions---❷

الشیزری اور ابن الاخوۃ کی آراء

الماوردی اور الفراء کی بیان کردہ ''الحسبہ'' کی تعریف کو ان دو فقہاء کے علاوہ دیگر ارباب علم نے بھی اختیار کیا ہے' جن میں الشیزری اور ابن الاخوۃ قابل ذکر ہیں۔ الشیزری نے اس میں ''واصلاح بین الناس'' ❸ کے الفاظ کا اضافہ کر دیا ہے' جس سے وہ ''الحسبہ'' سے مراد لوگوں کے درمیان مصالحت ومفاہمت کرا دینا لیتے ہیں۔ ''اصلاح'' ان کے نزدیک صلح کے معنوں میں نہیں' بلکہ معاملات کی درستی ہے' جو مال کار فریقین کے مابین مصالحت ومفاہمت پر منتج ہوتی ہے۔ ابن الاخوۃ رقمطراز ہیں:

''الحسبه وظيفة دينية شبه قضائيه عرفها التاريخ الاسلامی' تقوم على فكرة الامر بالمعروف والنهی عن المنكر''❹

ابن بسام المحتسب کا تجزیہ

الشیزری' ابن الاخوۃ' الماوردی اور ابویعلی الفراء وغیرھم کے خیال میں ''الحسبہ'' صریحاً امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا نام ہے۔ اول الذکر دو مؤلفین تو لوگوں کے درمیان اصلاح کو بھی اس کی اصطلاحی تعریف میں شامل کر لیتے ہیں' لہذا ابن بسام المحتسب نے ان ہر دو کی آراء کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ تجزیہ پیش کیا ہے کہ معروف ومنکر یعنی الحسبہ کے ضمن میں:

---

❶ الاحکام السلطانیۃ: قاضی ابویعلی محمد بن الحسین الفراء' مکۃ المکرمۃ المصبعۃ الفریرۃ ۱۳۵۷ھ ص ۶۸

❷ Amedroz H.F., The his be Jurisdiction in the Ahkamsultaniyya of Muwardi.

❸ نھایۃ الرتبۃ فی الحکام الحسبۃ: عبدالرحمن بن نصر الشیزری' قاھرہ' (م۔ن) ۱۹۴۶ء ص ۶

❹ معالم القربۃ فی احکام الحسبۃ: ابن الاخوۃ' محمد بن محمد بن احمد القرشی الشافعی' قاہرہ' م۔ن' ۱۹۳۸ء

"فان الحسن ماحسنه الشرع' والقبيح ماقبحه الشرع"❶

اچھا وہ ہے' جسے شریعت نے اچھا قرار دیا ہے اور برا وہ ہے' جس کو شریعت برا کہے۔

ابن بسام المحتسب مزید کہتے ہیں کہ بسا اوقات کوئی جاہل آدمی اپنے عقل کے زور یا ذریعہ سے کسی ایسی چیز کو اچھا سمجھ بیٹھتا ہے' جو شریعت کے نزدیک بری ہوتی ہے' اس طرح وہ لاعلمی میں ایک ممنوع کام کر بیٹھتا ہے۔ لہذا معروف و منکر کی حقیقت کو پہچاننے کے لئے عقل کوئی معیار یا پیمانہ نہیں' بلکہ کتاب اللہ اور سنت نبویؐ ہی سے اس بارے میں رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے:

"ولا مدخل للعقول فی معرفة المعروف والمنكر الا بكتاب الله عزوجل و سنة نبيه صلى الله عليه وسلم"❷

ابن تیمیہ کا موقف

قرآن فی الحقیقت "الحسبہ" کا مرکز و محور ہے اور حدیث اس کی روح۔ معروف' صرف چند اخلاقی' معاشرتی اور مذہبی اچھائیوں سے عبارت نہیں' بلکہ قرآنی اصطلاح میں ایسے تمام احکامات باری تعالیٰ اور تعلیمات نبویؐ کو محیط ہے' جو اخلاق و معاشرت' تہذیب و تمدن' صنعت و حرفت' قانون و دستور' ثقافت و عدالت اور مذہب و سیاست سے تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ امام ابن تیمیہ کے نزدیک ان تمام شعبوں میں اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام و فرامین جاری و ساری کرنے کا نام "الحسبہ" ہے۔ فرماتے ہیں:

"وجميع هٰذه الولايات هي في الاصل ولاية شرعية ومناصب دينية' فاى من عدل في ولاية من هذه الولايات فساسها بعلم و عدل و اطاع الله و رسوله بحسب الامكان فهو من الابرار الصالحين۔ واى من ظلم وعمل فيها بجهل فهو من الفجار الظالمين"❸

الحسبہ فی الاسلام کی اس عبارت کے مطابق مذکورہ تمام شعبہ جات اصل میں وزارت شرعیہ اور مناصب دینیہ ہیں اور جو شخص ان میں سے کسی بھی شعبہ میں عدل و انصاف سے کام لے' اس کی بنیاد علم و عدل پر رکھے اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی حسب الامکان اطاعت کرے' وہ نیک لوگوں میں شمار ہوگا۔ برعکس اسکے جہالت و لاعلمی پر اپنے عمل کی بنیاد استوار کرنے اور ظلم کو وطیرہ بنانے

❶ نہایۃ الرتبۃ فی طلب الحسبۃ: ابن بسام محمد بن احمد بن بسام المحتسب بغداد "مطبعۃ المعارف" ۱۹۶۸ء' ص ۱۰

❷ ایضاً: حوالہ بالا ❸ الحسبۃ فی الاسلام: محولہ سابقہ' ص ۱۱

والا ظالم و فاجر حکمرانوں میں سے ہے۔ ''الحسبہ'' کے اس وسیع تر اصطلاحی مفہوم کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ امام ابن تیمیہ نے یہ تصریح فرمادی ہے کہ الحسبہ ان امور میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، جو گورنروں، قاضیوں اور انتظامیہ کے دائرہ اختیار میں نہیں آتے۔

"واما المحتسب فله الامر بالمعروف والنهى عن المنكر مماليس من خصائص الولاة والقضاة واهل الديوان ونحوهم وكثير من الامور الدينية هو مشترك بين ولاة الامور"❶

ابن قیم کی تائید

امام ابن تیمیہ کے موقف کی تائید ان کے شاگرد رشید ابن قیم کے رشحات فکر سے بھی ہوتی ہے۔ ابن قیم کا بیان اپنے استاد ذی احترام کے نقطہ نظر کی تفصیل میں ہے۔ وہ اول الذکر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو الحسبہ کا قاعدہ اور بنیاد گردانتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ جس چیز کا میں تمہیں حکم دوں، اسے تم استطاعت کی حد تک پورا کرو❷ اس کے بعد ابن قیم نے: ''الحسبہ'' کے اصطلاحی مفہوم کو ان الفاظ میں رقم کیا ہے:

"ان الحكم بين الناس فى النوع الذى لايتوقف على الدعوى.....هو المعروف بولاية الحسبة"❸

وہ حکم جو لوگوں پر ان کی طرف سے کسی دعویٰ پر موقوف نہ ہو، یعنی اس کے لئے کسی نے دعویٰ کیا ہے یا نہیں، اسے الحسبہ کہتے ہیں۔

ابن قیم کے نزدیک بھی ابن تیمیہ کی طرح ''الحسبہ'' ایک دینی ادارہ ہے اور وہ اس کا ذکر ولایۃ المال کے ساتھ کرتے ہیں، جس سے الحسبہ کا اصطلاحی مفہوم مزید اجاگر ہوجاتا ہے۔ ان کا کہنا ہے:

"وكذلك الحسبة و ولاية المال و جميع هذه الولايات فى الاصل ولايات دينية، ومناصب شرعية، فمن عدل فى ولاية من هٰذه الولايات، وساسها بعلم وعدل واطاع الله ورسوله بحسب الامكان، فهو من الامراء الابراء العادلين۔ ومن حكم فيها بجهل وظلم فهو من الظالمين المعتدين"❹

---

❶ ایضاً: حوالہ بالا

❷ الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ: ابن القیم الجوزیۃ، شمس الدین محمد بن ابی بکر، قاہرہ "مطبع السنۃ المحمدیۃ" ۱۹۵۳ء ص ۳۳۸

❸ ایضاً: حوالہ بالا، ص ۲۳۷ ❹ ایضاً: حوالہ بالا، ۲۳۹

الحسبہ اور ولایۃ المال درحقیقت دینی ادارے اور شرعی مناصب ہیں۔ جس نے ان میں عدل سے کام لیا' انہیں علم و عدل سے چلایا فی الامکان اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کی تو وہ شخص نیک اور عادل امراء میں سے ہے اور جس نے ان اداروں میں جہالت اور ظلم سے فیصلے کئے تو وہ شخص ظالم اور سرکشوں میں سے ہے۔

ابن خلدون کی توثیق

''الحسبہ'' ایک ایسی اصطلاح ہے' جو اپنے معانی و مفہوم میں ایک مکمل نظام رکھتی ہے۔ اس کا اطلاق بظاہر اور عمومی طور پر بعض معاشرتی اور اخلاقی برائیوں مثلاً خیانت' تلبیس و تدلیس' کھوٹ اور ملاوٹ وغیرہ پر ہوتا رہا' لیکن اکثر فقہاء خصوصی طور پر ''الحسبہ'' کو ہر اچھی بات کا حکم دینے اور بری بات سے روکنے پر محمول کرتے رہے۔ ابن خلدون ایسے نامور مفکر و مورخ بھی ان ہی مولفین کی صف میں شامل ہیں' جن کے خیال میں ''الحسبہ'':

"هي وظيفة دينية من باب الامر بالمعروف والنهي عن المنكر الذي هو فرض على القائم بامور المسلمين"❶

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے متعلق ایک دینی منصب ہے' جو مسلمانوں کے امور کو چلانے والے (حاکم) پر فرض ہے۔

الحسبہ کے بارے میں ابن خلدون کے اقتباس کی تفصیل قدرے یوں ہے:

"اما الحسبة فهي وظيفة دينية من باب الامر بالمعروف والنهي عن المنكر الذي هو فرض على القائم بامور المسلمين يعين لذلك من يراه اهلا له فيتعين فرضه عليه ويتخذ الاعوان على ذلك ويبحث عن المنكرات ويعزر ويودب على قدرها ويحمل الناس على المصالح العامة في المدينة مثل المنع من المضايقة في الطرقات ومنع الحمالين واهل السفن من الاكثار في الحمل والحكم على اهل المباني المتداعية للسقوط بهدمها وازالة مايتوقع من ضررها على السايلة والضرب على ايدي المعلمين في المكاتب وغيرها في الابلاغ في ضربهم للصبيان المتعلمين ولا يتوقف حكمه على تنازع او استعداء بل له النظر والحكم فيما يصل الى علمه من

❶ مقدمۃ ابن خلدون: ابن خلدون' محولہ سابقہ' ص ۱۸۸ ج ۱

ذلك ويرفع اليه وليس له امضاء الحكم فى الدعاوى مطلقا بل فيما يتعلق بالغش والتدليس فى المعايش وغيرها وفى المكاييل والموازين وله ايضا حمل المماطلين على الانصاف و امثال ذلك مماليس فيه سماع بينة ولا انفاذ حكم وكائنها احكام نيزه القاضى عنها لعمومها وسهولة اغراضها فتدفع الى صاحب هذه الوظيفة ليقوم بهافوضعها على ذلك ان تكون خادمة لمنصب القضاء"❶

روزنتھال (Rosenthal) نے اس عبارت کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے:

The office of market supervisor (hisbah) is a religious position. It falls under the religious obligation "to command to do good and forbid to do evil", which rests with the person in charge of the affairs of the Muslims. He appoints to the position men whom the considers qualified for it. The obligation thus devolves upon the appointee. He may use other men to help him in his job. He investigates abuses and applies the appropriate punishments and corrective measures. He sees to it that the people act in accord with the public interest in the town (under his supervision). For instance, he prohibits the obstruction of roads. He forbids porters and boatsmen to carry too heavy loads. He orders the owners of buildings threatening to collapse, to tear them down and thus remove the possibility of danger to passersby. He prevents teachers in schools and other places from beating the young pupils too much. His authority is not restricted to cases of quarrels or complaints, but he (has to) look after, and rule on, everything of the sort that comes to his knowledge or is reported to him. He has no authority over legal claims in general but he has authority over everything relating to fraud and deception in connection with

❶ ایضاً: حوالہ بالا ۱۸۸ اوبعد

food and other things and in connection with weights and measures. Among his duties is that of making dilatory debtors pay what they owe, and similar things that do not require hearing of evidence or a legal verdict, in other works, cases with which a judge would have nothing to do because they are so common and simple. (Such cases) therfore, are referred to the person who holds the office of market supervisor to take care of them❶.

''الحسبہ'' کا ترجمہ روزنتھال کے نزدیک گویا Office of the Market Supervisor ہے' لیکن فقہاء اسلام کی بیان کردہ اصطلاحی تعریف کے مطابق یہ بعینہ الحسبہ نہیں بلکہ الحسبہ کا ایک شعبہ ہے۔ الحسبہ کی اس تعریف میں روزنتھال اور شاخت (Schacht) ایک دوسرے کے ہمنوا ہیں❷ مگر انہوں نے اس مفہوم سے سہواً یا ارادتاً پہلوتہی کی کہ یہ ''صاحب السوق'' یا ''عامل السوق'' سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔

ضیاء الدین سنامی کا قول

''الحسبہ'' کے بارے میں ابن خلدون کی بیان کردہ تعریف بڑی مختصر مگر جامع ہے اور ان فقہاء اسلام کے نظریہ احتساب سے مطابقت رکھتی ہے' جو ''الحسبہ'' کو روزنتھال اور شاخت سے قطع نظر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فرائض کی ادائیگی سے تعبیر کرتے ہیں اور اسے باقاعدہ ایک دینی منصب کی حیثیت دیتے ہیں۔ ابن خلدون کے ایک پیشرو جو کہ خود منصب محتسب پر فائز رہے ہیں' ساتویں صدی ہجری ہی میں اس کی تصریح میں کہہ گئے ہیں:

''ان الحسبة فی الشریعة تتناول کل مشروع یفعل لله.....وفی العرف مختص بامور''❸

الحسبہ میں ہر شرعی کام کہ جسے اللہ تعالیٰ کی خاطر کیا جائے شامل ہے اور یہ عرف میں چند امور کے ساتھ مخصوص ہے۔

---

❶ Rosenthal Frauz: Eng. Trans. Muqaddimah, vol 1, p 264, Princeton 1958

❷ Schacht Joseph: An Introduction to Islamic Low, P 52, Oxford 1982

❸ نصاب الاحتساب: قاضی ضیاء الدین السنامی المحتسب البغدادی مخطوطہ دانشگاہ پنجاب لاہور

قاضی ضیاء الدین السنامی کی اس تعریف سے الحسبہ کا اصطلاحی مفہوم ہی واضح نہیں ہوجاتا' بلکہ معروف ومنکر کی تشریعی اہمیت کی بھی وضاحت ہوتی ہے۔شرعی کام بقول قاضی صاحب موصوف چونکہ رضائے الٰہی کے لئے کیا جاتا ہے'اس لئے خدا ہی سے صلہ وستائش کی تمنا کی جاتی ہے اور احتساب کا فرض بحسن وخوبی انجام دینے والا ہر فرد دنیوی انعام واکرام سے بے نیاز ہوکر نہایت بے خوفی اور جرات وایثار سے صرف اور صرف خوشنودی باری تعالیٰ کی خاطر اپنے آپ کو الحسبہ کی ادائیگی کا پابند کرلیتا ہے'اس اعتبار سے بعض ماہرین لغت الحسبہ کے اصطلاحی معنوں میں یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں:

''مزدوری' مزدوری کی امید' ثواب کی امید'' ❶

ان الفاظ کے علاوہ یہ معانی بھی ملتے ہیں:

''ثواب' جزا' خدا کے ثواب کی امید' تدبیر'' ❷

الحسبہ سے ایک مراد ہے:

''میت کو پتھروں میں کفنانا یا دفن کرنا'' ❸

الاعظمی نے ''مردہ کا دفن'' ❹ معنی لکھے ہیں۔ نیز الحسبہ کی ایک صورت الحسبہ بیان کی ہے اور اس کے معنی لکھے ہیں:

''اونٹ کے رنگ میں سرخی وسفیدی ملی ہوئی ❺''

ان تمام معانی کے مطالب پر غور کیا جائے تو قاضی ضیاء الدین السنامی المحتسب البغدادی کے اس قول کی صداقت کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کیا جانے والا ہر شرعی کام ''الحسبہ'' ہے' مخفی نہیں رہتی۔ مزدوری یا مزدوری کی امید بہ معنی صلہ وستائش ہے' انسان انسان سے طلب کرے یا خدا سے۔ یہ حقوق العباد سے ہے اور حقوق اللہ سے بھی۔ مزدوری یا ثواب کو جزا پر منطبق کرنا اور اس کی خاطر حسن تدبیر سے کام لینا ''الحسبہ'' ہے۔ اونٹ کے رنگ میں سرخی وسفیدی کی طرف بلیغ اشارہ

---

❶ بیان اللسان: قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی' کراچی ''دارالاشاعت'' (س۔ن) ص ۲۲۷

❷ المعجم الاعظم: محمد حسن الاعظمی' کراچی ''مکتبہ اعظمیہ'' ۱۹۵۴ء ص ۵۹۸

❸ مصباح اللغات: ابوالفضل عبدالحفیظ بلیاوی' کراچی ''میر محمد کتب خانہ'' س۔ن ص ۱۵۲

❹ المعجم الاعظم: محولہ بالا' ص ۵۹۸ ❺ ایضاً: حوالہ بالا'

محتسب کے اختیارات وفرائض کو محیط ہے اور میت کو پتھروں میں کفنانا یا دفن کرنا' اللہ کی خاطر ہر شرعی کام کر کے اپنے آپ کو بارگاہ الٰہی میں سرخرو کرنے' اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے اور صلہ و ستائش' جزا وسزا' اور ثواب وغیرہ کے لئے اسی یعنی خدا سے فیصل کرانے پر منحصر ہے۔ ''الحسبہ'' گویا شرعی عمل ہے اور اس سے متعلق ومخصوص امور شریعت کے تقاضوں کو پورا کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ شریعت چونکہ ایک وسیع وعریض علم ہے' اس لئے بعض مولفین کے نزدیک ''الحسبہ'' ایک اصطلاح ہونے کے ساتھ ساتھ اس علم کی ایک شاخ یا بذاتہ علم کا درجہ رکھتی ہے۔

حاجی خلیفہ کی تصریحات

''الحسبہ'' کے علم قرار پانے کے باوصف اس کے دینی فریضہ اور منصب ہونے کی حیثیت اور قدر ومنزلت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی' بلکہ ایک طرح سے الحسبہ کی وقعت میں اضافہ ہوتا ہے اور محتسب کے منصب کی تعیین وتحسین بڑھ جاتی ہے۔ شاید اسی لئے ممتاز ترک فاضل حاجی خلیفہ چلیبی نے اپنی گراں مایہ تصنیف میں ''الحسبہ'' کا ذکر علوم وفنون کی فہرست میں کیا ہے۔ وہ ''علم الاحتساب'' کے عنوان سے اگرچہ بہت سی ایسی باتیں دہراتے ہیں' جن کا ادارہ احتساب سے بظاہر اور براہ راست کوئی تعلق نظر نہیں آتا' تاہم ان سے ''الحسبہ'' کے وسیع تر اصطلاحی مفہوم کو متعین کرنے میں کافی مدد ملتی ہے۔ بقول ان کے الحسبہ':

> "هو علم باحث عن الامور الجارية بين اهل البلد من معاملاتهم اللاتى لايتم التمدن بدونها' من حيث اجرائها على قانون العدل بحيث يتم التراضى بين المعاملين"[1]
>
> وہ علم ہے' جو اہل شہر کے درمیان وقوع پذیر ہونے والے ایسے روزمرہ معاملات سے کہ جن کے بغیر تمدن کی تکمیل نہیں ہوسکتی اس طرح بحث کرتا ہے کہ فریقین میں مکمل رضامندی کے قیام کی غرض سے عدل وانصاف کے مطابق چلانا کیونکر ممکن ہے۔

کشف الظنون میں مزید بتایا گیا ہے کہ علم الاحتساب کا مقصد عوام کی اصلاح کے لئے حسب ضرورت اور بقدر ضرورت زجر وتوبیخ ہے۔ اس کام کی خاطر لوگوں کو اچھائیوں کا حکم دیا جاتا ہے اور برائیوں سے منع کیا جاتا ہے تاکہ ان کے درمیان تنازعات اور فخر ومباہات پیدا ہوں نہ وہ ایک

---

[1] کشف الظنون: مصطفیٰ بن عبداللہ خلیفہ' استنبول ۱۹۴۳ء ص ۱۵ ج ۱

دوسرے سے بلاوجہ تجاوز کرنے کی کوشش کریں۔ یہ حکومت کی صوابدید پر ہے کہ لوگوں کو باز رکھنے کے لئے کون سے مناسب طریقے اختیار کئے جائیں۔ اس کے بعض بنیادی اصول وقواعد تو فقہی ہیں، اور بعض مبنی بر استحسان، جن کے بارے میں بقول صاحب کشف الظنون، خلیفہ یعنی حکومت ہی فیصلہ کرنے کی مجاز ہے اور اس کا فائدہ شہروں کے امور کو بہتر طور پر چلانا ہے:

"وعن سياسة العباد بنهي المنكر و امر المعروف بحيث لايودي الى مشاجرات وتفاخر بين العباد بحسب ما رآه الخليفة من الزجر والمنع، ومباديه بعضها فقهي وبعضها امور استحسانية ناشئة من راى الخليفة والغرض منه تحصيل المملكة في تلك الامور"❶

علم الاحتساب کی اسی اہمیت اور نزاکت کے پیش نظر حاجی خلیفہ الحسبہ کو انتہائی مشکل علوم میں شمار کرتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ صرف مضبوط سمجھ بوجھ کا مالک اور صحیح فکر کا حامل شخص ہی اس پر قدرت حاصل کرسکتا ہے، کیونکہ افراد، ازمنہ اور احوال، اکثر وبیشتر تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور یہ کیفیت ایک جیسی نہیں رہتی:

"وهذا العلم من ادق العلوم ولا يدركه الا من له فهم ثاقب و حدس صائب اذالاشخاص و الازمان والا حوال ليست على وتيرة واحدة"❷

اس اعتبار سے "الحسبہ" لازمی طور پر ہر زمانے اور احوال کی مخصوص سیاست کا حصہ ہے۔ المولیٰ ابوالخیر نے تو یہاں تک واضح الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ علم الریاست (سیاست) المدینۃ، منصب احتساب کے بعض لوازمات پر مشتمل ہے:

"وعلم الرياسة (السياسة) المدينة مشتمل على بعض لوازم هذا المنصب"❸

موضوعات لطف اللہ کے حوالے سے کشف الظنون میں یہ صراحت بھی کردی گئی ہے کہ شہر کے لوگوں کے امور کی نگہداشت، ریاستی اور شرعی قوانین کے مطابق "ليلا ونهارا سرا وجهارا"❺ یعنی رات دن اور خفیہ واعلانیہ کی جانی چاہئے اور یہی درحقیقت "الحسبہ" ہے۔

---

❶ ایضاً: حوالہ بالا ❷ ایضاً: حوالہ بالا ❸ موضاعات لطف اللہ بحوالہ کشف الظنون ج ۱۶

❺ ایضاً: حوالہ بالا

کاشفی کا مطمحِ نظر

ریاستی اور شرعی قوانین کی اہمیت وافادیت سے انکار ممکن نہیں۔ قوانین تو شہریوں کے جان، مال اور عزت وآبرو کے تحفظ ہی کے لئے بنائے جاتے ہیں اور ان کا حقیقی مقصد اخلاق عامہ اور مفاد عامہ کی نگہداشت ہوتا ہے۔ اسلام نے عبادات کے ساتھ ساتھ معاملات پر بھی بہت زیادہ زور دیا ہے، چنانچہ ''الحسبہ'' سے مراد لوگوں کو ایک طرح سے اسلامی طرز حیات اپنانے کی نہ صرف تلقین کرنا بلکہ پابند کرنا ہے۔ اسی لئے عہد تیموری کے ایک ممتاز مصنف کا مطمعِ نظر یہ ہے کہ:

''محتسب کا وجود اس امر کی ضمانت ہے کہ عوام اسلامی قوانین کے مطابق زندگی بسر کریں'' ❶

اسلام لوگوں کو انفرادی اور اجتماعی زندگی میں معروفات ومنکرات کا پابند دیکھنے کا متمنی ہے۔ وہ کذب وافتراء، ملاوٹ، ہیرا پھیری رشوت، سفارش، گرانی اور ذخیرہ اندوزی وغیرہ کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ برعکس اس کے حقوق اللہ، حقوق العباد اور مشترکہ حقوق کی ادائیگی کی تلقین کرتا ہے۔ کتاب وسنت میں ایسے قوانین موجود ہیں، جن پر عمل پیرا ہونا ہر مسلمان کے لئے ازبس ضروری ہے۔ ان ہی اسلامی قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنا صاحب اخلاق محسنی، ملا حسین واعظ کاشفی کے نزدیک مسلمانوں کا اخلاقی اور اسلامی فریضہ ہے اور ''الحسبہ'' کا وجود اس امر کا ضامن ہے۔

تھانوی تعریف کی تقسیم

امام غزالیؒ سے لے کر ملا کاشفی تک کے فقہاء، متکلمین اور مولفین نے ''الحسبہ'' کی جو اصطلاحی تعریف بیان کی ہے، اس کی بہ اعتبار مفہوم دو نوع ہیں: از روئے شریعت اور از روئے عرف۔

شریعت اچھائی کی تلقین کرتی ہے اور برائی کی ہرگز اجازت نہیں دیتی۔ عرف سے بھی ایسے امور خاص ہیں، جن سے احکام شریعت کی نفی کی بجائے اثبات اور تردید کی جگہ تائید ہوتی ہو۔ گویا شریعت اور عرف دونوں ہی معروفات پر عمل پیرا ہونے اور منکرات سے اجتناب کی تلقین کرتے ہیں۔ ''الحسبہ'' کی تعریف کرتے ہوئے صاحب کشاف اصطلاحات الفنون نے ان ہی دو نوع کو مدنظر رکھا ہے۔ لکھتے ہیں:

---

❶ اخلاق محسنی: حسین واعظ ملا کاشفی، بمبئی، طبع میرزا ابراہیم تاجر شیرازی، ۱۳۰۸ھ ص ۱۵۹

"فی الشرع هما الامر بالمعروف اذا ظهر ترکه والنهی عن المنکر اذا ظهر فعله ثم الحسبة فی الشریعة عام یتناول کل مشروع یفعل لله کالا ذان و الاقامة واداء الشهادة الی کثرة تعداده ولهذا قیل القضاء باب من ابواب الحسبة وفی العرف اختص بامور احدها اراقة الخمور وثانیها کسر المعازف وثالثها اصلاح الشوارع"❶

از روئے شریعت الحسبہ اور احتساب کے معنی ہیں کہ کسی ایسی اچھائی اور نیکی کا حکم دینا' جسے لوگوں نے ترک کردیا ہو اور ایسی برائی سے روکنا جس کے لوگ مرتکب ہورہے ہوں۔ شریعت میں الحسبہ کا لفظ عام ہے اور ہر اس امر مشروع پر مشتمل' جو اللہ کیلئے کیا جائے' جیسے اذان' اقامت' ادائے شہادت۔ اور ان امور کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ یہاں تک کہا گیا ہے کہ قضاء بھی الحسبہ ہی کا ایک حصہ ہے۔ از روئے عرف الحسبہ بعض امور سے خاص ہے۔ مثلاً شراب کا بہا دینا' ثانیاً آلات موسیقی کا توڑ دینا اور ثالثاً سڑکوں کی اصلاح کرانا۔

محمد المبارک کی تحقیق

"الحسبہ" سے پہلو تہی لوگوں کی بے راہروی پر منتج ہوتی ہے اور اس سے نہ صرف فسادات کے دروازے کھل جاتے ہیں' بلکہ معاشرتی اور قومی نظم وضبط اور امن عامہ میں بھی خلل پیدا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے اسی لئے عہد حاضر کے محققین' قدیم فقہاء اسلام کی طرح "الحسبہ" کو حکومت کی نگرانی میں کام کرنے والے ادارہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ کے پروفیسر اور شام کے سابق وزیر تعلیم کا بیان ہے:

"هی رقابة ادارية تقوم بهاالدولة عن طریق موظفین خاصین علی نشاط الافراد فی مجال الاخلاق و الدین والاقتصاد' ای فی المجال الاجتماعی بوجه عام' تحقیقا للعدل والفضیلة' وفقا للمبادی المقررة فی الشرع الاسلامی وللاعراف المالوفة فی کل بیئة وزمن"❷

یہ ایک نگران ادارہ ہے' جو حکومت قائم کرتی ہے اور اسے اسکے خاص ملازمین چلاتے

---

❶ کشاف اصطلاحات الفنون: محمد اعلی بن علی تھانوی' کلکتہ ایشاٹک سوسائٹی آف بنگال ۱۸۹۲ء ص ۲۷۷' ۲۷۸ ج ۱

❷ الدولة نظام الحسبة عند ابن تیمیة: دمشق "م۔ن" ۱۹۹۰ء ص ۳۴۳

ہیں۔ اس کا مقصد اخلاق، مذہب اور اقتصادیات کے دائرے میں افراد کی سرگرمیوں پر نظر رکھنا ہے یعنی ان کی عام اجتماعی سرگرمیوں کی نگہداشت ہو تا کہ عدل و انصاف اور اقتدار اعلیٰ کو بروئے عمل لایا جاسکے اور اس معاملے میں شریعت اسلامی اور مختلف زمانوں اور علاقوں میں جو معروف اور پسندیدہ طریقے مروج ہیں، ان کی روشنی میں اس اہم کام کو سرانجام دیا جاسکے۔

توضیحات کا حقیقی مفہوم

محمد المبارک کی بیان کردہ تعریف بڑی مختصر مگر جامع ہے۔ انہوں نے اخلاق، مذہب اور اقتصادیات کے دائرے میں افراد کی سرگرمیوں پر نظر رکھنے والے نگران ادارے کو جو حکومت قائم کرتی ہے اور جس کا مقصد اجتماعی سرگرمیوں کی نگہداشت اور عدل و انصاف قائم کرنا ہے، الحسبہ قرار دیا ہے، لیکن یہ تصریح بھی کردی ہے کہ الحسبہ شریعت اسلامی اور مختلف زمانوں اور علاقوں میں مروج معروف اور پسندیدہ طریقوں کا پابند ہے۔ اسی لئے بعض مولفین کہتے ہیں کہ الحسبہ کی بہت سی تعریفوں میں سے کچھ لغوی ہیں اور کچھ علاقے کے اعتبار سے:

"وقد جاء فی تعریف الحسبة۔ التی الیها نسبت الدار۔ عدد من التعاریف بعضها لغوی و البعض الاخر شرح لمفهومهافی کل بلد"❶

تاریخ کے تناظر میں دیکھا جائے تو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ حساب یا محتسب کے فریضہ کا اطلاق ''الحسبہ'' کی قانونی وانتظامی اصطلاح پر ہوتا رہا:

"ثم اکتسبت الکلمة معنی خاصا هو الشرطه، واصبحت تدل اخیرا علی الشرطة الموکلة بالاسواق و الاداب العامة"❷

پھر اس کلمہ (الحسبہ) کے معانی پولیس کیلئے مخصوص ہوکر رہ گئے اور بعد میں خاص طور پر اسے پولیس کیلئے استعمال کیا جانے لگا، جو بازاروں میں نظم وضبط عامہ پر مامور ہوتی ہے۔

اسلامی فقہ میں الماوردی اور الفراء ایسے جن مولفین نے کتب تالیف کیں، انھوں نے الحسبہ کو ان ہی معنوں میں استعمال کیا۔ ماہرین لغت کا رجحان بھی اس طرف غالب دکھائی دیتا ہے۔

---

❶ المدینة المنورة واول بلدیة فی بلاد الاسلام: صدقہ حسن خاشقجی/النمر، محمد عبدالجابل مدینہ منورہ وزارۃ الشئون البلدیۃ والقریۃ

❷ دائرۃ المعارف الاسلامیۃ: عربی: محولہ سابقہ، ص ۳۷۸ ج ۷

انھوں نے صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ قدیم اسلامی ممالک میں ''الحسبہ'' ایک ایسا سرکاری منصب تھا' جس پر فائز شخص بازار کی قیمتوں وغیرہ کی نگرانی کا ذمہ دار ہوتا تھا:

"الحسبة: منصب فی الدول الاسلامية القديمة كان يتولا مسوول عن مراقبة الاسعار و نحوها"❶

لیکن ''الحسبہ'' کے یہ محدود معنی ہیں اور مؤرخین کی تالیفات میں کہیں اس قسم کے سرسری اور کہیں بلیغ اشارات ملتے ہیں کہ الحسبہ کی اصطلاح محتسب کے محدود فریضہ سے زیادہ وسیع معانی رکھتی ہے:

".....ولكن للحسبة من غير شك معنى اوسع من وظيفة المحتسب بمدلولها المحدود"❷

مثال کے طور پر:

"دارالمحاسبة والمواريث او الموتى۔ تدل على ان الحسبة كانت اسما لدارالتسجيل التى تسجل فيها الوفيات والمواليد وتدارفيها تركات اليتامى و اموالهم"❸

دارالمحاسبہ والمواریث یا الموتی سے ظاہر ہوتا ہے کہ ''الحسبہ'' اس دفتر اندراج کے لئے استعمال ہوتا تھا' جس میں مرنے اور پیدا ہونے والوں کے نام لکھے جاتے اور یتامی کے ترکے اور ان کے مال کا انتظام کیا جاتا تھا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ''الحسبہ'' کا لفظ اوزان و پیمائش کے دفتر کے لئے استعمال ہوتا رہا۔ اس دفتر کو دارالعیار کہتے تھے۔ اسی طرح محاسب اعلیٰ کے محکمے اور فوج کے اسلحہ خانے اور سٹور کے لئے بھی اسے استعمال کرتے رہے:

"لفظ الحسبة ايضا مستعملا للدلالة على دارالموازين والمكاييل وتعرف "بدارالعيار" وكذلك ديوان المحسابة الاعلى واخيرا للدلالة على ديوان ميرة الجيش وذخيرته"❹

بعض مصنفین نے پیدائش و اموات اور میراث کی رجسٹری' یتامی کے مال کی نگرانی اور فوجی رسد کو

---

❶ رائد الطلاب: جبران مسعود' بیروت ''دارالعلم'' ۱۹۶۷ء ص ۳۶۵

❷ دائرۃ المعارف الاسلامیۃ: (عربی) محولہ سابقہ' ص ۳۷۸ ج ۷

❸ ایضاً: حوالہ بالا ❹ ایضاً: حوالہ بالا

''الحسبہ'' کے تحت ماننے والوں سے اختلاف کیا ہے' جیسا کہ ظاہر ہوتا ہے کہ بسا اوقات الحسبہ اور المواریث قاضی کے سپرد ہوتے تھے اور کبھی قاضی ''المخزنیات'' کا بھی نگران ہوتا تھا۔ اس صورت میں یہ تمام امور قاضی ہی سے متعلق ہو جاتے تھے اور الحسبہ میں ان کا شمار نہیں کیا جاتا تھا❶ تاہم یہ امر یقینی ہے کہ الحسبہ کا خاص کام اخلاق عامہ (Public Moral) کی اصلاح تھا اور جو کام مفاد عامہ کے خلاف ہوتے' ان کی روک تھام اس کے ذمہ تھی۔

الحسبہ کی مختلف توضیحات کا حقیقی مفہوم درحقیقت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں مضمر ہے۔ وہ امور جنھیں شریعت اسلامی میں جائز قرار دیا گیا ہے' معروفات میں سے ہیں اور جنہیں نہ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے' منکرات میں شمار ہوتے ہیں۔ اسلام میں چونکہ نیکی کے کاموں کا ذکر نماز' روزہ اور زکوٰۃ وغیرہ کے ساتھ کیا گیا ہے' اس لئے الحسبہ کو بھی ایک دینی فریضہ سمجھ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں' بلکہ اکثر فقہاء اسلام نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ یہ واجب ہے اور اس کو ترک کرنے والا گنہگار۔ اس سے آگاہ ہونا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ چنانچہ اس سے آگہی ضروری ہے۔ اس کی ذمہ داری فرداً فرداً ہر مسلمان پر ہے اور بالخصوص حکومت پر کہ وہ اسلامی ریاست میں عوام کی فوز و فلاح اور انہیں اسلام کی حقیقی نعمتوں سے مستفیض کرنے کے لئے اسلامی عدل و انصاف اور اخلاق کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اجتماعی اور حکومتی سطح پر باقاعدہ ادارہ احتساب کا قیام عمل میں لائے۔ المختصر:

> ''الحسبہ = ایک اصطلاح جس کا مقصد ایک طرف تو یہ ہے کہ ہر مسلمان امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے اور دوسری طرف اس شخص کے معنوں میں آتا ہے' جو کسی شہر میں عوام کے اخلاق کی نگرانی کے لئے سرکاری طور پر مقرر کیا گیا ہو۔ ایسے اہل کار کو محتسب کے نام سے پکارا جاتا ہے'' ❷

ابن قیم کا بیان اس ساری بحث کا خلاصہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ وہ حکم جو لوگوں پر ان کی طرف سے دعویٰ کے بغیر ہوتا ہے اور کسی کے دعویٰ پر موقوف نہیں' اسے الحسبہ کہتے ہیں اور اس کی نگرانی کرنے والے کو والی حسبہ یعنی محتسب:

> ''واما الحکم بینهم فیما لایتوقف علی الدعوی: فهو المسمی بالحسبة' والمتولی له: والی الحسبة'' ❸

---

❶ یاقوت حموی کی معجم الادباء کے مختلف تذکروں میں اسکی تفصیلات موجود ہیں

❷ اردو دائرہ معارف اسلامیہ: جامعہ پنجاب لاہور ص ۱۷۸ ج ۸ ❸ الطرق الحکمیہ: ابن الجوزی' محولہ سابقہ' ص ۲۳۶

(حصہ ج)

محتسب کی تعریف

احتساب اور الحسبہ میں وہ تمام باتیں شامل ہیں، جن کی شریعت اسلام نے اجازت دی ہے۔ اس اعتبار سے محتسب کی تعریف اور اس کا مقام متعین کرنے میں بظاہر کوئی مشکل نظر نہیں آتی۔ شرعی امور میں اخلاقیات اور معاملات دونوں داخل ہیں اور اسلامی ریاست کے تقریباً ہر دور میں کوئی نہ کوئی محتسب ان سے متعلق رہا ہے، اس لئے اس کی حیثیت اور کردار بھی ارباب علم، اصحاب فکر و فہم اور ناقدین و محققین سے کسی صورت مخفی نہیں رہے۔ ان کے ہاں اس کے شرائط متعین ہیں، فیصلے محفوظ اور کارنامے واضح، جو محتسب کی تعریف اور اس کے مقام کو متعین کرنے میں مدد دیتے ہیں۔

لغوی و اصطلاحی توضیح

محتسب ❶ عربی زبان کا لفظ ہے، مگر اردو میں عام مستعمل۔ پاکستان کی علاقائی زبانوں: پنجابی اور سندھی کے علاوہ کشمیری میں بھی محتسب ہی استعمال ہوتا ہے جبکہ بلوچی زبان میں ''حساب گر''۔ بنگلہ میں محتسب کو ''شومالوچوک'' کہتے ہیں ❷ انگریزی میں اسے Muhtasib اور Mohtasib لکھتے ہیں، جبکہ عہد حاضر میں اس کا اصطلاحی مترادف Ombudsman ہے۔

بادی النظر میں محتسب، احتساب سے اسم فاعل ہے اور اس کے معانی ہیں: احتساب کرنے والا، جبکہ محتسب، احتساب سے اسم مفعول ہے، یعنی جس کا احتساب کیا جائے۔ اردو میں محتسب کی جمع محتسبان ❸ بتائی جاتی ہے اور محتسب سے مشتق محتسبی کو اسم کیفیت ❹ بیان کرتے ہیں۔ عربی دانوں نے محتسب کی لغویت پر اس کے اصطلاحی معنوں کو ترجیح دی ہے اور بالعموم ان ہی کا اطلاق کیا ہے ❺ فارسی کی لغات ❻ میں بھی وہی معانی و مفہوم ملتا ہے، جو لغوی اور اصطلاحی طور پر

---

❶ ''م'' کی پیش ''ت'' کی زبر اور ''س'' کی زیر کے ساتھ

❷ ہفت زبانی لغات: اشفاق احمد/محمد اکرام چغتائی/فضل قادر فضلی لاہور ''مرکزی اردو بورڈ'' ۱۹۷۴ء ص ۶۳۴

❸ فرہنگ آصفیہ/نوراللغات/مہذب اللغات، بذیل حرف

❹ یعنی وہ اسم جس سے کسی شخص یا شے کی کوئی خاص حالت یا کیفیت معلوم ہو: دیکھئے ''قواعد اردو'' مولوی عبدالحق''

❺ تفصیل کیلئے دیکھئے: النہایۃ/لسان العرب/ودیگر لغات عربی

❻ ملاحظہ کیجئے: فرہنگ فارسی/فرہنگ نظام/ودیگر لغات فارسی

اردو اور عربی کی کتب لغت میں مذکور ہے یا جنہیں فقہاء اسلام نے واضح کرنے کی کوشش کی ہیں۔ حوالے کی انگریزی، فرانسیسی، جرمنی اور ہسپانوی کتب کے زیادہ تر ماخذ اولین عربی کتب ہیں یا پھر ثانوی ماخذ فارسی کتب، جن سے محتسب یا Ombudsman کی تعریف واضح کرتے ہوئے اسلامی ریاستوں میں اس کے کردار کی نشاندہی کی گئی ہے، مختلف ادوار میں اس کی مختلف حیثیات بتائی گئی ہیں اور آخر میں سویڈن اور بعض دیگر ممالک میں محتسب کی موجودہ صورت کو بیان کیا گیا ہے۔

مختلف معانی۔ مجموعی تاثر

یہ تعریف بڑی مختصر مگر جامع ہے کہ محتسب، احتساب کے عہدہ پر فائز شخص کو کہتے ہیں:

"المحتسب من كان يتولى منصب الحسبة"❶

بعض نے ادارہ احتساب یا الحسبہ ہی کے لئے محتسبی (Mohtasibi) کا لفظ استعمال کیا ہے اور اس کی وضاحت ان الفاظ میں بھی ملتی ہے:

"The duty or Office of Mohtasib"❷

محتسب کی ایک مختصر تعریف ان الفاظ میں بھی ملتی ہے:

''حساب لینے والا، شرع کے خلاف باتوں کی ممانعت کرنے والا''❸

ایک اور اردو لغت میں ''محتسب'' کے متعلق لکھا ہے:

''حساب لینے والا، وہ حاکم جو خلاف شرع باتوں کی ممانعت کرے۔ حاکم شرعی، مفتی، قاضی، کوتوال''❹

کہیں کچھ اضافے اور تصریح کے ساتھ اس طرح اظہار کیا گیا ہے:

''حساب لینے والا، خلاف شرع باتوں کی ممانعت کرنے والا حاکم، کوتوال جو اوزان اور پیمانوں کی پڑتال کرے اور خلاف شرع باتوں کو روکے''❺

---

❶ المعجم الوسیط: ابراہیم مصطفیٰ وغیرہ، محولہ سابقہ، ص ۱۷۲ ج ۱

❷ Platts. T. John, Aoictionary of urdu classical Hindi and English, P 1007, London 1960.

❸ نور اللغات: مولوی نور الحسن نیر کاکوری، کراچی ''جنرل پبلشنگ ہاؤس'' ۱۹۵۷ء ص ۳۱۰ ج ۴

❹ فیروز اللغات: مولوی فیروز الدین، لاہور ''فیروز سنز'' (س۔ن) ص ۱۰۹۱

❺ علمی اردو لغت: مرزا مقبول بیگ بدخشانی، لاہور ''مرکزی اردو بورڈ'' ۱۹۶۹ء ص ۸۱

عربی کی ایک لغت میں ہے کہ محتسب اس شخص کو کہتے ہیں' جو شہر میں اس کے اموال وغیرہ کی نگرانی کے لئے تعینات ہو:

"المحتسب: مامور فی البلد ینظر فی امواله وغیرها"❶

نیز محتسب اس عہدے کا نام ہے' جس پر اسلامی ممالک میں کوئی ایسا امیر متعین ہوتا تھا' جس کے ذمے امور عامہ کی نگرانی تھی' مثلاً قیمتوں کے اتار چڑھاو اور اخلاقی امور کی نگہداشت۔

"منصب کان یتولا فی الدول الاسلامیة رئیس یشرف علی الشئون العامة من مراقبة الاسعار ورعایة الاداب"❷

ان مختلف المعانی مگر مجموعی تاثر کی حامل وہ تعریف ہے' جو ۹۷۳ھ میں عالم اسلام کے تہتر نامی گرامی اور جید علماء کرام نے اسلامی ریاست کے نظم ونسق کے موضوع پر ایک لائحہ عمل طے کرنے والی کانفرنس میں کی۔ اس میں بتایا گیا کہ:

"محتسب وہ شخص ہے' جس کے متعلق رواج اسلام اور نفاذ احکام شریعت کیا گیا ہوتا کہ وہ جس بدعت وخلاف شرع بات کو اعلانیہ لوگوں میں پائے' اول نرمی اور بعد ازاں بہ سختی منع کرے"❸

محتسب۔ شرعی امور کا نگہبان

یہ تمام تعریفیں بہر صورت محتسب کو' حساب لینے والا' ثابت کرتی ہیں۔ وہ خلاف شرع باتوں کی چونکہ ممانعت کرتا ہے' اس لئے اس کی حیثیت شرعی امور کے نگہبان کی ہوتی ہے۔ ماضی کے مختلف ادوار میں یہ فریضہ کبھی مفتی و قاضی اور بعض حالات میں کوتوال شہر انجام دیا کرتے تھے' چنانچہ محتسب کی تعریف میں انہیں داخل کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کی گئی۔

درحقیقت محتسب کی ذمہ داری ہی یہ ہوتی تھی کہ وہ شرعی امور کی پابندی کی تلقین کرتا رہے اور خلاف شرع باتوں کی ممانعت۔ وہ اوقات نماز اور احترام رمضان کی پابندی کراتا تھا' اس اعتبار سے امور دینیہ کے ایک باعزت و بااختیار محکمے کا سربراہ ہوتا تھا۔ اس کا کام ان امور میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر رہا' جو بقول امام ابن تیمیہ گورنروں' قاضیوں اور انتظامیہ کے عمال

❶ الرائد الطلاب: محولہ سابقہ' ص ۳۳۴ ❷ المعجم الوسیط: محولہ بالا' ص ۱۷۱ ج ۱
❸ منتخب مختار الکونین: مترجم عبدالرحیم' لاہور' مکتبہ آزاد' ۱۹۱۴ء ص ۱۲۴

کے دائرہ اختیار سے باہر تھے ❶۔ شرعی امور کی نگہبانی میں اس کی حیثیت مسلمہ تھی۔ ابن قیم کی تصریح کے مطابق وہ لوگوں کی طرف سے دعوی کی پرواہ اور پابندی کے بغیر اپنا فرض سرانجام دیتا تھا ❷۔ اور ظاہر ہے کہ شریعت کا کوئی محافظ ہی ہر قسم کے دباؤ اور خوف سے بے نیاز ہو کر اپنی ذمہ داریاں نبھا سکتا ہے۔ وہ حسبۃ للہ اور احتساباً باللہ اپنے فرائض ادا کرتا ہے' اس لئے اسے ''محتسب'' کہتے ہیں۔ فارسی زبان کی ایک مشہور مثل ہے کہ: محتسب را درون خانہ چہ کار'

مقصود بیان یہ ہے کہ کسی کو خواہ محتسب ہو' دوسرے کے اندرونی معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق حاصل نہیں مگر محتسب صرف ان امور میں مداخلت کرتا ہے' جن پر شریعت اسلامی نے کوئی قدغن لگائی ہو اور معروفات و منکرات کے امتیاز کے حوالے سے ان کی تلقین کی گئی ہو۔

محتسب کو شرعی امور کا نگہبان تسلیم کیا جانا' اس کی تعریف کا ایک روشن پہلو ہے۔ مزید تائید فارسی کی اس ضرب المثل سے ہوتی ہے کہ محتسب کو خود بھی شریعت کا پابند ہونا چاہئے۔ اگر کوئی شخص کہ محتسب ہی کیوں نہ ہو' بذات خود معروف و منکر کا پابند نہ ہو' کسی دوسرے بڑے آدمی کے برے کام پر اسکی گرفت نہیں ہو سکتی: محتسب گرمے خورد معذور دارد دست را'

عہد حاضر کے مولفین کو بھی محتسب کی اس تعریف سے انکار نہیں۔ وہ محتسب کو شرعی امور کا نگہبان قرار دیتے ہیں اور ان کے نزدیک اس کی ذمہ داریاں احکام شریعہ سے متصل ہیں:

"المحتسب امام للمجتمع الاسلامی الذی یامر بالمعروف وینهی عن المنکر' ومن الوظائف المتصله بالاحکام الشرعیة وظیفة المحتسب" ❸

نگران امور عامہ

گرانی' ذخیرہ اندوزی' شراب نوشی و شراب فروشی' دیگر منشیات کی فروخت' قمار بازی' جوئے بازی' فحاشی' آوارگی' اور غلط اوزان اور پیمانوں وغیرہ کا استعمال چونکہ از روئے شریعت منع ہے اور یہ جرائم قابل مواخذہ ہیں' اس لئے مذہب اور اخلاق سے متعلق ایسے بیشتر امور عامہ کی دیکھ بھال کا فریضہ محتسب کو تفویض رہا۔ اس حوالے سے محتسب کی تعریف کرنے والوں میں کئی غیر مسلم بھی شامل ہیں۔ ایک نے لکھا ہے:

---

❶ الحسبۃ فی الاسلام: محولہ سابقہ' ص ۱۱ ❷ الطرق الحکمیۃ: محولہ سابقہ' ص ۲۳۶

❸ المدینۃ المنورۃ: محولہ سابقہ' ص ۱۴

"Muhtasib; A superintendent of market and police; an officer appointed to take coghizance of improper behaviour, as of indecency, drunkenness, gambling and of the sale of intoxicating drugs and liquors and false weights and measures"❶.

محتسب پولیس اور مارکیٹ کا منتظم' ایک بااختیار افسر جو لوگوں کے نامناسب اور غیر مہذب طور طریقے مثلاً آوارگی' شراب نوشی' جوئے بازی اور نشہ آور ادویات اور اشیاء اور نادرست اوزان اور پیمانوں پر کڑی نظر رکھے۔

محتسب کی تعریف میں قریب قریب یہی مفہوم قدرے مختلف الفاظ میں جان پلیٹس (John T. Platts) کے ہاں ملتا ہے:

"(Mohtasib) the inspector of the markets, and of the weights and measures etc; the superintendent of the police, who examines weights etc. and prohibits unlawful games, drinking and the like; a censor"❷.

اوزان اور پیمانوں کے علاوہ غیر شرعی اور غیر قانونی حرکات مثلاً جوئے بازی اور شراب نوشی وغیرہ امور عامہ سے متعلق ہیں اس اعتبار سے محتسب کی تعریف میں "نگران امور عامہ" کے الفاظ بے جا نہیں۔ یہ فریضہ کبھی تو منڈیوں کا انسپکٹر انجام دیتا اور کبھی ناظم شرطہ۔ یہ دونوں منصبی حیثیتیں محتسب کو حاصل رہیں۔ چنانچہ محتسب کی تعریف میں Superintendent of Police❸ اور Adminstration of Police❹ کے الفاظ شامل کر لئے گئے جو محتسب کے کردار اور مقام کے تعین کے لئے ضروری ہیں۔

امور عامہ میں بالخصوص' اوزان و پیمائش کی نگرانی کا فریضہ محتسب کی تعریف کو جاندار اور وزنی بنا دیتا ہے' کیونکہ محتسب کی یہ حیثیت اس کے شرعی و دینی منصب کے ساتھ ساتھ اس کے کردار سے غالب انداز میں منسلک رہی ہے۔ اسے حاکم کی طرف سے یہ فرض سونپا جاتا تھا:

"ومحتسب البلد مامور من طرف الوالی لمناظرة ضبط الموازین و الاسعار ونحو ذلك"❺

❶ Fallon. S.W; A Hindustani-English law and cammercial Dictionary, P. 242. London 1879

❷ A Dictionary of urdu clussical Hindi and English, P 1007.

❸ ❹ Steingass. F; Pe.sian-English Dictionary, pp 1183-84.

❺ قطر المحیط: محولہ سابقہ' ص ۴۹۹

عہد اسلامی کے ہندوستان کی بیشتر مثالوں سے بھی محتسب کی اس تعریف کی تائید ہوتی ہے۔ غیر منقسم ہندوستان میں محتسب کے منصب کو ایک معزز عہدہ کی حیثیت حاصل تھی۔ ''محتسب علاقے کی کوتوالی کے علاوہ علم و تحقیق کے کاموں میں مشغول رہتا تھا'' ❶ بعض محتسبان ہند نرخ نویس بھی تھے اور:

> ''نرخ نویس بازار کے اتار چڑھاؤ کے اعداد و شمار براہ راست مرکزی حکومت کو بھیجتا تھا۔ ناپ تول کے پیمانوں کی پڑتال بھی اس کے فرائض میں شامل تھی۔ وہ ایک قسم کا پرائس کنٹرول انسپکٹر ہوتا تھا'' ❷

Reconer اور Censor

اس میں کلام نہیں کہ محتسب کی زیادہ تر تعریف شرعی امور یا امور عامہ کے نگران عہدیدار کے طور پر کی گئی ہے' جو مسلمان حکمرانوں کی طرف سے مذہبی اور اخلاقی امور کی دیکھ بھال اور نگہداشت کے لئے مقرر کیا جاتا تھا۔ یعنی محتسب:

> "The Public censor of religion and morals who is appointed by a muslim ruler to punish muslims for neglecting the rites of their religion." ❸
>
> مذہب اور اخلاقی معاملات میں عوام کی نگرانی کرنے والا' جس کی تقرری مسلم سربراہ مملکت کے حکم سے عمل میں لائی جاتی تھی اور وہ مسلمانوں کو دینی شعائر سے پہلو تہی پر سزا دیتا تھا۔

محولہ بالا تعریف میں محتسب کے لئے "The public Censor of religion" کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ سنسر (Censor) کے لفظی معانی خود غور طلب ہیں۔ مثلاً ملامت کرنے والا' الزام لگانے والا' نکتہ چیں' عیب گیر' سرکاری طور پر کتابوں یا اخبار سے نامناسب اور باغیانہ حصے کو حذف کرنا' جامعات میں مختلف شعبوں کا ناظر۔

---

❶ ماثر الاجداد: منظور الحق صدیقی' لاہور ''المکتبۃ السلفیۃ'' ۱۹۶۴' ص ۲۸

❷ صاحب ماثر الاجداد نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور حکومت کی ایک تحریر مورخہ ۲ مئی ۱۸۲۹ء کے حوالے سے بتایا ہے کہ نرخ نویس (محتسب) کا حق الخدمت ایک آنہ فی دوکان' آدھ سیر غلہ فی گاڑی' پاؤ سیر فی اونٹ یا ایک چھٹانک فی مرکب ہوتا تھا: ص ۲۸

❸ Patrick Hughes Thomas; A Dictionary of Islam, P 418, London 1964.

ایک اور تعریف میں یہ الفاظ ملتے ہیں:

"(muhtasib) A reckoner, a Calculator, محتسب accountant, the superintendent of Police, who examines weights, measures, and provisions, and prevents gambling, Drinking etc."❶

اس تعریف میں سنسر (Censor) کے بجائے Reckoner کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، جس کے معانی: حساب کرنے والا، شمار کرنے والا، اندازہ لگانے والا، کسی کی سیرت جانچنے والا اور رائے قائم کرنے والا، کے ہیں۔ محتسب کا فرض چونکہ منکرات کے مرتکب افراد کی اصلاح اور بوقت ضرورت ملامت اور بقدر ضرورت دارو گیر تھا، اندلس میں کسی زمانے میں تو اسے کتابوں کے سنسر کرنے اور باغیانہ قسم کی منافرت پھیلانے والی کتب کی فروخت پر پابندی لگانے کے اختیارات بھی حاصل تھے۔ بغداد اور بعض شہروں میں مدارس کی نگرانی محتسب کے ذمہ تھی۔ وہ اوزان و پیمائش کا حساب لگاتا تھا اور اخلاق عامہ کے تحفظ اور فروغ کے لئے لوگوں کے کردار اور چال چلن پر گہری نظر رکھتا تھا۔ اس لحاظ سے اس کی تعریف میں Censor اور Reckoner کے الفاظ کا استعمال ہرگز زائد از ضرورت معلوم نہیں ہوتا۔

تعریف۔ تاریخ کے آئینے میں

احادیث مبارکہ اور کتب سیرت میں ایسے کئی واقعات مذکور ہیں، جن سے پتا چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نہ صرف خود محتسب کے فرائض ادا فرماتے تھے بلکہ آپ نے یہ اہم ذمہ داری بعض صحابہ کرامؓ کو بھی سونپ رکھی تھی۔ خلفائے راشدینؓ کے زمانے تک محتسبوں کی تقرریوں کا سلسلہ جاری رہا، تا آنکہ عباسیہ، فاطمین مصر اور ممالک وغیرہ کے ادوار میں الحسبہ کے تحت احتساب کا ایک مربوط نظام قائم ہوگیا۔ محتسب کے اس تاریخی کردار کو پیش نظر رکھیں تو اس کی ''تعریف'' کی تکمیل کچھ یوں ہوتی ہے:

"MUHTASIB, a municipal officer in the Abbasid Caliphate, in Arab Spain and in Egypt during the Fatimid, Ayyubid and Mameluke regime, incharge of market and public moral place. He was appointed by

❶ Persian - English Dictionary.

the ruler, but his functions began only after his official introduction to the community by the Khatib during the Friday prayer in the mosque"❶

ان الفاظ کے مطابق محتسب عباسیوں کے دور خلافت میں عرب ہسپانیہ اور فاطمیوں' ایوبیوں اور مملوکوں کے عہد حکومت میں مصر میں ایک بلدیاتی عہدیدار اور تجارت اور اخلاق عامہ کے مراکز کا نگران ہوتا تھا' اس کی تقرری حاکم وقت کی طرف سے ہوتی تھی' لیکن وہ اپنے فرائض منصبی کا آغاز متعلقہ شہر کے خطیب کے نماز جمعہ میں لوگوں کے سامنے اعلان کے بعد کرتا تھا۔ اس تعریف میں آگے چل کر بتایا گیا ہے:

"The muhtasib watched over the decency of manners in public life, and over honesty and correct business conduct. It was his duty to control the observance of the Ramadan fasting; of the prohibition of alcholic drinks, gambling and prosititution. He supervised the discipline in the schools, the cleanliness of the streets and regulation of traffic as well as the correctness of the weights and measures used in the market and was responsible for the superssion of fraud---"❷

عوامی زندگی کے اخلاق واطوار کی شائستگی اور کاروبار کی ایمانداری و درستی پر اس کی نظر رہتی تھی۔ یہ اس کی ذمہ داری تھی کہ وہ رمضان کے احترام پر عملدرآمد کرائے۔ لوگوں کو منشیات' جوئے بازی اور فواحشات سے روکے۔ وہ تعلیمی اداروں کے نظم وضبط' گلی کوچوں کی صفائی اور ٹریفک کے قواعد و ضوابط کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ تجارتی مراکز میں استعمال ہونے والے اوزان اور پیمانوں کی نگرانی کرتا اور ناانصافی اور دھوکہ دہی کا ازالہ بھی۔

عوام کے مسائل اور مشکلات پر بھی محتسب کی گہری نظر رہتی تھی۔ نیز لوگ اس سے اپنے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں' تکالیف اور مصائب کے ازالہ کی توقع رکھتے تھے۔ چنانچہ اس کی تاریخی حیثیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ الفاظ دہرائے جاتے ہیں:

"Muhtasab (Sic), that for which one can expect reward in the hereafter (e.g. suffering, loss, etc)."❸

❶ Stephan and mandy Ronart; concise Encyclopeadia of Arabic civilization, P 389, Amsterdam 1966.

❷ Concise Encyclopeadia of Arabic p 389.

❸ Hans Wehr; A Dictionary of Modern written Arabic, P 176, Newyork 1976.

محتسب اور محنہ

محتسب کا مفہوم اگرچہ محنہ کے معنوں کے قریب تر ہے، مگر تاریخی تناظر میں محتسب اور محنہ میں فرق ہے۔ محنہ بھی عربی زبان کا لفظ ہے، جس کا مادہ م ح ن ہے۔ عربی فعل محن یمحن 'محنا' بمعنی تکلیف دینا، مصیبت میں مبتلا کرنا وغیرہ۔ اور محنہ کے معنی ہیں: آزمائش، ابتلاء، سخت تکلیف، کوڑے مارنا، سزا وغیرہ۔ لیکن یہ وہ آزمائشیں ہیں جو دنیا میں خدا رسیدہ بزرگان دین، مصلحین اور آئمہ دین کو پیش آئیں۔ محنہ کے ایک معنیٰ عدالت احتساب کے بھی ہیں، لیکن اس کا اطلاق عام طور پر معتزلی عدالت احتساب پر ہوتا رہا اور اس ظلم وتشدد پر بھی جو ۲۱۸ھ لغایت ۲۳۴ھ عہد مامون سے الواثق کے ابتدائی دور حکومت تک خلافت عباسیہ میں جاری رہا❶ محنہ کی حدود میں گویا بزرگان دین مصلحین اور زیادہ تر آئمہ دین ہی آئے، جبکہ محتسب کی زد میں ان لوگوں کو زجر وتوبیخ اور سزا و تکلیف کا سامنا کرنا پڑا، جنہوں نے معروفات کی بجائے منکرات کی راہ اختیار کی۔

محتسب اور محنہ میں جس طرح فرق ہے، اسی طرح احتساب اور عدلیہ کے مابین مشابہت و مسابقت کے باوصف ان دونوں میں امتیاز وتفریق ہمیشہ سے رہی۔ چنانچہ محتسب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ قانون اور عدلیہ سے متعلق اختیارات نہیں رکھتا تھا، بلکہ اس کی ذمہ داریاں قانون احتساب (hisbah law) تک محدود تھیں۔ اسی کی روشنی میں اس کے فرائض متعین تھے۔ عوامی زندگی میں اس کے کردار سے متعلق ضبط قوانین مقرر، طے شدہ اور موثق وموثر تھے۔ وہ رسوم ورواج سے بھی آگاہ ہوتا تھا اور ایسے مسائل ومقدمات حل کرتا تھا، جو باقاعدہ قاضیوں اور شہری انتظامیہ کے ارباب حل وعقد کے دائرہ اختیار میں نہیں آتے تھے۔ سٹیفن (Stephan) اور رونارٹ (Nandy Ronart) نے ان ہی حوالوں سے محتسب کی تعریف کرتے ہوئے توضیح کی ہے:

"Having no legal or Juridical initiative he was guided by the so called hisbah law, i.e. an official codification of the rules of conduct in public life, a kind of handbook of behaviour in every-day contacts, approved and supported by custom and tradition, and covering the cases which fell under the jurisdiction

❶ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: محولہ سابقہ، ص ۶۰ ج ۲۰

neither of regular judge (cadi) nor of the officers of the civil administration.❶

عہد حاضر کا محتسب Ombudsman

اسلامی ریاست کے "محتسب" کی جگہ بیسویں صدی عیسوی میں Ombudsman کی اصطلاح نے لے لی ہے "Ombudsman" سویڈن کی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی تفتیش پر مامور اس افسر کے ہیں، جو بدنظمی اور بدانتظامی کی اصلاح کرتا ہے:

"An official appointed to investigate complaints by individuals against mal administration by public authorities".❷

کہا جاتا ہے کہ "Ombudsman" کا لفظ قدیم ناروے کی زبان (The old Norwegian language) کی ایک ترمیم شدہ شکل ہے:

"The word (Ombudsman) is the modern form of old Norse'umboosmaor commissary".❸

اور حکومت اور شہریوں کے درمیان عہد حاضر کے اس محتسب (Ombudsman) کی حیثیت خودمختار قانونی ثالث کی ہے:

"An official acting as an independent legal arbitrator between the state and the private citizen"❹

عالم اسلام کے نظام الحسبہ کے محتسب سے قطع نظر عہد حاضر میں محتسب (Ombudsman) کے عہدہ کی صدائے بازگشت سب سے پہلے اغلباً سویڈن میں اور بعدازاں ڈنمارک اور نیوزی لینڈ میں سنی گئی اور برطانوی پارلیمانی کمشنر (U.K. Parliamentary Commissioner) بھی Ombudsman کا قائم مقام قرار پایا۔ رفتہ رفتہ سعودی عرب اور سوڈان ایسے اسلامی ممالک میں اسلامی ریاست کے "محتسب" کے عہدے کا احیاء ہوا۔ ایران میں شہنشاہیت کے خاتمے کے بعد اسلامی انقلابی حکومت نے الحسبہ پر توجہ دی اور جگہ جگہ محتسب

❶ Cancise Encyclopeadia of Arabic, P 389.

❷ A supplement to the Oxford English Dictionary, P 56 Oxford 1982.

❸ Bliss. A. J; A Dictionary Foreign words and phrases, P 264 London 1968.

❹ Ibid.

مقرر کئے تا آنکہ پاکستان میں قدیم اسلامی ریاست کے محتسب اور عہد حاضر کے Ombudsman کے کردار، فرائض، اختیارات اور ذمہ داریوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے احتساب کے ایک امتزاجی نظام کی صورت نکالی گئی اور وفاقی محتسب کا ادارہ قائم کر دیا گیا۔

معانی و مفہوم کے نتائج

حاصل کلام یہ ہے کہ محتسب کی جامع تعریف میں وہ تمام معانی و مفہوم شامل ہیں، جو احتساب کے لغوی اور الحسبہ کے اصطلاحی معنوں میں بیان کئے گئے ہیں یعنی:

☆ حساب: اعمال، حساب کتاب اور جزا و سزا وغیرہ

☆ حاسب: حساب کرنے والا

☆ حسیب: نگران یا نگہبانی کرنے والا

☆ حسبان: آگ، عذاب، بلائے ناگہاں، حساب کے مطابق سزا دینا۔

☆ تحتسب: گمان

☆ احتسب: وقف، ایثار

قرآن و حدیث کے مطابق، جو شخص دنیا میں اپنے نفس (ذات) کا محاسبہ کرے گا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سے حساب نہیں لے گا۔ گویا نفس کا محاسبہ جس میں اخلاقی امراض شامل ہیں، انسان کو احتساب سے بے نیاز کر دیتا ہے اور اس صورت میں محتسب کی ضرورت نہیں رہتی۔ بنا بریں انسان کے لئے نوازشات الٰہی کا احصاء ممکن نہیں۔ یہ بھی ایک طرح سے خود احتسابی کی برکات ہیں۔ حسب، میں ''کافی'' کے ساتھ ساتھ چونکہ ''بزرگی و شرافت'' کے معانی پائے جاتے ہیں، اس لئے ایسا شریف النفس اور بزرگ شخص ہی دینداری اور پرہیزگاری کے علاوہ کرم جس کے اخلاق ہوں، وہ لوگوں کے اعمال و اخلاق کا نگران و نگہبان ہو، ان پر تطہیر کی نظر رکھتا ہو، اور ایسے وقت میں کارروائی کرے کہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ آئے۔ وہ پیکر ایثار ہو اور اس نے اپنی زندگی اس نیت سے احتساب کے لئے وقف کر رکھی ہو کہ وہ یہ فریضہ حسبۃ للہ اور احتساباً باللہ انجام دے رہا ہے۔ یعنی منکرات کے مرتکب اور معروفات کے مخالف افراد کے خلاف اس کا اظہار ناپسندیدگی اور سخت نکیر اور بعض صورتوں میں اختیارات حاصل ہونے کی بدولت سزا دینا بھی صرف اور صرف اللہ کی خوشنودی کی خاطر ہے۔ تعریف کے اعتبار سے اسی کو محتسب کہتے ہیں۔

(حصہ د)

شرائطِ محتسب

ادارہ احتساب اب تک کے مباحث کے مطابق چونکہ ایک نیم عدالتی، نیم انتظامی اور نیم پولیس کا ادارہ رہا ہے، اس لئے ایک محتسب میں کسی نہ کسی حد تک ان تمام شرائط (Qualifications) کا پایا جانا ضروری ہے، جو عدالت کے ایک قاضی، ایک اعلیٰ انتظامی عہدیدار اور ذمہ دار پولیس افسر میں ہونی چاہئیں۔ اس ضمن میں فقہاء اسلام نے اجتہاد سے کام لیتے ہوئے کئی قسم کی شرائط متعین کی ہیں۔ ان میں سے بعض کا درجہ لازمی اور ضروری شرائط کا ہے اور بعض شرائط بہتر اور مناسب ہیں۔ لازمی شرائط کو تو فقہی یا قانونی شرائط بھی کہا گیا ہے کہ ان کے بغیر کسی شخص کا محتسب کے عہدہ پر مقرر کیا جانا یا فائز ہونا ہی محل نظر ہے۔ ابن الاخوۃ کی رائے میں لازم ہے کہ محتسب:

(الف) مسلمان ہو۔

(ب) بالغ ہو۔

(ج) اور شریعت کے ضروری علم سے آگاہ ہو ❶

امام غزالیؒ نے بعض شرائط میں محتسب کا مکلّف ہونا بتایا ہے یعنی:

(الف) حدود شرع کے اندر کام کرنے والا

(ب) عادل

(ج) مدارج احتساب سے بخوبی آگاہ ❷

موخر الذکر شرط ''علم الاحتساب'' سے آگہی کی ہے۔ اس کی تائید میں ایک طرف صاحب احیاء العلوم نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کہ محتسب کا اپنے علم میں کامل ہونا ضروری ہے، پیش کیا ہے، اس کے بعد حضرت حسن بصریؒ کا یہ قول دہرایا ہے کہ پہلے خود نیک عمل کرو، بعد میں لوگوں کو نیکی کی تلقین کرو ❸

---

❶ معالم القربة فی احکام الحسبة: ابن الاخوۃ، محولہ سابقہ، ص ۷

❷ احیاء علوم الدین: ابو حامد محمد بن محمد الغزالی، قاہرہ ''م۔ن'' ۱۸۸۲ء ص ۳۰۸/۳۰۹ ❸ ایضاً: حوالہ بالا

فقہاء کے نزدیک لازمی شرائط کے علاوہ مزید تین شرائط کا محتسب میں پایا جانا بہتر اور مناسب ہے:

(الف) باکردار ہونا

(ب) صائب الرائے ہونا

(ج) حالات حاضرہ سے واقفیت ❶

حاجی خلیفہ کے خیال میں علم الاحتساب انتہائی مشکل علوم میں سے ہے اور اس کا حصول صرف اس شخص کے لئے ممکن ہے' جو مضبوط سوجھ بوجھ اور درست فکر کا حامل ہو۔ ان کی رائے میں لوگ' ازمنہ اور احوال کسی ایک حالت پر نہیں رہتے' اس لئے لازمی طور پر ہر زمانے اور احوال کی سیاست مخصوص ہونی چاہئے۔ علم الاحتساب کہ انتہائی مشکل امور میں سے ہے' محتسب کے منصب کے لئے وہی شخص موزوں ہوسکتا ہے جس میں قوت قدسیہ ہو اور جو خواہشات سے مبرا' جیسے عمرؓ بن الخطاب تھے کہ اس منصب کے حامل افراد میں نمایاں حیثیت وشہرت کے مالک ہوئے:

"وهذا العلم من ادق العلوم ولا يدركه الا من له فهم ثاقب و حدس صائب اذا الاشخاص و الازمان والاحوال ليست على وتيرة واحدة فلابد لكل واحد من الازمان والاحوال سياسة خاصة وذلك من اصعب الامور فلذلك لايليق بمنصب الاحتساب الا من له قوة قدسية مجردة عن الهوى كعمر رضى الله عنه بن الخطاب ولذلك كان علماء فى هذاالشان" ❷

الماوردی نے محتسب کیلئے مندرجہ ذیل شرائط بیان کی ہیں:

(الف) حریت

(ب) عدل

(ج) شجاعت

(د) دین کے معاملہ میں سختی

(ر) معاشرہ میں موجود منکرات کا علم ❸

---

❶ معالم القربۃ فی احکام الحسبۃ: محولہ بالا ص ۱۰ ❷ کشف الظنون: خلیفہ' محولہ سابقہ' ص ۱۵ ج ۱

❸ الاحکام السلطانیۃ: محولہ سابقہ' ص ۲۳۲

کم وبیش یہی شرائط قاضی ابویعلی الفراء نے دہرائی ہیں۔ البتہ حرًا (آزاد) کی بجائے خبیرًا یعنی اس کا باخبر ہونا بھی بتایا ہے۔ رقمطراز ہیں کہ محتسب:

"خبیرا عدلا ذا رای وصرامة وخشونة فی الدین وعلم بالمنکرات الظاهرة"❶

باخبر، عادل، ذی رائے، ذی عزم، دین میں تشدد اور منکرات کا علم جانتا ہو۔

بعض کے نزدیک محتسب کے لئے مجتہد اور مرد ہونا لازمی ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ محتسب کا مجتہد ہونا ضروری نہیں۔ نیز عورت بھی محتسب ہوسکتی ہے❷ بہرکیف مجموعی طور پر محتسب کے شرائط میں اسلام، بلوغت، علم شریعت سے آگہی، حریت، عقل، عدالت اور انصاف پسندی کے علاوہ معاملہ فہمی، راست گوئی اور امانتداری وغیرہ ضروری ہیں جبکہ حرام امور سے اجتناب اور سریع الغضب ہونے سے گریز وغیرہ بھی شرائط محتسب میں داخل ہیں۔

قضاء اور احتساب کے اداروں کا چونکہ باہمی ربط وتعلق رہا ہے اس لئے محتسب کے لئے بھی قریب قریب وہی شرائط ہیں، جو قاضی کے لئے ضروری تھیں۔ بنابریں کہیں قاضی اور کہیں شرطہ محتسب کا کردار ادا کرتے تھے، اس اعتبار سے محتسب کے شرائط میں قاضی کے علاوہ بہت حد تک شرائط شرطہ کو بھی مدنظر رکھا جانے لگا۔ چنانچہ اس تناظر میں فقہاء کی متعین کردہ محتسب کی شرائط ان ہی سے ممتاز ومماثل ہیں۔

شاہ ولی اللہ کی رائے میں قاضی ومحتسب ایسے لوگوں کو بنایا جائے، جو رشوت ستانی کی تہمت نہ لگائے گئے ہوں اور وہ مذہب اہل سنت والجماعت رکھتے ہیں:

"قاضی ومحتسب جمع را باید ساخت کہ مہتم بہ رشوت نباشد وتدین و مذہب اہل سنت و جماعت داشتہ باشد"❸

لیکن فقہاء اسلام کی اکثریت اس شرط سے متفق نہیں کہ محتسب یا قاضی صرف اور صرف اہل سنت والجماعت ہی سے تعلق رکھتے ہوں۔ ان کے نزدیک تو قاضی کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ وہ بے لوث اور صاحب کردار عالم ہو، اور بس۔ ہاں البتہ اس کا اسلامی قانون کی جزئیات سے مکمل

❶ الاحکام السلطانیہ: (للفراء) ص ۲۶۹
❷ تفصیل کیلئے دیکھئے: تاریخ طبری: طبقات ابن سعد، احیاء علوم الدین، ۱۹۰۵ء
❸ شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات: خلیق احمد نظامی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی مکتوب اول ص ۴۳

طور پر آگاہ ہونا شرط اولیٰ ہے۔ محتسب کے لئے بھی فقط بے لوث اور صاحب کردار ہونا ضروری ہے۔ اسلامی قانون کی جزئیات سے کامل واقفیت کی شرط اس سے خاص نہیں۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کے قول کے مطابق قاضی میں حسب ذیل پانچ شرائط اسے قاضی کامل کا درجہ عطا کرتی ہیں:

۱۔ تقرری سے قبل کے واقعات سے واقفیت

۲۔ حرص اور طمع سے متنفر

۳۔ بردباری، یہاں تک کہ مخالفین کے ساتھ بھی تحمل سے پیش آئے۔

۴۔ آئمہ فقہ کا متبع ہو۔

۵۔ اہل علم اور اہل الرائے سے میل جول رکھتا ہو ❶

عرنوس کی رائے میں جس قاضی میں متذکرہ پانچ شرائط میں سے کسی ایک کی بھی کمی ہو، وہ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کے نزدیک قاضی ناقص قرار پائے گا ❷

زمانہ سلف میں عالم اسلام سے قطع نظر ہندوستان میں خدمت قضاء پر ایسے لوگ مقرر کئے جاتے تھے، جو بلند کردار اور فقہی معلومات میں یگانہ روزگار ہوں ❸ تاریخ پاک و ہند کے بعض بلاد کی مثالیں موجود ہیں، جہاں قضاء و احتساب کے صیغہ جات ایک ہی فرد یعنی قاضی کے سپرد رہے ❹ اس لحاظ سے محتسب کی بلند کرداری اس کی فقہی معلومات سے مزین و مشروط رہی۔ الماوردی اور قاضی ابویعلی الفراء نے صراحتاً لکھا ہے کہ محتسب کو اپنے علاقے کے لوگوں کی اکثریت کے مسلک کے مطابق احتساب کا حق حاصل ہے ❺

قاضی کے جو شرائط ❻ مختلف کتب میں بیان کئے گئے ہیں، ان کی روشنی میں ضروری ہے کہ

---

❶ تفصیل کیلئے دیکھئے: قاضی عدالت ہائے شریعہ مصر اردو ترجمہ تاریخ القضاء فی الاسلام۔

❷ قاضی عدالت ہائے شریعت: ص ۵۶/ ۴۷

❸ تاریخ فیروز شاہی: ضیاء الدین برنی، کلکتہ "م۔ن" ۱۸۶۲ء ص ۶۴

❹ مزید تفصیل کیلئے دیکھئے تاریخ فیروز شاہی، محولہ بالا

❺ الاحکام السلطانیہ میں اسکی تفصیل دیکھی جاسکتی ہے

❻ تفصیل کیلئے دیکھئے: ادب القاضی للخصاف، نیل الاوطار للشوکانی، رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ للدمشقی، المیزان الکبریٰ للشعرانی ص ۱۶۲

وہ ثقہ ہو اور اصول فقہ، حدیث، قرآن اور نحو ولغت میں ماہر، منطق اور فرائض کا بھی علم رکھتا ہو ❶ جبکہ فقہاء نے محتسب کے لئے یہ شرائط ضروری نہیں بتائے۔ البتہ محتسب کا بعض شرائط سے مکلّف ہونا ضروری قرار دیا ہے، جو قاضی سے خاص ہیں مثلاً:

''امام ابوحنیفہؒ، شافعیؒ اور امام مالکؒ تینوں کے خیال میں فصل خصومات کے لئے حاکم ایسا ہونا چاہئے، جو حدیث اور فقہ کا عالم ہونے کے ساتھ ساتھ عقل و خرد اور تقوی و پرہیزگاری سے بھی متصف ہو'' ❷

فقہاء نے محتسب کے لئے جو ضروری شرائط گنوائی ہیں، ان میں تقویٰ و پرہیزگاری کو نمایاں الفاظ میں رقم کیا ہے۔ علاوہ ازیں کچھ شرائط تو قاضی اور محتسب میں ایک سی بتائی ہیں، جیسا کہ:

''آزاد، مسلمان، عاقل، بالغ اور عادل'' ❸

یہ تصریح بھی ملتی ہے کہ تقرری کے بعد اگر قاضی کی حرکات تقویٰ اور دیانت کے خلاف ہوں اور فسق و فجور پر دلالت کریں تو اسے معزول کر دینا چاہئے ❹ گویا تقویٰ و دیانتداری، محتسب و قاضی دونوں سے خاص ہیں۔

عرنوس نے تبصرۃ الاحکام کے حوالے سے قاضی کے لئے حسب ذیل شرائط کا بھی ذکر کیا ہے:

''مسلمان، عقل و خرد، مرد، آزاد، بالغ، عادل، صادق القول، امین، پاکباز، پرہیزگار، شبہات سے محفوظ، خوشی و ناخوشی کی حالت میں یکساں قابل اعتماد، عالم، جس کی قوت سامعہ، بینائی اور گویائی میں فرق نہ ہو'' ❺

الماوردی نے قاضی کے لئے حسب ذیل سات شرائط پیش کی ہیں:

۱۔ مرد اور بالغ

---

❶ جیسا کہ دوسری صدی ہجری میں کوفہ کے قاضی قاسم بن معن المسعودی فقہ حنفی شعر، نسب، حدیث اور ایام الناس کے عالم تھے، تیسری صدی ہجری میں بغداد کے مشہور قاضی اسمٰعیل بن اسحاق الازدی مالکی فقہ، علوم القرآن کے ماہر، چوتھی صدی ہجری میں احمد بن اسحاق بہلول بغداد کے قاضی، فقہ حنفی اور مختلف علوم کے مفتی اور ماہر لغت تھے، قاضی سمرقند خلیل بن احمد بن محمد فقہ و ادب میں مشہور تھے، قاضی علی بن عبدالعزیز تفسیر و ادب میں معروف۔

❷ اقضیۃ الرسول: ابوعبداللہ محمد بن الفرج المالکی: بحوالہ عرنوس، ص ۱۵۳ ❸ ایضاً: ص ۱۵۴

❹ ایضاً: حوالہ بالا ❺ ایضاً: حوالہ بالا

۲۔ بقدر عقل وخرد کا مالک کہ جس پر شرعی تکلیف کا مدار ہے یعنی ذکاوت طبع اور واقفیت عامہ کا حامل ہو۔ تساہل پسندی بالکل نہ پائی جائے۔

۳۔ غلام نہیں بلکہ آزاد ہو۔

۴۔ مسلمان

۵۔ عدالت یعنی صادق القول امین پاک دامن پرہیزگار خوشنودی وخفگی میں یکساں مطمئن رہنے والا۔

۶۔ قوت سامعہ وباصرہ کی سلامتی نیز رعب ودبدبہ کیلئے مناسب ہے کہ توانا وتندرست اور صحیح الاعضاء ہو۔

۷۔ علوم شرعیہ کے اصول سے واقف اور فروع میں اعلیٰ مہارت رکھتا ہو۔ گویا کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کے علاوہ مسائل اجماع سے آگاہ ہو۔ قیاس سے واقف ہو اور مختلف فیہ مسائل میں اجتہاد کرسکتا ہو ❶

دیگر فقہاء کے نزدیک قاضی کے شرائط میں حریت، علم، عقل، بلوغ، اسلام، عدالت اور انصاف پسندی کے علاوہ معاملہ فہمی، راست گوئی امانتداری، حرام امور سے مجتنب رہنا اور سریع الغضب نہ ہونا، ایسی صفات شامل ہیں۔ بعض کے ہاں صحیح الفہم کی شرط کے ساتھ کسی ان پڑھ کو بھی قاضی مقرر کرنے کی اجازت ہے۔ محتسب کی شرائط ان تمام سے قطعاً متصادم نہیں۔ کہیں جزئی طور پر موجود ہیں اور کہیں کلی طور پر۔

قاضی اور محتسب کے شرائط کے تقابل کے بعد جہاں تک محتسب اور شرطہ کی شرائط کا تعلق ہے اس بارے میں بھی بعض تفصیلات ملتی ہیں۔ یاقوت حموی کا بیان ہے کہ شرطہ ایسے شخص کو بنایا جائے، جو صاحب اثر عالم وفاضل اور صاحب الرائے ہو ❷ مگر معلوم ہوتا ہے کہ جسمانی عیب یا حسب نسب کا اعلیٰ نہ ہونا شرطہ کے عہدہ پر فائز ہونے میں کبھی بھی مانع نہ تھا ❸ محتسب کے شرائط میں اول الذکر شرائط لازمی ملتی ہیں اور عہدہ احتساب پر تقرری کے لئے ان کا پایا جانا ایک زمانے

---

❶ دیکھئے الاحکام السلطانیہ للماوردی

❷ معجم الادباء ص ۱۷، ۱۸ پر یاقوت حموی نے اسکی بعض مثالیں بھی پیش کی ہیں۔

❸ تفصیل کیلئے دیکھئے معجم الادباء ص ۱۷، ۱۸

تک ضروری بھی قرار دیا جاتا رہا۔ شرطہ کے لئے اگرچہ اعلیٰ حسب نسب یا جسمانی عیب سے متعلق شرائط خاص نہ تھیں، لیکن محتسب کے حسب نسب کو خصوصی طور پر اہمیت و اولیت دی جاتی رہی اور اس بات کا بطور خاص خیال رکھا جاتا تھا کہ محتسب ممکنہ حد تک جسمانی عیوب سے پاک ہو۔ بنابریں پولیس افسر کے لئے ضروری تھا کہ:

☆ متحمل مزاج اور بردبار ہونے کے ساتھ ساتھ بارعب،

☆ پرتمکنت اور باوقار ہو۔

☆ زیادہ باتوں سے اجتناب کرے اور کم گو ہو۔

☆ مشتبہ لوگوں سے تشدد کیساتھ پیش آئے اور ان کی چالوں میں نہ پھنسے۔

☆ غور و فکر کا خوگر ہو۔

☆ عجلت پسندی سے دور رہے۔

☆ بیدار مغز ہو۔

☆ ہنسنے اور مسکرانے کی عادت قدرے کم ہو۔

☆ ماتحتوں پر کڑی نظر رکھے۔

☆ قید خانوں کی دیکھ بھال سے غافل نہ رہے اور اس کی بھی نگرانی رکھے کہ قیدیوں کے ہاں کیا کیا چیزیں آ جا رہی ہیں❶

پولیس افسر کی جو محولہ بالا صفات بیان کی گئی ہیں، وہ تقریباً تمام کی تمام محتسب کے شرائط پر منطبق ہوتی ہیں۔ محتسب کے شرائط میں اس کا متحمل مزاج، بردبار، بارعب، پرتمکنت، باوقار اور بیدار مغز ہونا بتایا جاتا ہے۔ محتسب بھی مشتبہ لوگوں پر کڑی نظر رکھتا ہے اور ایسے افراد کے خلاف انضباطی کارروائی میں تساہل پسندی سے کام نہیں لیتا۔ حالات پر اس کی گہری نظر رہتی ہے اور وہ معاملات کی کڑی نگرانی کرتا ہے۔ اس لحاظ سے محتسب کے شرائط بہت حد تک شرطہ کی صفات سے مماثلت و مطابقت رکھتے ہیں۔

---

❶ محتسب اسلام: محولہ سابقہ، ص ۳۸

لازمی شرائط ثلاثہ

محتسب کے لئے کچھ شرائط تو لازمی ہیں۔ان شرائط کو بنیادی شرائط بھی کہا گیا ہے اور قانونی شرائط بھی۔ یہ لازمی یعنی بنیادی اور قانونی شرائط تین ہیں۔اسلام، بلوغت اور علم شریعت کا جاننا۔

☆ اسلام

شرط اول محتسب کا مسلمان ہونا ہے، کیونکہ قرآن کا فیصلہ ہے:

"ان الدین عنداللّٰہ الاسلام"❶

(ترجمہ) بے شک دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔

فمن یرداللّٰہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام❷

(ترجمہ) پس جس شخص کو اللہ چاہتا ہے کہ ہدایت بخشے، اس کا سینہ اسلام کیلئے کھول دیتا ہے۔

رب باری تعالیٰ کا یہ بھی انتباہ ہے کہ جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرے، ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ خسارے میں رہے گا:

ومن یبتغ غیرالاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الأخرۃ من الخٰسرین❸

(ترجمہ) اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہوگا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔

اسلام کے لغوی معنی ظاہری اور باطنی آلائشوں اور عیوب سے مبرا و ماوراء یعنی خالص و محفوظ ہونے، صلح و امان، سلامتی اور اطاعت و فرمانبرداری کے ہیں اور بقول الامدی:

"اسلام کے شرعی معنی اس کے لغوی معنوں ہی سے نکلتے ہیں اور دونوں کا باہم مضبوط تعلق ہے"❹

ابن منظور افریقی نے صراحت کی ہے:

الاسلام من الشریعۃ اظھار الخضوع و اظھار الشریعۃ و التزام کمااتی بہ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وبذلک یحصن الدم ویستدفع المکروہ❺

---

❶ القرآن:۳:۱۹ ❷ القرآن:۶:۱۲۵ ❸ القرآن:۳:۸۵

❹ احکام الاحکام فی اصول الاحکام: ابوالحسن سیف الدین الامدی، مصر "محمد علی صبیح" ۱۳۴۷ھ ص ۱۸ ❺ لسان العرب: محولہ سابقہ، بذیل مادہ

اسلام کا اصطلاحی وشرعی مفہوم اطاعت وتسلیم، اظہار شریعت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے تمسک ہے۔

امام رازی نے اسلام کے چار معنی بتائے ہیں:

۱۔ الاسلام هو الدخول فی الاسلام ای فی الانقیاد و المتابعة۔

اسلام کے معنی اطاعت وفرمانبرداری میں داخل ہوجانا ہے۔

۲۔ الاسلام معناه اخلاص الدین و العقیدة۔

اسلام کے معنی دین اور عقیدے کا خالص کرنا ہے۔

۳۔ فی عرف الشرع فالاسلام هو الایمان

عرف شرعی میں ایمان کا دوسرا نام اسلام ہے۔

٤۔ الاسلام عبارة عن الانقیاد❶

اسلام کا مطلب فرمانبرداری اور اطاعت ہے۔

اسلام ایک مختصر مگر جامع لفظ ہے اور اس کی اختصاریت اور جامعیت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اسے ''دین'' کہا گیا ہے، جو کل زندگی کے دستور العمل کی حیثیت سے اپنے اندر معنوی لحاظ سے انقیاد واخلاص کا وسیع تر مفہوم رکھتا ہے۔ استعارتاً اور اصطلاحاً اس سے مراد ملت اور شریعت ہے۔ قرآن حکیم میں اس کے لئے دین الحق❷ دین اللہ❸ اور الدین القیم❹ کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ ۱۰ھ میں دین اسلام کے کامل ہونے کی نوید ان الفاظ میں سنائی گئی۔

"الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیك نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا"❺

(ترجمہ) آج کے دن (اللہ نے) تمہارے دین کو مکمل کردیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کردیں اور تمہارے لئے اسلام کو (بطور) دین پسند کیا۔

اور بقول امام ابوحنیفہ:

''لفظ دین کا اطلاق ایمان، اسلام اور جملہ احکام شریعہ پر ہوتا ہے''❻

---

❶ تفسیر کبیر: امام فخر الدین الرازی، قاهرہ ''مطبع البهیة المصریة'' (س۔ن) ص ۱۲۸ ج ۲

❷ القرآن: ۹:۳۳ ❸ القرآن: ۱۱:۲ ❹ القرآن: ۳۰:۳۰ ❺ القرآن: ۵:۳

❻ الفقه الاکبر: امام اعظم ابوحنیفہ، مع شرح ملا علی قاری، قاہرہ (م۔ن) ۱۳۴۴ھ ص ۹۰

اسی لئے سید شریف حسین جرجانی نے صراحت کردی ہے کہ:

''دین (اسلام) اللہ کا مقرر کردہ وہ دستور حیات ہے جو اصحاب عقل وفکر کو آنحضرت ﷺ کے پیش کردہ لائحہ عمل کو قبول کرنے کی دعوت دیتا ہے'' ❶

اسلام سے متعلق تمام آیات قرآنی ❷ نہ صرف اس دین کی عظمت کی گواہی دیتی ہیں' بلکہ ان سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمان ہونا اللہ کے نزدیک بہت پسندیدہ ہے۔ فقہاء کرام نے محتسب کے لئے پہلی شرط ''اسلام'' عائد ہی اس لئے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مسلمان ہونا پسند ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان تسمع الا من یومن بایٰتنا فھم مسلمون ❸

(ترجمہ) تم ان ہی لوگوں کو سنا سکتے ہو جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں' پس وہی مسلمان (فرمانبردار) ہیں۔

اور مسلمان کی عظمت کا ثبوت یہ ہے:

ربمایود الذین کفر والو کانوا مسلمین ❹

(ترجمہ) کسی وقت کافر لوگ (بھی آرزو) کریں گے کہ اے کاش' وہ مسلمان ہوتے۔

اسلام ایک دین ہے اور لغوی وتشریعی اعتبار سے یہ عقیدہ واقرار اور عمل بھی' ضابطہ حیات ہے اور دستور العمل بھی۔ اس میں عقائد' عبادات یعنی نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' جہاد اور معاملات کہ افرادی' منزلی' اجتماعی' سیاسی' اقتصادی' عسکری' عدالتی' قومی اور بین الاقوامی ہوں' سب شامل ہیں۔ بناء بریں احتساب کا تعلق چونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے ہے اور محتسب کا کردار اسلامی ریاست میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں سے متعلق ہے' اس لحاظ سے فقہاء کا قطعی فیصلہ ہے کہ اسلامی ریاست میں صرف مسلمان ہی محتسب ہوسکتا ہے۔ برعکس اس کے' اگر مسلمانوں کے احتساب کا فریضہ کافر انجام دینے لگیں تو اس سے اسلام اور مسلمانوں کی مغلوبیت کا پہلو نکلتا ہے۔ ابن جوزی کی تصریح کے مطابق امر بالمعروف میں ایک قسم کا غلبہ ہے اور جسے حکم دیا جارہا ہے' اس پر حکمرانی ہے' چنانچہ کافر مومن کو بھلائی کا حکم نہیں دے سکتا' حالانکہ بھلائی کا حکم دینا حق ہے۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ:

---

❶ کتاب التعریفات: سید شریف حسین جرجانی' بیروت ''م۔ن'' ۸۹۶۹

❷ مزید آیات کیلئے ملاحظہ ہو' البقرہ ۲۰۸/ آل عمران ۸۳/ المائدۃ ۳/ الزمر ۲۲/ الانعام ۱۴/ ۸۹ آل عمران ۲۰/ التوبہ ۷۴۔

❸ القرآن: ۳۰:۵۳ ❹ القرآن: ۱۵:۲

''کافر کو احتساب سے اس لئے روکا گیا ہے کہ اس میں ایک طرح کا غلبہ اور عزت ہے اور مسلمان اس عزت کے دین اور معرفت کی وجہ سے مستحق ہیں'' ❶

ابن جوزی کے علاوہ امام ابن تیمیہ' ابن قیم' امام غزالی' الماوردی اور قاضی ابویعلی الفراء وغیرہ نے بھی اپنی اپنی تالیفات ❷ میں اس امر پر بحث کی ہے کہ کافر محتسب نہیں ہوسکتا' لہٰذا کسی اسلامی ریاست میں محتسب کیلئے ''اسلام'' لازماً شرط اول ہے۔ امیر کبیر نے تو یہاں تک تصریح کردی ہے کہ محتسب مسلمان' مکلّف اور قدرت تامہ سے موصوف ہو' کیونکہ کافر کو احتساب کی قابلیت نہیں ہوتی ❸

☆ بلوغت

محتسب کیلئے لازمی شرائط ثلاثہ میں بلوغت ❹ کو بھی بنیادی اور قانونی شرط قرار دیا گیا ہے۔ نیز یہ تصریح ملتی ہے کہ کوئی بالغ شخص ہی باشعور اور باعلم و باعمل ہوسکتا ہے۔ ابن جوزی نے محتسب کے شرائط میں اسی لئے اسلام کے ساتھ ''بلوغت'' کی شرط پیش کی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ:

''محتسب کا بالغ مسلمان اور برائی کو روکنے کی قدرت رکھنے والا ہونا ضروری ہے۔ ہوشمند بچہ جو قریب البلوغ ہو' برائی پر اگرچہ گرفت کرسکتا ہے' اسے اس کا ثواب بھی ہوگا' لیکن اس پر یہ واجب نہیں'' ❺

بلوغت اصل میں بالغ سے ہے۔ ''بالغ'' کے لغوی معنی ''پہنچنے والا'' کے ہیں' یعنی وہ جو شباب کو چھولے۔ اسلامی قانون میں بلوغت' عورت اور مرد دونوں کے لئے جسمانی قوی کی تکمیل پر موقوف ہے اور اگر بلوغ قوی کے آثار ظاہر میں موجود نہ ہوں تو ایک خاص عمر کو سن بلوغت ❻ قرار دیا جاتا ہے۔ کسی بھی مرد یا عورت کی طرف سے بلوغت کے دعویٰ کو فقہاء بعض شرائط یا

---

❶ منہاج القاصدین: ف۲ص ۲۰۱' ۲۰۲

❷ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: الحسبۃ فی الاسلام' الطرق الحکمیہ' احیاء علوم الدین

❸ مزید تفصیل کیلئے امیر کبیر سید علی ہمدانی کی ذخیرۃ الملوک ملاحظ ہو جسکا اردو ترجمہ محاسن السلوک کے نام سے شائع ہو چکا ہے باب ۷ بعنوان: محتسب کی شرعی حیثیت۔

❹ تفصیل کیلئے مراجعت کیجئے کتب فقہ

❺ منہاج القاصدین: ف۲ص ۲۱۰

❻ احناف' شوافع اور حنابلہ کے نزدیک عمومی عمر بلوغت کی ۱۵ سال ہے

اوصاف کی روشنی میں درست تسلیم کرتے ہیں ❶ اسلام میں قانونی حقوق کے لئے بلوغت شرط ہے اور ہر بالغ کو جو صحیح الدماغ (عاقل) ہو مکلّف تصور کیا جاتا ہے۔ یعنی اس پر مذہبی فرائض کی انجام دہی لازم ہو جاتی ہے اور وہ حدود و قصاص تک میں مسئول قرار پاتا ہے۔ ان تصریحات کو مدنظر رکھا جائے تو محتسب کے لازمی شرائط میں بلوغت کی شرط ہرگز بے معنی نظر نہیں آتی۔

☆ علم شریعت سے آگہی

اسلام اور بلوغت کے بعد محتسب کے لئے تیسری اہم اور لازمی شرط "علم شریعت سے آگہی" ہے۔ ابن الاخوۃ کے نزدیک محتسب پر واجب ہے کہ وہ شریعت کا ضروری علم جانتا ہو ❷۔ ابن بسام کی رائے میں محتسب کو فقیہ ہونا چاہئے یا بالفاظ دیگر فقیہ ہی محتسب ہوسکتا ہے کہ وہ شریعت کے احکام سے آگاہ ہوتا ہے ❸ یہ شرط یقیناً اس لئے رکھی گئی ہے کہ محتسب کا ہر عمل اور ہر اقدام شریعت کی تقویت اور استحکام کے لئے ہوتا ہے۔

اسلامی ریاست میں محتسب کے انتخاب اور تقرری کے وقت اس کی علم شریعت سے آگہی کی شرط کو مقدم گردانا جاتا رہا' جیسا کہ ایک غیر مسلم سیاح نے اپنے دورہ ایران کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے۔ اس کی رائے میں یہ ضروری شرط تھی کہ عہدہ احتساب کا امیدوار مومن' عادل اور احکام شریعت کا عالم ہو ❹

امام غزالیؒ کہتے ہیں کہ محتسب مکلّف ہونا چاہئے' یعنی حدود شرع کے اندر کام کرنے والا ہو ❺ امام غزالیؒ محتسب کے مکلّف ہونے کو شرط اول قرار دیتے ہیں' اور یہ اس لحاظ سے بھی درست ہے کہ عامل شریعت کوئی مسلمان ہی ہوسکتا ہے۔ لہٰذا اس شرط میں محتسب کے مسلمان اور بالغ ہونے کی شرائط بھی آجاتی ہیں اور مزید یہ کہ علم شریعت سے آگہی' جو ہر عالم و عامل مسلمان کے لئے ضروری ہے اور محتسب پر بھی لازم۔

شریعت' عربی زبان کا اسم المصدر ہے' جس کے لفظی معنی ہیں: گھاٹ' پنگھٹ' وہ جگہ جہاں

---

❶ الفقه علی المذاهب الاربعة: عبدالرحمٰن جزری' بغداد' "دارالمامون" (س۔ن) ص ۱۲۶ ج ۱

❷ معالم القربة فی احکام الحسبة: محولہ سابقہ' ص ۷

❸

❹ Waring E. Scott, A Tour to Sheeraz, pp 68-69 London 1807.

❺ احیاء علوم الدین: غزالی' محولہ سابقہ' ص ۳۰۸

آسانی کے ساتھ پانی پینے کے لئے پہنچا' یا پہنچایا جاسکے' دریا اور سمندر کے کنارے' دہلیز' چوکھٹ' عادت' بیان' اظہار اور وضاحت ❶ ابن منظور افریقی کے مطابق اہل عرب صرف اس پانی کو شریعت کا نام دیتے ہیں' جو کھلے چشمے کی صورت میں ہو اور کبھی منقطع نہ ہوتا ہو ❷ لسان العرب ہی میں ہے کہ دین' ملت' منہاج' راستہ' مثال' نمونہ اور مذہب کو شریعت کہتے ہیں ❸ الزبیدی کے نزدیک:

''شریعت اور شرع سے مراد وہ طریقہ زندگی (دین) ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے مقرر کردے اور اس پر چلنے کا حکم دے' مثلاً نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ اور دیگر اعمال صالحہ'' ❹

بعض نے شریعت کے معنی ''اظہار و بیان'' بتائے ہیں ❺ اور بعض نے شریعت سے مراد وہ مذہبی راستہ لیا ہے' جس پر چل کر بندہ اپنی زندگی کے مکمل اظہار کے طور پر حکم خداوندی بجالاتا ہے ❻

محتسب کے اختیارات و فرائض میں چونکہ وہ تمام امور و درجات شامل ہیں' جو شریعت کے معنوں کو محیط ہیں' اس لئے معنویت شریعت کے اعتبار سے محتسب کا علم شریعت سے آگاہ ہونا شرط ہے۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ محتسب اوامر و نواہی کی خاطر دینی اقدار کی حفاظت کا فریضہ بجالاتا ہے۔ انفرادی طور پر لوگوں کو احکام خداوندی کے مطابق زندگی گزارنے کا پابند کرتا ہے۔ خود امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا پابند ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی اعمال صالحہ کی تلقین کرتا ہے۔

شریعت کی ایک اصطلاحی تعریف بھی ہے اور اس میں کہا گیا ہے شریعت اور شرع سے مراد دین کے ذریعے دنیوی فلاح کا راستہ ہے' جو بقول تھانوی: اصلاح و تعمیر اور امن و سکون پر منتج ہو اور اگر یہ دینی و اخروی بھلائی کی خاطر ہے' تو اس کا منتہائے مقصود روح اور سیرت کی تعمیر ہوگا ❼ محتسب کا کردار بھی اصلاح و تعمیر اور امن و سکون کی غمازی کرتا ہے اور اس کے عمل احتساب سے روح اور سیرت کی تعمیر ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے محتسب کے شرائط میں علم شریعت کا جاننا فی الحقیقت بہت ضروری ہے۔

---

❶ لسان العرب: الافریقی' محولہ سابقہ ❷ ایضاً: حوالہ بالا ❸ ایضاً: حوالہ بالا ❹ تاج العروس: بزیل مادہ

❺ کتاب التعریفات: جرجانی' محولہ بالا' ص ۱۳۲

❻ دستور العلماء: عبدالنبی احمد نگری' دکن ''م۔ن'' ۱۳۲۹ھ ص ۳۰۹ ج ۲

❼ کشاف اصطلاحات الفنون: بزیل مادہ

شریعت کا تعلق دین اور طریق زندگی سے ہے اور عمل احتساب شریعت کے قریب تر' بلکہ احکام شریعت پر عملدرآمد کا غماز۔ قرآن حکیم اور احادیث نبوی میں اس کی تصریح موجود ہے۔ قرآن میں لفظ ''شریعت'' اپنے مشتقات کی شکل میں چار مقامات پر وارد ہوا ہے:

"شرع لکم من الدین ما وصی به نوحا والذی اوحینا الیك وما وصینا به ابراهیم و موسی و عیسی ان اقیموا الدین ولاتتفرقوافیه"❶

(ترجمہ) اس (اللہ) نے تمہارے لئے دین کا وہی راستہ مقرر کیا جس (کے اختیار کرنے کا) نوحؑ کو حکم دیا تھا اور جس کی (اے محمدؐ) ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو حکم دیا تھا (وہ یہ ہے) کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔

"ثم جعلنك علی شریعة من الامر فاتبعها ولاتتبع اهواء الذین لایعلمون"❷

(ترجمہ) پھر ہم نے تم کو دین کے کھلے راستے پر (قائم) کر دیا تو اسی (راستے) پر چلو اور نادانوں کی خواہشوں کے پیچھے نہ چلنا۔

"ام لهم شرکؤاشرعوالهم من الدین مالم یأذن به اللّٰه"❸

(ترجمہ) کیا ان کے وہ شریک ہیں' جنہوں نے ان کے لئے ایسا دین مقرر کیا ہے جس کا خدا نے حکم نہیں دیا۔

"لکل جعلنا منکم شرعة ومنهاجا"❹

(ترجمہ) ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور طریقہ مقرر کر دیا ہے۔

موخرالذکر آیت کے ضمن میں تصریحاً حضرت عبداللہؓ بن عباس کا یہ قول دہرایا جاتا ہے کہ شرع سے مراد قرآن حکیم میں وارد ہونے والے احکام ہیں اور منہاج سے مقصود وہ مسائل شریعت جو حدیث نبویؐ میں آئے ہیں۔ نصوص قرآنیہ گویا بنیادی اصول اور اساسی عقائد مہیا کرتی ہیں' جبکہ احادیث نبویہ ان اصول وعقائد کی تفصیل اور ان کی عملی تطبیق کا لائحہ عمل ہیں❺ اول الذکر آیت شریعت اسلامی کے نقطہ نظر اور دیگر شرائع سماویہ (یہودیت وعیسائیت) کے ساتھ اس کے تعلق اور

---

❶ القرآن:۴۲:۱۳ ❷ القرآن:۴۵:۱۸ ❸ القرآن:۴۲:۲۱ ❹ القرآن:۵:۴۸

❺ الجامع لاحکام القرآن: محمد بن عبداللہ القرطبی' قاہرہ ''م۔ن'' ۱۹۵۲ص ۲۸۸ ج ۴

مناسبت کی توجیہ وتعیین کرتی ہے ❶ چنانچہ تصریحاً کہتے ہیں کہ:

''شریعت کے معنی وہ امور ہیں' جو زمین اور اہل زمین سے تعلق رکھتے ہوں۔ اسی مناسبت سے شارع ایسے راستے کو کہا جاتا ہے' جو سیدھا اور محفوظ ہو۔ پس شریعت بھی بھلائی اور نیکی پر منتج ہونے والا ایک محفوظ اور سیدھا راستہ ہے'' ❷

اسلامی ریاست میں محتسب چونکہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے تحت تمام امور فرداً فرداً اور بسا اوقات اجتماعاً' امت مسلمہ اور ملک وملت کی فوز وفلاح' امن وسلامتی' بھلائی اور نیکی اور صراط مستقیم کی خاطر انجام دیتا ہے' اس لئے اس کے شرائط میں علم شریعت سے آگہی کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور اس شرط کی رو سے محتسب کا کردار احکام شریعت کے تابع قرار پاتا ہے۔ ابن بسام نے جہاں محتسب کے لئے فقیہ ہونے کی شرط عائد کی ہے' وہاں یہ بھی تصریح کردی ہے کہ وہ جس چیز کا حکم دے اور جس چیز سے روکے' اس کے بارے میں واقفیت تامہ رکھتا ہو' کیونکہ:

"الحسن ماحسنه الشرع' والقبيح ماقبحه الشرع" ❸

اچھا وہ ہے' جسے شریعت نے اچھا قرار دیا ہو اور برا وہ ہے' جس کو شریعت برا کہے۔

صاحب نہایۃ الرتبہ کے نزدیک کتاب اللہ اور سنت نبویؐ کے سوا معروف ومنکر کو پہچاننے کے لئے عقل کوئی پیمانہ نہیں' کیونکہ بعض اوقات کوئی جاہل اپنی عقل کے ذریعے کسی ایسی چیز کو اچھا سمجھ بیٹھتا ہے' جسے شریعت نے برا قرار دیا ہو' اور اس طرح وہ لاعلمی میں ایک ممنوع کام کا مرتکب ہوجاتا ہے ❹

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جہاں تک علم (شریعت) کا تعلق ہے تو اس سے مراد ''احتساب کے مواقع'' اس کے حدود اور اس کے فرائض جاننا ہے تاکہ شریعت کے حدود میں محدود رہا جاسکے:

"اما العلم فليعلم مواقع الحسبة وحدودها ومجاريها وموانعها ليقتصر على حدالشرع فيه" ❺

شرعی حدود کے تعین کے لئے بھی علم شریعت سے آگہی ضروری ہے۔ چنانچہ ایک رائے یہ ہے کہ:

---

❶ فی التشریع الاسلامی: احمد خلیل: قاہرہ ''م۔ن'' ۱۹۶۶ء ص ۱۳
❷ ایضاً: حوالہ بالا ص ۱۳' ۱۴
❸ نہایۃ الرتبۃ فی طلب الحسبۃ: محولہ بالا' ص ۱۰
❹ ایضاً: حوالہ بالا
❺ احیاء علوم الدین للغزالی: محولہ سابقہ' ص ۳۲۹

''لفظ شریعت یا شریعت اسلامیہ جب دنیا کے مروجہ قوانین کے مقابلے میں مستعمل ہو تو اس سے مراد وہ تمام احکام ہوتے ہیں، جن پر دین اسلام مشتمل ہے'' ❶

لیکن یہ شریعت کا وسیع تر اور مبسوط مفہوم ہے اور محتسب کے شرائط میں شریعت کے ضروری اور مناسب احکام جاننا ہی لازمی ہے۔ وہ احکام جو محتسب کو اس کے اختیارات و فرائض کی بجا آوری میں اس کی معاونت کر سکیں اور اس کے لئے رہنمائی کا کام دیں۔

شریعت میں صرف وہی فعل واجب ہے، انسان جسے کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اس ضمن میں ابن قیم نے ایک قول پیش کیا ہے۔ یہ قول بعض کے بقول رسول اللہ ﷺ اور بقول بعض حضرت عمرؓ سے منسوب ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے:

"من قلد رجلا علی عصابة وهو یجد فی تلك العصابة من هو ارضی منه فقد خان الله و خان رسوله و خان المؤمنین" ❷

کسی جماعت پر ایک ایسے شخص کو مسلط کر دینا کہ اس میں اس سے زیادہ اچھے افراد موجود ہوں اللہ، اس کے رسول اور اہل ایمان کے ساتھ خیانت ہے۔

امام ابن تیمیہ نے اسی قول کو فرض کی بنیاد بناتے ہوئے تصریح فرمائی ہے کہ واجب وہ چیز ہے، جو موجود شئے سے زیادہ پسندیدہ ہو۔ چنانچہ حضرت عمرؓ اکثر یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

"اشکو الیك جلد الفاجر و عجز الثقة" ❸

(اے اللہ) میں ایک فاجر کی جرات اور ایماندار کی کمزوری کے خلاف تجھ سے فریاد کرتا ہوں۔

امام غزالیؒ نے محتسب کے لئے علم شریعت سے آگہی کی شرط کو اگرچہ ورع اور حسن خلق کے ساتھ مشروط کیا ہے، تاہم صراحت کر دی ہے کہ علم شریعت ہی کافی نہیں، محتسب کے شرائط میں ورع اور حسن خلق بھی ضروری ہیں۔ حسن خلق کو انہوں نے مقدم جانا ہے اور علم شریعت کو ورع کا پابند قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"والورع لیردعه عن مخالفة معلومه فما کل من علم عمل بعلمه بل ربما یعلم انه مسرف فی الحسبه وزائد علی الحد الماذون فیه شرعا" ❹

---

❶ التشریع الجنائی الاسلامی: عبدالقادر عودہ، قاہرہ "م۔ن" ۱۹۵۶ء مقدمہ، ص ۱۸
❷ الطرق الحکمیہ: محولہ سابقہ، ص ۲۳۸ ❸ الحسبۃ فی الاسلام: محولہ سابقہ، ص ۱۰
❹ احیاء علوم الدین للغزالی محولہ سابقہ ص، ۳۲۹

اور جہاں تک ورع (تقویٰ) کا تعلق ہے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے علم کی مخالفت سے باز رہے اور اس سے تجاوز نہ کرے' کیونکہ علم ہی کے ذریعے اسے یہ پتا چل سکتا ہے کہ وہ اپنے حدود سے تجاوز کر رہا ہے کہ نہیں؟

اس تمام بحث و استدلال کا حاصل یہ ہے کہ ضروری اور مناسب علم شریعت سے آگہی کی شرط محتسب کیلئے اتنی ہی لازمی ہے جتنی کہ اس کا مسلمان اور بالغ ہونا۔ اسلامی شریعت کا ایک خصوصی امتیاز یہ ہے کہ اس کے اصول و مبادی اور ان سے مستنبط ہونے والی فروعات' انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی و محیط ہیں اور احکام شریعت حقوق اللہ' حقوق العباد اور مخلوط و مشترکہ حقوق کے تحفظ کیلئے ہیں' جنہیں تین ابواب میں تقسیم کیا جاتا ہے: عبادات' معاملات اور جنایات و عقوبات۔ محتسب کے اختیارات' فرائض اور ذمہ داریاں کسی نہ کسی طور ان ہی پر محیط ہیں۔ اس لحاظ سے بھی اس کا اسلام' بلوغت اور ضروری علم شریعت سے آگہی کے شرائط پر پورا اترنا لازمی ہے۔

اہم شرائط

محتسب کا بعض ایسی شرائط سے مشروط ہونا بھی ضروری ہے جو اگرچہ لازمی شرائط کے زمرہ میں نہیں آتیں مگر ان کا درجہ اہمیت کے اعتبار سے لازم کے قریب تر ہے' اسی لئے کچھ فقہاء کرام نے انہیں اہم شرائط گردانا ہے اور بعض انہیں لازمی شرائط میں شمار کرتے ہیں۔ ان میں پہلی شرط ''حریت'' ہے اور دوسری ''عدل''۔

☆ حریت

الماوردی جیسے فقہاء کے ہاں محتسب کے لئے حریہ کی شرط ملتی ہے۔ حریہ عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کا مادہ ح۔ر ہے۔ عبرانی میں یہ حور hor آرامی میں حیر her یا حروطا heruta استعمال ہوتا ہے اور اس کا لغوی مفہوم ایک ہی ہے' یعنی آزادی' شرافت' حاکمیت میں آزادی❶۔ ابن منظور اور الزبیدی کے نزدیک:

> ''الحر عبد کا نقیض ہے۔ گویا وہ شخص جو کسی کا غلام نہ ہو' یہ لفظ شریف کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ حر بین الحر و یہ او الحرورۃ وہ آدمی جس کی شرافت نمایاں ہو۔ نیز یہ ہر شئے کے بہترین حصے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے''❷

❶ Law in the Middle East, Islamic Law; vol. 1, p 85, Washinigton 1955

❷ لسان العرب: محولہ بالا و تاج العروس: بذیل مادہ

علامہ راغب نے حریہ کی دو قسمیں گنوائی ہیں۔ اولاً کسی کا غلام نہ ہونا' جیسے قرآن مجید میں ہے:

"یٰایھاالذین اٰمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ' الحربالحرو العبد بالعبد و الانثیٰ بالانثیٰ"❶

(ترجمہ) اے ایمان والو! فرض ہوا تم پر قصاص' برابر کرنا مقتولوں میں' آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔

ثانیاً: صفات ذمیمہ یعنی حرص اور دنیوی مال و متاع کے لالچ سے آزاد ہونا اور اپنے آپ کو خدا کے لئے وقف کر دینا۔ چنانچہ قرآن مجید میں حضرت مریم کی والدہ کے قول کے طور پر آیا ہے:

"رب انی نذرت لك مافی بطنی محررا"❷

(ترجمہ) اے میرے رب! میں نے تیرے نذر کیا جو کچھ میرے پیٹ میں ہے سب سے آزاد ہو کر۔

حر' حرہ اور احرار وغیرہ کے الفاظ احادیث میں بھی بکثرت آئے ہیں۔ مثلاً دیت الحر یعنی حر (آزاد' شریف) کے خون بہا کے ذکر میں یا غلاموں کو آزاد کرنے کے سلسلے میں کوئی آقا اپنے غلام کو آزاد کرتے ہوئے کہتا ہے۔ کہ میں اسے اللہ کی رضا جوئی کے لئے آزاد کرتا ہوں۔ کتب فقہ میں بھی جہاں آزاد اور غلام (حر اور عبد) کی بحث آتی ہے' اس کا ذکر موجود ہے۔

حریہ کی اس لغوی اور اصطلاحی تعریف کا اطلاق فی الحقیقت محتسب کی شرط کے طور پر کرنا اس کے معنوی مفہوم اور محتسب کے کردار کی غمازی کرتا ہے۔ چنانچہ محتسب کی تقرری کے وقت اگر یہ دیکھا جائے کہ وہ حریت سے متصف ہو' یعنی شہر یا علاقے کے بہترین لوگوں میں سے ہو۔ حرص اور دنیوی مال و متاع کے لالچ سے آزاد ہو۔ اور احتساب کا فریضہ انجام دینے کی خاطر اپنے آپ کو خدا کے لئے وقف کر دینے والا ہو یا اس کا فریضہ احتساب خوشنودی خدا کے لئے ہو اور وہ ہر قسم کی پابندی سے آزاد ہو کر محتسب کی ذمہ داریاں ادا کرتا ہو' تو اس کا یہ فعل عین اسلامی ہے اور حریت فکر و عمل کے عین مطابق۔

شرط حریہ کا استنباط تاریخی طور سے بھی ہوتا ہے' کیونکہ زمانہ قبل از اسلام عرب میں حریہ کی اصطلاح نہ صرف عبد کی ضد کے معنی میں استعمال ہوتی تھی' بلکہ اخلاقیات کی اصطلاح بھی تھی'

❶ القرآن:۲:۱۷۸ ❷ القرآن۳:۳۵

جس کے مصداق وہ افراد ہوتے تھے' جو صفات حمیدہ اور اعلیٰ اخلاق کے حامل ہوتے تھے۔ اخلاقی اعتبار سے مرد حر کی برتری کی علامت اس کی مروت' سخاوت' اور اعلیٰ مقصد کے لئے جاں سپاری ہوتی تھی' جس کے گن نظم ونثر میں ہمیشہ گائے جاتے تھے۔ یونانی کتب کے عربی تراجم نے مسلمانوں کو جب یونانی مفکرین کے آزادی کے مسائل سے متعلق بعض احوال سے متعارف کرایا' تو حریہ کی اصطلاح تاریخی اعتبار سے اور بھی مروج ہوگئی' تا آنکہ الفارابی اور ابن سینا ایسے حکماء نے اپنی نگارشات میں اسے بطور سیاسی اصطلاح کے محدود مفہوم میں استعمال کیا۔ رفتہ رفتہ یہ اصطلاح تصوف میں بھی آ گئی۔ ابونصر السراج کی کتاب اللمع اور القشیر ی کے الرسالہ میں حریہ کا ذکر جادہ تصوف میں نشان راہ کے طور پر ملتا ہے۔ الرسالہ کے طفیل اس اصطلاح کو کتب تصوف میں ایک مستقل مقام حاصل ہوا اور اس کے معنی خدا اور اس کی بندگی کے سوا ہر شئے سے چھٹکارا پانا' قرار پائے۔ یہاں تک کہ ابن العربی نے حریہ کو کامل عبدیت کا نام دیا❶

ظہور اسلام کے وقت دنیا کے اکثر ممالک میں غلامی موجود تھی اور غلاموں کا درجہ آزاد انسانوں کے مقابلے میں نہ صرف کمتر تھا بلکہ ان کی حالت حیوانوں سے بھی بدتر تھی۔ اسلام نے غلامی کو اس وقت کی ایک عالمگیر' ناگزیر عادت سمجھ کر اس کا انسداد تدریجی طور پر قانونی اخلاقی' ترغیبی اور نفسیاتی انداز میں کیا' تا کہ اس قبیح رسم کا انسداد معاشرے کی روحانی امنگ بن جائے اور لوگ خود بخود اس سے نفرت کرنے لگیں۔ اسلام میں چونکہ غلامی پسندیدہ ادارہ نہیں' بلکہ انسان کی آزادی ایک محبوب نصب العین ہے' اس لئے مسلمانوں میں رفتہ رفتہ یہ رسم خود بخود مٹ گئی۔

اسلام ایک عالمگیر تبلیغی مذہب ہے' جس میں دینی مقاصد کو ترجیح وتفوق حاصل ہے۔ بنیادی دینی امور کے سوا تمام عام شہری حقوق سے ہر کسی کو متمتع ہونے کا حق دیا گیا ہے۔ اس کا باقاعدہ اعلان رسول اللہ ﷺ نے خطبہ حجتہ الوداع میں فرمایا۔ اور یہ بات ہمیشہ ہمیشہ کیلئے کہہ دی گئی کہ اسلام میں حاکمیت اللہ کی ہے' انسان اس کے نائب ہیں۔ اسلام میں جو کچھ ہے' نیابت ہے' رعایا کا کوئی تصور نہیں' بلکہ اسلام میں سب آزاد اور برابر ہیں' البتہ دینی مقاصد کے اعتبار سے مسلم اور ذمی کا فرق ہے اور یہ تفاوت کسی غیر انسانی بنیاد پر نہیں' تمدنی بنیاد پر ہے۔ اسلام ہر قسم کے ذاتی واجتماعی استحصال' استبداد اور تسلط کی نفی کرتا ہے اور اس میں ترجیح کا اصول لیس لاحد علی احد فضل الا بدین او

❶ صحیح البخاری: امام بخاری' محولہ سابقہ' کتاب العتق

تقویٰ ❶ فضیلت کا معیار صرف دینداری اور تقویٰ ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں۔ خود امیر کو عام افراد ملک پر کوئی تفوق نہیں۔ اسلام میں جمہور کو بشرائط یہ حق حاصل ہے کہ اپنے اولی الامر کو تبدیل کرنے کا مطالبہ کرے۔ گویا اسلام کا مقصد حریت کے ذریعے ظلم و استبداد کی بجائے عدل و انصاف کی حکومت ہے۔ محتسب اپنے طور پر ایک محدود سطح پر اپنی اخلاقی حکومت کا سربراہ ہوتا ہے لہٰذا اگر اس کے لئے حریہ کی شرط رکھی گئی ہے تو یہ لغوی، اصطلاحی اور تاریخی اعتبار سے درست ہے۔

عدل

اکثر مسلم مفکرین نے جن میں قاضی ابویعلیٰ، ابوالحسن علی الماوردی کے علاوہ امام غزالیؒ شامل ہیں، محتسب کے شرائط میں عدل کو اہم قرار دیا ہے ❷۔ یہ شرط اس لئے ضروری قرار پائی کہ ادارہ احتساب کبھی تو عدلیہ کا حصہ اور بسا اوقات عدلیہ کے ماتحت رہا۔ بعض کہتے ہیں کہ محتسب کا عادل ہونا لازمی ہے۔ ابن جوزی کا موقف یہ ہے کہ فاسق کو محاسبہ کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ اس ضمن میں انہوں نے قرآن کے اس حکم سے استدلال کیا ہے:

أتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم ❸

(ترجمہ) کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔

از روئے اشتقاق عدل کی اصطلاح اسم ذات اور اسم صفت دونوں شکلوں میں استعمال ہوتی رہی ہے، لیکن معنوی اعتبار سے یہ دونوں ایک دوسرے کے عین مطابق ہیں۔ اسم ذات کے طور پر عدل کے معنی انصاف یا دادرسی کے ہیں اور اسم صفت کی رو سے مستقیم، منصفانہ اور متوازن کے۔ اس طرح اس کا اطلاق جاندار اور غیر جاندار دونوں پر ہوتا ہے۔

عدل کا لفظ اپنی دونوں صورتوں میں مذہب، حکومت اور قانونی لغات میں مستعمل ہے۔ معتزلہ کے عقائد میں خدا کا عدل ان کے مذہب کے پانچ بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے اور قاضی کے لئے لازم ہے کہ وہ عدل (قسط) سے فیصلہ دے، لیکن مادی انصاف کا تخیل فقہ کے نظریات میں زیادہ دخل نہیں رکھتا، اگرچہ شکایتوں کی تحقیقات میں اس پر زور دیا گیا ہے، جو اسم صفت اس عدل (اسم ذات) کے عین مطابق ہے، وہ عادل ہے۔ اس صفت کے طور پر عدل

---

❶ العلم باشارات اصل الالہام: ابوبکر محی الدین بن علی ابن العزلی حیدرآباد دکن "م۔ن" ۱۳۶۴ھ ص ۷۲ ج ۸

❷ منہاج القاصدین: محولہ سابقہ، ص ۲۰۱ ❸ القرآن ۲:۴۴

خاص طور پر ایک فقہی تصور کو ظاہر کرتا ہے اور اس کا اطلاق متعدد شکلوں میں کیا جاتا ہے' تاہم مالکی فقیہ ابن رشد کا کہنا بجا ہے کہ اس اصطلاح کی متفق علیہ تعریف نہیں کی جاسکتی۔ مزید برآں اس اصطلاح کی جو مختلف تعریفیں مرتب کی گئی ہیں' وہ بہت زیادہ وسیع اور غیر معین ہیں۔

الماوردی کے ہاں کیفیت عدل یعنی عدالت کو اخلاقی اور دین کمال کی ایک حالت بتایا گیا ہے۔ ابن رشد کے نزدیک اس کی شرط یہ ہے کہ انسان کبائر کا مرتکب نہ ہو اور صغائر سے بھی اجتناب کرے' لیکن ایک خیال یہ ہے کہ اس قسم کی کیفیت چونکہ بہت ہی استثنائی صورتوں میں صرف اولیاء اللہ میں پائی جاسکتی ہے' اس لئے عدالت سے انسان کی صرف وہ حالت مراد ہے' جس میں کہ وہ عام طور پر اخلاقی اور شرعی احکام کی پابندی کرنے والا ہو۔ یہی وہ تصور ہے جسے بالاخر قبول کرلیا گیا اور شاید یہی وجہ ہے کہ الماوردی' ابویعلی اور امام غزالیؒ نے محتسب کے شرائط میں اسے نمایاں جگہ دی ہے۔

ابن قیم کا بیان ہے کہ تمام اسلامی ولایات کا مقصد امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے اور ان اداروں کے سربراہ بمنزلہ امین اور گواہ ہیں' جن سے عدل کی توقع کی جاسکتی ہے' جیسے امیر حاکم اور محتسب ❶۔ صاحب الطرق الحکمیہ کا یہ بھی کہنا ہے کہ تمام ولایات (اداروں) کا دارومدار جن میں ولایۃ الحسبہ شامل ہے' صدق وعدل پر ہے۔ صدق اور عدل کیا ہیں؟

"الصدق فی الاخبار' والعدل فی الانشا" ❷

اخبار (خبر دینے) میں سچائی اور انشا (عمل) میں انصاف۔

محتسب کے لئے گویا یہ شرط ہے کہ وہ عادل ہو' قول وفعل میں سچا ہو۔ صدق اور عدل کتاب اللہ اور سنت رسولؐ دونوں میں ساتھی ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وتمت کلمة ربك صدقا وعدلا" ❸

(ترجمہ) تیرے رب کا کلام صدق اور عدل میں ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ کے سامنے ظالم امراء کا ذکر آیا' تو آپ نے ارشاد فرمایا:

"من صدقهم بكذبهم و اعانهم فی ظلمهم' فليس منی' ولست منه ولا يرد علی الحوض" ❹

---

❶ مسند احمد بن حنبل: محولہ سابقہ' ص ۱۴۵ ج ۴ ❷ الطرق الحکمیۃ: محولہ سابقہ' ص ۲۳۸ ❸ القرآن: ۶:۱۱۵

❹ الطرق الحکمیۃ: محولہ سابقہ' ص ۲۳۸

جو ان کے کذب اور ظلم میں ان کا ساتھ دے وہ میری امت سے نہیں نہ ہی میرا اس کے ساتھ کوئی رشتہ ہے اور نہ ہی وہ میرے پاس حوض کوثر پر آ سکتا ہے۔

قرآن حکیم کی اسی نوع کی آیات اور احادیث نبویؐ سے استدلال کرتے ہوئے ابن قیم یہ واضح موقف اختیار کرتے ہیں کہ محتسب کے لئے عدل کی شرط نہایت اہم ہے لہذا حاکم وقت پر لازم ہے کہ وہ اپنی ریاست کے اداروں کے لئے اہل عدل میں سے بہتر سے بہتر اشخاص کی خدمات حاصل کرے۔

"ولهذا يجب على كل ولى امر ان يستعين فى الايته باهل الصدق والعدل"❶

انسانی زندگی میں عدل کی اس سے بڑھ کر اور اہمیت کیا ہو سکتی ہے کہ رب کائنات نے اسے اپنے احکام کے نزول کا مقصد قرار دیا ہے۔ دراصل عدل ایک ایسی جامع اور اخلاقی خوبی ہے کہ اس کے بغیر کسی شخصیت کی تکمیل ہو ہی نہیں سکتی اسی لئے قرآن کا فیصلہ ہے:

"واذا حكمتم بين الناس ان تحكموا بالعدل"❷

(ترجمہ) اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کا فیصلہ کرو۔

"واذا قلتم فاعدلوا ولو كان ذاقربىٰ"❸

(ترجمہ) اور جب تم اپنی زبان سے کوئی بات نکالو تو عدل سے کام لو چاہے وہ تمہارا قریبی عزیز ہی کیوں نہ ہو۔

ایک اور آیت میں ہے

"ان الله يحب المقسطين"❹

(ترجمہ) بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

سورۃ المائدۃ ہی کی ایک اور آیت میں انتباہ کیا گیا ہے کہ خبردار کسی قوم کی دشمنی تمہیں بے انصافی پر آمادہ نہ کرے کیونکہ عدل تقویٰ کے زیادہ قریب ہے❺ اور امام غزالی کہتے ہیں کہ محتسب اگر تقویٰ سے واقف نہیں ہے تو اس کا ہر کام نفسانی خواہشات کے ماتحت ہوگا❻

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

❶ ایضاً: حوالہ بالا ❷ القرآن: ۴:۵۸ ❸ القرآن: ۶:۱۵۲ ❹ القرآن: ۵:۴۲

❺ القرآن: ۵:۸ ❻ احیاء علوم الدین: محولہ سابقہ ص ۳۲۹، ۳۳۰

"واما القسطون فکانو الجھنم حطبا"❶

(ترجمہ) اور جو بے انصاف ہیں وہ ہوئے دوزخ کا ایندھن۔

احتساب کا تعلق چونکہ عدل سے ہے اور عدل کا فرد اور معاشرے کی اصلاح سے اس اعتبار سے محتسب کے لئے عدل کی شرط میں بہت سی ایسی خوبیاں سمٹ آتی ہیں جو مرقع اخلاقیات میں شمار ہوتی ہیں۔

قانون اسلام کی تدوین کی کوشش اپنے موخر ترین مراحل میں وہ تھی جو سلطنت عثمانیہ میں انیسویں صدی عیسوی کے وسط میں بروئے کار لائی گئی۔ اس میں عدل کی حسب ذیل تعریف ملتی ہے:

"عدل وہ ہے جس میں خیر کے رجحانات شر کے رجحانات پر غالب ہوں"❷

اس مفہوم میں عادل ایسے شخص کو کہتے ہیں جو لازماً دین اسلام کے مطابق اچھے اخلاق رکھتا ہو۔ یہ کیفیت یا حالت اس کے قدرتی رجحانات کا نتیجہ ہو خواہ وہبی یا اکتسابی یا اس کیلئے یہ کافی ہے کہ اسے قوت ارادی کے ذریعے حاصل کیا جائے۔ اسم ذات کے طور پر عدل سے مراد نیک اخلاق رکھنے والا شخص لئے جاتے ہیں اور اس کا اطلاق بہر صورت بطور شرط محتسب پر کیا جاسکتا ہے۔

عدالت فقہ کے مختلف شعبوں سے متعلق ہے۔ اجتماعی قانون کے نظریے کی رو سے عدالت ان اہم شرائط میں سے ہے جو شریعت کے اصول کے مطابق تسلیم شدہ فرائض اجتماعی بجالانے کے لئے ضروری ہے۔ محتسب کی ذمہ داریوں میں یہ چیز شامل ہے۔ رفتار زمانہ کے ساتھ ساتھ عدل کی اصطلاح میں جب توسیع ہوئی اور معاشی و معاشرتی انصاف کا مفہوم بھی اس میں داخل ہوگیا تو یہ کسی فرد واحد کی کیفیت عدلیہ تک محدود نہ رہا بلکہ اجتماعی حالت انصاف بھی اس میں داخل ہوگئی۔

محتسب کے لئے شرط عدل کا مفہوم اس سے بھی واضح ہو جاتا ہے کہ سکوں پر یہ لفظ اکثر اپنی مختلف صورتوں میں ضرب کیا جاتا رہا ہے جس کے معنی ہیں کہ وہ صحیح طور پر وزن شدہ اور رائج الوقت (عدلی) ہیں۔ بنابریں علم مسکوکات میں عدل کا مفہوم پورے وزن کا ہے۔ چنانچہ بعض ملکوں کے سکوں پر یہ لفظ اپنی مختصر شکل "ع" میں ضرب کر دیا جاتا ہے اور اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ وہ صحیح طور پر وزن شدہ اور رائج الوقت (عدلی) ہیں۔ ہر دور کے محتسب کے فرائض میں یہ بات نمایاں دیکھنے میں آتی ہے کہ وہ اوزان و پیمانوں کی باقاعدہ پڑتال کرتا تھا۔ اس اعتبار سے بھی عدل کی شرط کا اس پر فقہی اعتبار سے منطبق کیا جانا تاریخی اعتبار سے درست ہے❸

---

❶ القرآن: ۷۲:۱۵ ❷ مجلۃ الاحکام: دفعہ ۱۷۰۵

❸ تبصرۃ الحکام: برھان الدین ابراھیم بن علی ابن فرحون قاہرہ م۔ن ۱۳۰۲ھ ص ۱۷۳، ۱۷۴

مناسب شرائط

محتسب کا باکردار اور صائب الرائے ہونا بہتر اور مناسب شرائط میں داخل ہے۔ فقہ کی مختلف کتابوں میں جو شرائط مجموعی طور پر مذکور ہیں' مثلاً علم' عقل' بلوغت' اسلام' معروف سے رغبت اور منکرات سے اجتناب وغیرہ' وہ تمام کی تمام ایک لحاظ سے اگرچہ محتسب کو باکردار ثابت کرتی ہیں اور الماوردی اور ابویعلی الفراء کی شرائط محتسب یعنی حریت' عدل' شجاعت متشدد فی الدین اور منکرات سے واقفیت وغیرہ بھی کچھ کم اہم نہیں ہیں' تاہم مناسب شرائط میں شرط ''دینداری'' ان سب کا احاطہ کرتی ہے۔

دینداری

امام غزالیؒ نے محتسب کی اس شرط کے بارے میں بلیغ اشارات کئے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ دیندار شخص ہی احتساب کرسکتا ہے' البتہ اس کے متعلق علماء مختلف الرائے ہیں اور میرے خیال میں ایسا نہیں ہے' کیونکہ اگر نیک آدمی ہی حساب کتاب کرے گا تو پھر اس دنیا میں کون آدمی ایسا ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو' لہٰذا احتساب کرنے والا کہاں سے آئے گا؟ اس کے بعد حضرت سعیدؒ بن جبیر کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

"ان لم یامر بالمعروف ولم ینه عن المنکر الامن لایکون فیه شی لم یامر احدبشی فاعجب....."[1]

صاحب احیاء العلوم نے حضرت حسن بصریؒ کا ایک قول بھی نقل کیا ہے کہ آدمی اپنے آپ کو اول پاک کرے' پھر احتساب کا فریضہ انجام دے' خود احتسابی کے بغیر شیطان اسے گمراہ کرسکتا ہے تاکہ احتساب کے دروازے بند رہیں۔ اسی حوالے سے امام غزالیؒ نے شرط دینداری پیش کی ہے اور بتایا ہے کہ احتساب دو طریقوں سے ہونا چاہئے۔ اول نصائح اور وعظ کے ذریعے' دوم بالجبر۔ ان دونوں طریقوں کو اختیار کرنے میں دینداری بہت ضروری ہے۔ دیندار شخص وہ ہے جو پہلے خود اپنا محاسبہ کرے یعنی جن منکرات سے روکے' اول خود کو ان سے پاک کرے' ورنہ اس کی نصیحت کا اثر تو درکنار' لوگ اس کا مذاق اڑائیں گے۔

امام غزالیؒ نے اس موقع پر اس مشاہدہ سے استدلال کیا ہے' جو رسول اللہ ﷺ کو معراج کی

[1] احیاء علوم الدین للغزالی: ص ۳۰۹

شب ہوا۔ آپ نے ایک گروہ کے ہونٹوں کو آگ کی قینچیوں سے کٹے ہوئے دیکھا اور دریافت فرمایا کہ ایسا کیوں ہے؟ رسول اللہ ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو دوسروں کو نصائح کرتے تھے لیکن خود فسق و فجور میں مبتلا رہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کو ایک بار ندا آئی کہ اول خود راہ راست اختیار کرو بعد میں دوسروں کو راہ راست دکھاؤ' ورنہ ندامت ہوگی ❶ گویا دینداری کا وصف کہ خود احتسابی سے جسے جلا ملتی ہے' انسان کو باعمل و باکردار بنا دیتا ہے اور اس کا محتسب کے شرائط میں شامل ہونا بہتر اور مناسب ہے۔

خود احتسابی کے علاوہ امانتداری' وفائے عہد' اظہار حق' شجاعت' توکل' پاکبازی' ایثار' صبر و تحمل' حق پر قائم رہنا' استغنا' بردباری' سریع الغضب نہ ہونا' خودداری و وقار اور عدل و انصاف ایسے اوصاف کسی انسان میں نہ صرف دینداری کی بدولت پیدا ہوتے ہیں بلکہ اسے حقیقی معنوں میں دیندار بھی بنا دیتے ہیں۔

سچائی

زبان' دل اور عمل میں کامل ہم آہنگی کا نام سچائی ہے اور اس ہم آہنگی پر تمام اخلاق و معاملات کی درستی کا مدار ہے۔ محتسب کا تعلق چونکہ اخلاق عامہ سے ہے' لہٰذا اس کے شرائط میں مکارم اخلاق کا ہونا ہرگز غیر ضروری نہیں' بلکہ ایک لحاظ سے افضل ہے۔ ان میں سچائی سرفہرست ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یایھاالذین امنوا اتقوااللہ و کونوا مع الصٰدقین" ❷

(ترجمہ) اے ایمان والو! اللہ کا خوف رکھو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو۔

یہ آیت دراصل ان تین صحابہ کے بارے میں ہے' جو اپنی غفلت اور سستی کے باعث غزوہ تبوک میں شریک نہ ہو سکے' لیکن رسول اللہ ﷺ کی واپسی پر انہوں نے اپنی کوتاہیوں پر عذر نہیں تراشے' بلکہ صاف صاف اصل صورتحال پیش کر دی۔ اسی صداقت نے انہیں نجات بخشی اور اسی کے نتیجے میں ان کی مقبولیت اور بھلائی کی یہ داستان قیامت تک قرآن میں دہرائی جاتی رہے گی۔

"انما المؤمنون الذین آمنوا باللّٰہ و رسولہ ثم لم یرتابوا و جاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللّٰہ اولٰئک ھم الصٰدقون" ❸

---

❶ ایضاً: حوالہ بالا ❷ القرآن: ۹:۱۱۹ ❸ القرآن: ۴۹:۱۵

(ترجمہ) دراصل مومن تو وہی ہیں' جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے' پھر ذرا شک اور تردد میں نہ پڑے اور خدا کی راہ میں جان و مال سے لڑے۔ یہی لوگ سچے (مومن) ہیں۔

اللہ رب العزت کے نزدیک انبیاء کے بعد صدیقین کا مرتبہ ہے ❶ اور صدیق سے مراد وہ پاکباز انسان ہے' جو اپنے جذبات' گفتار' کردار اور رویے میں نہایت سچا اور راست باز ہو اور اس کی زندگی کا ہر رخ اخلاق کامل کا آئینہ دار ہو۔ ابن قیم نے اسلامی ولایات (اداروں) کے سربراہ بمنزل امین اور گواہ قرار دیئے ہیں اور صراحت کردی ہے کہ ان سے سچائی اور دیانتداری ہی مطلوب ہے۔

"وجميع الولايات الاسلامية: مقصودها الامر بالمعروف والنهى عن المنكر' لكن من المتولين من يكون بمنزلة الشاهد الموتمن والمطلوب منه: الصدق" ❷

لہذا تمام ولایات کے سربراہ سچائی سے مشروط ہونا ضروری ہیں۔ ابن قیم نے اس فرمان نبویؐ سے بھی استدلال کیا ہے کہ:

"عليكم بالصدق فان الصدق يهدى الى البر" ❸

سچائی پر عمل کرو اس لئے کہ سچائی نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

آگے چل کر صاحب الطرق الحکمیہ نے تو یہ واضح موقف اختیار کیا ہے کہ ولایۃ الحسبہ کا انحصار صدق و عدل پر ہے ❹ گویا انہوں نے عدل کے ساتھ ساتھ سچائی کو محتسب کے شرائط میں لازم کردیا ہے اور اسے اہم قرار دیا ہے۔

صبر و تحمل

ابن جوزی کے نزدیک محتسب میں محاسبہ کی طاقت ہونا شرط ہے کیونکہ عاجز تو برائی کو صرف اپنے دل سے برا سمجھتا ہے ❺ لیکن بعض فقہاء اور مفکرین کے خیال میں محتسب کو عمل احتساب میں ابتداً زیادہ سخت گیر واقع نہیں ہونا چاہئے۔ اس کے لئے صبر و تحمل اور بردباری ایک مناسب شرط ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے والا معاشرے میں

---

❶ القرآن: ۴:۶۹ ❷ الطرق الحکمیۃ: محولہ بالا' ص ۲۳۸ ❸ ایضاً: حوالہ بالا

❹ ایضاً: حوالہ بالا ❺ منہاج القاصدین: محولہ سابقہ' ص ۲۰۲

منکرات کو دیکھ کر نہ صرف افسردہ و رنجیدہ ہوتا ہے' بلکہ کبھی کبھی غم و غصے میں آ جاتا ہے۔ اس حالت میں بقول امام غزالیؒ:

''صبر ضروری ہے' کیونکہ جو آدمی رنج و مصیبت میں صبر نہ کرے وہ محتسب نہ ہوگا'' ❶

سخت سے سخت حالات میں اپنے ذاتی جذبات پر قابو پانا اور قدرت رکھنے کے باوجود انتقام نہ لینا' صبر و تحمل ہے۔ یہ خدائی صفت ہے اور اللہ کے اولوالعزم انبیاء و رسل کی بھی' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان ابرھیم لحلیم اوہ منیب'' ❷

(ترجمہ) حقیقت یہ ہے کہ ابراہیم بڑے ہی بردبار نرم دل اور رجوع کرنے والے تھے۔

اور حضور سید المرسلین رحمۃ للعالمین ﷺ کے بارے میں کہا گیا ہے:

''فبما رحمة من اللّٰه لنت لهم'' ❸

(ترجمہ) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ آپ لوگوں کیلئے بڑے رحمت (نرم مزاج) واقع ہوئے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ قرآن نے جن اخلاقی خوبیوں پر زور دیا ہے' ان میں صبر کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ صبر ایک اخلاقی خوبی ہی نہیں' دوسری اخلاقی خوبیوں کی ایک جامع اساس بھی ہے۔ قرآن نے صبر کو عالی ہمت رسولوں کی صفت بتایا ہے ❹ اور تلقین کی ہے:

''یٰایھاالذین اٰمنوا اصبر و اوصابر و اورابطوا و اتقوا اللّٰه لعلکم تفلحون'' ❺

(ترجمہ) اے ایمان والو 'صبر اختیار کرو اور صبر میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرو' اور مقابلہ کرنے کے لئے مستعد رہو اور اللہ کا خوف رکھو تا کہ تم فلاح پا سکو۔

صبر کا قرآنی مفہوم نہایت وسیع ہے اور اس کے تین نمایاں پہلو ہیں: اولاً جذبات و خواہشات پر قابو رکھنا' ثانیاً سخت سے سخت حالات میں حق پر ڈٹے رہنا' نیز اپنے اصولوں پر کامل یقین رکھنا اور ثالثاً راہ حق کی مشکلات کو برداشت کرتے رہنا:

---

❶ احیاء علوم الدین: محولہ بالا' ص ۳۲۹ ❷ القرآن: ۱۱:۷۵ ❸ القرآن: ۳:۲۰۰
❹ القرآن: ۴۶:۳۵ ❺ القرآن: ۳:۲۰۰

"واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغدٰوة والعشى يريدون وجهه' ولاتعد عيناك عنهم تريد زينة الحيوة الدنيا"❶

(ترجمہ) اور اپنے آپ کو ان لوگوں کیساتھ روکے رکھیئے جو صبح شام اپنے رب کو پکارتے ہیں' اس کی رضا کے طالب بنے ہوئے۔ ان کی طرف سے کبھی نگاہیں نہ پھیریئے کہ آپ دنیا کی آرائشیں چاہنے لگیں۔

امام ابن تیمیہ کے خیال میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے والے (محتسب) کے لئے ضروری ہے کہ وہ حلم و بردباری سے کام لے اور اس راہ میں اسے جن تکالیف کا سامنا کرنا پڑے' ان پر صبر وعزیمت کا مظاہرہ کرے' کیونکہ اس راہ میں مصائب وتکالیف سے دوچار ہونا لابدی امر ہے❷ اس ضمن میں امام موصوف نے قرآن کی اس آیت سے استدلال کیا ہے' جس میں حضرت لقمان نے اپنے فرزند کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا۔

"وامر بالمعروف وانه عن المنكر واصبر علىٰ مااصابك ان ذٰلك من عزم الامور"❸

(ترجمہ) نیکی کی تلقین کرنا' برائی سے روکنا اور (اس راہ میں) جو مصائب پیش آئیں ان پر صبر کرنا' بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔

صبر وتحمل اور بردباری انسان کو غصے میں نہیں آنے دیتے۔ اس حالت میں محتسب ٹھنڈے دل اور کامل غور وخوض سے منکرات کے مرتکب لوگوں کی اصلاح کرسکتا ہے۔ چنانچہ امام غزالیؒ نے ایک طرف تو محتسب کے لئے صبر کی شرط رکھی ہے اور دوسری طرف مناسب قرار دیا ہے کہ محتسب خوش طبع ہو۔ ان کا کہنا ہے کہ خوش طبعی نہ ہوگی تو اسے ہر بات پر غصہ آئے گا اور ایسی حالت میں محتسب خدا کو بھول جائے گا۔ حد سے زیادہ تجاوز کرکے نفسانیت میں قدم بڑھائے گا اور اس صورت میں وہ گنہگار ہوگا❹ ابن تیمیہ رقمطراز ہیں:

"فلابد من هذه الثلاثة العلم والرفق والصبر' العلم قبل الامر والنهى والرفق معه والصبر بعده"❺

علم' رفق (نرمی وشفقت) اور صبر تینوں دعوت دین کیلئے ضروری ہیں۔ علم' امر بالمعروف و

---

❶ القرآن: ۱۸:۲۸ ❷ الحسبۃ فی الاسلام: محولہ سابقہ' ص ۴۳

❸ القرآن: ۳۱:۱۷ ❹ احیاء علوم الدین: محولہ سابقہ' ص ۳۲۹' ۳۳۰ ❺ الحسبۃ فی الاسلام: محولہ سابقہ' ص ۴۷

نہی عن المنکر سے پہلے آتا ہے۔ رفق کا تعلق اس کے ساتھ شروع ہو جاتا ہے اور صبر کی منزل اس کے بعد آتی ہے۔

امام ابن تیمیہ کے بقول امور احتساب میں علم، رفق اور صبر تینوں صفات ہمرکاب ہیں اور یہی بات بعض اسلاف کے آثار میں مرفوعاً روایت ہوئی ہے۔ قاضی ابویعلی نے تصریح فرمائی ہے کہ:

"صرف اس شخص کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا چاہئے جو ان باتوں کا پورا پورا فہم وادراک رکھتا ہو، جن کا وہ حکم دے رہا ہے اور جن سے وہ منع کر رہا ہے، اس دعوت کے کام میں وہ نرمی سے کام لیتا ہو اور بردباری اور عالی ظرفی کا مظاہرہ کرتا ہو" ❶

محتسب کے لئے صبر وتحمل کی شرط اس لئے بھی مناسب ہے کہ وہ فریضہ احتساب صرف اور صرف رضائے الٰہی کی خاطر سرانجام دیتا ہے اور اس میں اس کی خواہشات نفسانی کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ صبر وتحمل کے قریب تر رہنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان غصے سے اجتناب کرے۔ چنانچہ فقہاء کرام اس مشہور واقعہ کو بطور استشہاد پیش کرتے ہیں، جس کے مطابق حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جب ایک کافر کو زمین پر پٹخ دیا تو اس کافر نے آپ کے چہرہ مبارک پر تھوک دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اسے چھوڑ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ اب اگر میں تجھے قتل کرتا ہوں تو یہ میری ذاتی خواہش کے ماتحت ہوگا، خدا کے لئے نہیں۔

اعتدال

محتسب کے لئے اعتدال کی شرط بھی غیر مناسب نہیں۔ وہ عمل احتساب کے دوران حلم و بردباری اور سخت گیری کی درمیانی راہ اختیار کر سکتا ہے۔ اسلام نے ہر معاملہ میں اعتدال اختیار کرنے اور افراط وتفریط سے بچنے کی تاکید وتلقین کی ہے۔ اعتدال کا تعلق گویا دین اور دنیوی دونوں اعتبار سے زندگی کے تمام شعبوں سے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ولا تجهر بصلاتك ولا تخافت بها وابتغ بين ذٰلك سبيلا" ❷

(ترجمہ) اور اپنی نماز نہ بہت بلند آواز میں پڑھو اور نہ بہت زیادہ پست آواز میں، بلکہ درمیانی راہ اختیار کرو۔

---

❶ ایضاً: حوالہ بالا ❷ القرآن: ۱۷:۱۱۰

"ولا تجعل یدك مغلولة الی عنقك ولا تبسطها كل البسط فتقعد ملوما محسورا"❶

(ترجمہ) نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھو (کہ کسی کو کچھ دو ہی نہیں) اور نہ اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو (کہ سب کچھ دے ڈالو) اور ملامت زدہ اور عاجز ہو کر رہ جاؤ۔

"والذین اذاانفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وكان بین ذلك قواما"❷

(ترجمہ) اور (خدا کے نیک بندے) جب خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ تنگی اور بخل سے کام لیتے ہیں' بلکہ ان کے درمیان اعتدال کے ساتھ خرچ کرتے ہیں۔

"واقصد فی مشیك"❸

(ترجمہ) اور رفتار میں اعتدال اختیار کئے رہو۔

محتسب کے فرائض و اختیارات میں دینی اور دنیوی دونوں قسم کے امور شامل ہیں۔ وہ اگر خود اعتدال پسند ہو تو اپنی ذمہ داریاں بحسن وخوبی ادا کر سکتا ہے۔

ایثار وتوکل

محتسب میں ایثار وتوکل کا پایا جانا بھی مناسب اور بہتر شرائط میں سے ہے۔ یہ دونوں صفات ایک انسان کو استغناء کی دولت سے مالا مال کر دیتی ہیں۔ ایثار کیا ہے؟ اپنے ذاتی مفاد کو چھوڑ کر دوسرے کی ضرورت کو پورا کرنا اور کسی کے کام آنا' ایثار ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

"ویؤثرون علٰی انفسهم ولو كان بهم خصاصة ومن یوق شح نفسه' فاولٰئك هم المفلحون"❹

(ترجمہ) اور وہ اپنی جان پر ان کو ترجیح دیتے ہیں' خواہ انہیں شدید احتیاج ہو اور جو اپنے نفس کے لالچ سے بچا تو وہی کامیاب ہوا۔

مدینہ کے انصار نے اپنی ضروریات کو بالائے طاق رکھ کر تنگی وترشی برداشت کر کے مہاجرین کی ضرورتیں پوری کیں اور ہر معاملہ میں ان کو اپنی ذات پر مقدم رکھا۔ یہ ایثار کی بہترین مثال ہے۔ خدا پر قناعت کرنے اور بھروسہ رکھنے والا کبھی نامراد نہیں ہوتا اور کارسازی کے لئے خود خدا غیب سے ایسے انتظامات فرما دیتا ہے کہ قانع کو اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ ارشاد خداوندی ہے:

---

❶ القرآن: ۲۹:۱۷ ❷ القرآن: ۶۷:۲۵ ❸ القرآن: ۱۹:۳۱ ❹ القرآن: ۹:۵۹

"ومن یتوکل علی اللّٰہ فھو حسبہ"❶

(ترجمہ) اور جو کوئی اللہ پر توکل رکھے تو اللہ اس کے لئے کافی ہوگا۔

"ومالنا الا نتوکل علی اللّٰہ وقد ھدنا سبلنا ولنصبرن علی ما اٰذیتمونا وعلی اللّٰہ فلیتوکل المتوکلون"❷

(ترجمہ) اور ہم کیوں نہ اللہ ہی پر بھروسہ کریں، جبکہ ہماری زندگی کی راہوں میں اس نے ہماری رہنمائی کی۔ جو تکلیفیں تم ہمیں دے رہے ہو، ان پر ہم صبر کریں گے اور توکل کرنے والوں کو خدا ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔

دونوں ہاتھوں سے مال و دولت سمیٹنا اور عیش و عشرت کے سامان فراہم کر لینا، ہرگز استغناء نہیں، بلکہ استغناء تو یہ ہے کہ انسان دنیوی زندگی کی اس شان و شوکت کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے۔ اس کے لئے فقط رزق حلال بہتر ہے۔ قرآن میں ہے:

"ولا تمدن عینیك الی مامتعنا بہ ازواجا منھم زھرۃ الحیٰوۃ الدنیا لنفتنھم فیہ ورزق ربك خیر وابقیٰ"❸

(ترجمہ) اور نگاہ بھی نہ اٹھاؤ، دنیوی زندگی اور اس شان و شوکت کی طرف جو ہم نے ان میں سے مختلف گروہوں کو دے رکھی ہے، وہ تو ہم نے انہیں آزمائش میں ڈالنے کے لئے دی ہوئی ہے اور تیرے رب کا دیا ہوا حلال رزق بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔

انکساری

ایثار و توکل اور استغناء سے انسان میں سادگی اور انکساری پیدا ہوتی ہے اور وہ طمع و تکبر کو قریب بھی پھٹکنے نہیں دیتا۔ امام غزالیؒ کی رائے میں محتسب کے لئے جہاں ضروری ہے کہ وہ حریص نہ ہو، کیونکہ طمع کی زیادتی اسے عمل احتساب سے روکے گی❹ وہاں محتسب ایک اعلیٰ منصب پر فائز ہونے کے باوجود منکسر المزاج نظر آئے گا۔ قرآن کا انتباہ واضح ہے:

"ولا تصعر خدك للناس ولا تمش فی الارض مرحا"❺

(ترجمہ) اور تکبر میں لوگوں سے اپنے گال نہ پھیلا اور نہ زمین پر اکڑ کر چل۔

---

❶ القرآن: ۲:۶۵ ❷ القرآن: ۱۲:۱۴ ❸ القرآن: ۱۳۱:۲۰
❹ احیاء علوم الدین: محولہ سابقہ، ص ۳۹ ❺ القرآن: ۱۸:۳۱

تکبر سے اجتناب اس لئے بھی ضروری ہے، کیونکہ:

"وعبادالرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھونا"❶

(ترجمہ) اللہ کے پیارے بندے زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں۔

"والذین ھم لفروجھم حافظون"❷

(ترجمہ) اور وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

خودداری

اخلاقیات میں خودداری کی اہمیت اپنی جگہ مسلمہ ہے۔ بعض فقہاء نے اسے بطور شرط محتسب کے لئے مناسب اور بہتر قرار دیا ہے۔ خودداری اس چیز کا نام نہیں کہ انسان اپنی انا کی تسکین کی خاطر دوسرے کو خاطر ہی میں نہ لائے بلکہ خوددار تو قرآن کی نظر میں وہ ہے، جو بے ہودگی میں الجھنے کی بجائے اپنا دامن بچاتے ہوئے گزر جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"واذا مروا باللغو مروا کراما"❸

(ترجمہ) اور جب کسی بے ہودگی پر سے ان کا گزر ہوتا ہے تو وقار کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔

اسلام نے خوددار شخص کی ایک علامت یہ بتائی ہے کہ وہ انتہائی تنگ دست اور حاجت مند ہونے کے باوجود کسی کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے نہ اپنی ضرورت کا اظہار کرتا ہے❹ محتسب کی اپنی ایک حیثیت ہوتی ہے۔ اس کا اپنا ایک وقار ہوتا ہے۔ وہ اگر خودداری سے متصف نہ ہو تو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ بطریق احسن سرانجام نہیں دے سکتا۔ چنانچہ خودداری بھی اس کے لئے ایک مناسب شرط ہے۔

امانت ودیانت

احتساب کا تعلق معاملات اور اخلاق سے ہے، جس کے لئے امانت ودیانت ضروری ہے۔ امانت کے مفہوم میں ہر قسم کی امانت شامل ہے، یعنی مال ودولت کی امانت، ذمہ داری اور عہدہ کی امانت، رائے اور مشورہ کی امانت۔ امانت کی یہی شرط کسی شخص کے باکردار ہونے کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔ قرآن کا بیان ہے:

---

❶ القرآن:۲۵:۶۳ ❷ القرآن:۲۳:۵ ❸ القرآن:۲۵:۷۲ ❹ القرآن:۲:۲۷۳

"ان اللّٰہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا"❶

(ترجمہ) اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے حوالے کردو۔

محتسب کے لئے امانت و دیانت ایسی مناسب شرط ہے کہ ضروری کا درجہ حاصل کر جاتی ہے۔ محتسب ایک لحاظ سے امین ہوتا ہے۔ وہ احتساب کی ذمہ داری کو امانت کے طور پر نبھاتا ہے اور منکرات کے خلاف جہاد کر کے اس عہدہ کی امانت میں دیانت کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ لہذا امانت و دیانت بھی اس کے لئے ایک 'مناسب' بہتر اور ضروری شرط ہے۔

ایفائے عہد

امانت کے ساتھ ساتھ ایفائے عہد کی شرط انسان کے باکردار ہونے کی ضامن ہے۔ یہ عہد اپنے آپ سے ہوسکتا ہے۔ معاشرے اور امہ سے بھی۔ اسلام نے اہل وفا کو نیک لوگوں میں شمار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"والموفون بعھدھم اذا عٰھدوا"❷

(ترجمہ) اور نیک لوگ وہ ہیں کہ جب عہد کریں تو اسے پورا کریں۔

ایک اور آیت میں تلقین کی گئی ہے:

"واوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولا"❸

(ترجمہ) اور عہد پورا کرو یقیناً عہد کے بارے میں جواب دہی ہوگی۔

محتسب رضائے الٰہی کی خاطر فریضہ احتساب انجام دیتا ہے۔ وہ اپنے آپ سے معاشرے کی اصلاح کا عہد کرتا ہے اس لئے اسے خود بھی ایفائے عہد سے مشروط ہونا چاہئے۔

حق گوئی و بیباکی

حق بات کہنا ایک ایمانی صفت ہے۔ قرآن حکیم کی رو سے حق بات کہنے والا ایک طرح سے خدا کی راہ میں جہاد کرتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

"یجاھدون فی سبیل اللّٰہ ولایخافون لومۃ لائم"❺

(ترجمہ) وہ خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔

---

❶ القرآن:۴:۵۸ ❷ القرآن:۲:۱۷۷ ❸ القرآن:۱۷:۳۴ ❺ القرآن:۵:۵۴

اور حدیث نبویؐ ہے کہ بہترین جہاد جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔ قرآن وحدیث کے ان ارشادات کی روشنی میں حق گوئی و بیباکی محتسب کے لئے ایک ایسی شرط ہے، جو اسے اپنا عملی کردار نہایت بے خوفی سے ادا کرنے میں مدد دیتی ہے۔ محتسب معروفات کے تحفظ اور منکرات کے سدباب میں کسی بڑی سے بڑی شخصیت کے اثر ورسوخ اور سفارش کو خاطر میں نہیں لاتا۔ چنانچہ حق گوئی و بیباکی اس کے شرائط میں مناسب جگہ پاتی ہے۔

اختلافی شرائط

لازمی شرائط کے بعد مناسب اور بہتر شرائط کا کسی محتسب میں پایا جانا بھی ضروری ہے۔ مناسب اور بہتر شرائط درحقیقت مکارم اخلاق میں سے ہیں۔ فقہاء کے نزدیک ان فضائل اخلاق کو ضمناً محتسب کے شرائط میں شامل کیا جانا چاہئے۔ رذائل اخلاق میں جھوٹ، وعدہ خلافی، خیانت، غرور، خودستائی، ثنویت، حسد، بخل اور فضول خرچی وغیرہ داخل ہیں۔ اسلام نے چونکہ سختی سے تاکید کی ہے کہ فرد اور معاشرے پر ان رذائل اخلاق کا سایہ بھی نہیں پڑنا چاہئے، اس لئے محتسب کی شخصیت فضائل اخلاق ہی کا مرقع ہوسکتی ہے، یعنی کوئی جھوٹا، وعدہ خلاف، خائن، حاسد، بخیل، فضول خرچ، خودستائی اور دورخ پن کا حامل شخص محتسب بننے کا اہل نہیں۔ اس ضمن میں امام غزالیؒ نے حضرت حسن بصریؒ کے اس قول سے استشہاد کیا ہے کہ:

> ''آدمی اپنے کو اول پاک کرے، اس کے بعد فریضہ احتساب انجام دے، اس لئے کہ شیطان اسے گمراہ کرسکتا ہے تاکہ احتساب کے دروازے بند ہوجائیں'' ❶

لیکن خود احتسابی کے عمل سے گزر کر وہی شخص کندن بن سکتا ہے جس میں اسلام، بلوغت اور شریعت کے ضروری علم سے آگہی ایسی لازمی شرائط ثلاثہ کے علاوہ حریت وعدل، ایسی اہم اور دینداری، سچائی، صبر وتحمل، اعتدال، ایثار وتوکل، استغناء، انکساری، خودداری، امانت و دیانت، ایفائے عہد اور حق گوئی و بیباکی ایسی مناسب اور بہتر صفات بھی موجود ہوں۔ ان لازمی، اہم اور مناسب و بہتر شرائط سے قطع نظر بعض اختلافی شرائط بھی ہیں مثلاً محتسب کا مجتہد ہونا۔ اور کیا عورت محتسب ہوسکتی ہے یا نہیں؟

---

❶ احیاء علوم الدین: محولہ سابقہ، ص ۳۰۸

مجتہد ہونا

محتسب کے لئے مجتہد ہونا ضروری ہے کہ نہیں؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔ ابوالحسن علی الماوردی نے ابوسعید الاصطخری کا ایک قول نقل کیا ہے جس کے مطابق محتسب کا مجتہد ہونا اس لئے ضروری ہے کہ جو امور فقہاء کے نزدیک منکرات میں مختلف فیہ ہیں' ان میں اجتہاد کا حق حاصل ہے' مگر محتسب اپنے اجتہاد رائے پر لوگوں کو مجبور نہیں کر سکتا❶

ابتداء میں اکثر مذاہب کے اصول اس بات کے متقاضی تھے کہ قاضی ایسا شخص ہونا چاہئے' جو اپنے اجتہاد کی بناء پر زیر بحث مسئلہ کے فیصلے کے لئے قرآن وسنت سے صحیح استخراج کر سکے' یعنی مجتہد ہو۔ بعدازاں جب یہ خیال عام ہو گیا کہ اجتہاد کی صلاحیت اور استخراج کی اہلیت کے حامل اہل علم باقی نہیں رہے تو اسلاف کے نظائر پر انحصار کرتے ہوئے یہ شرط حذف کر دی گئی۔ محتسب کو بھی چونکہ نیم عدالتی اور نیم انتظامی قسم کی ذمہ داریاں تفویض رہی ہیں' اسلئے بعض فقہاء کے نزدیک محتسب کے لئے ان شرائط کا التزام رہا' جو قاضی کے لئے ضروری ہیں۔ امام شافعی کی رائے میں قاضی کو مجتہد ہونا چاہئے۔ امام ابوحنیفہ کے خیال میں یہ شرط غیر ضروری ہے❷ الماوردی کا بھی کہنا ہے کہ محتسب کا مجتہد ہونا شرط نہیں' غیر مجتہد بھی جو کہ متفق علیہ منکرات سے واقف ہو' محتسب ہو سکتا ہے❸ اسی موقف کو قاضی ابویعلی نے بھی اپنی کتاب' الاحکام السلطانیہ' میں وضاحت سے بیان کرنے کی کوشش کی ہے❹

عورت محتسب ہو سکتی ہے؟

بعض اصحاب کی رائے میں مجتہد سے قطع نظر محتسب کا مرد ہونا ضروری ہے' لیکن احناف کے ہاں غالباً یہ شرط غیر ضروری ہے' کیونکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک عورت ان صورتوں میں قاضی بن کر مقدمات کی سماعت اور فیصلے کر سکتی ہے جن میں عورتوں کی شہادت کی اجازت ہے۔ ظاہر ہے کہ احتساب ایک نیم عدالتی منصب ہے اور عدالت کے ماتحت' اس میں عورت کا محتسب ہونا ان کے ہاں کیوں کرنا جائز ہو سکتا ہے۔ پھر یہ بھی مشہور ہے کہ:

''رسول اللہ ﷺ کے دور میں سمراؓ بنت نہیک الاسدیہ نامی ایک خاتون فریضہ احتساب

---

❶ الاحکام السلطانیۃ: محولہ سابقہ' ص ۲۳۲ ❸ ملاحظہ کیجئے: عرنوس ص ۱۶۸' ۱۶۹

❷ الاحکام السلطانیۃ: محولہ سابقہ' ص ۲۳۲ ❹ ملاحظہ ہو: فصل فی الحکام الحسبۃ: ص ۲۶۹ و بعد

انجام دیتی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے شفاء انصاریہ کو مدینہ کے ایک بازار کا محتسب مقرر کیا تھا'' ❶

لیکن مشہور مالکی فقیہ قاضی ابوبکر بن العربی اس کے حق میں نہیں ہیں۔ انہوں نے اس روایت کی سختی سے تردید کی ہے اور یہاں تک کہہ دیا ہے کہ یہ روایت بالکل غلط اور من گھڑت ہے ❷ قرطبی بھی ابن العربی کے حق میں ہیں ❸

امام مالک کے علاوہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک عورت کو عہدہ قضاء سپرد نہیں کیا جاسکتا مگر جیسا کہ بیان کیا گیا ہے' امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جن معاملات میں عورت کی گواہی قابل قبول ہے' ان میں عورت کو قاضی بھی بنایا جاسکتا ہے۔ عرنوس نے ابن جریر الطبری کی رائے نقل کی ہے کہ عورت کو تمام معاملات میں قاضی مقرر کیا جاسکتا ہے ❹ محتسب کا عہدہ تو قاضی سے کم تر درجے کا ہے۔ وہ اگر امام ابوحنیفہ اور الطبری کے نزدیک قاضی بن سکتی ہے تو محتسب کیوں نہیں ہوسکتی۔

عام یا ان پڑھ کی شرط

امام ابوحنیفہ کے خیال میں مجبوری کی صورت میں کسی عام آدمی کو بھی قاضی بنایا جاسکتا ہے ❺ اس اعتبار سے ایک عام یا ان پڑھ آدمی بھی محتسب مقرر کیا جاسکتا ہے' بشرطیکہ صحیح الفہم ہو اور اس شہر میں جہاں اس کی تقرری عمل میں لائی جارہی ہے' اس سے زیادہ کوئی باصلاحیت نہ ہو۔

---

❶ التراتیب الاداریہ: ص ۲۸۵' ۲۸۶ ج ۱
❷ احکام القرآن: محولہ سابقہ' ص ۴۴۶ ج ۳
❸ الجامع لاحکام القرآن: محولہ سابقہ' ص ۱۸۳ ج ۱۳
❹ عرنوس: محولہ سابقہ' ص ۱۶۸' ۱۶۹
❺ ایضاً: حوالہ بالا

فصل دوم

عہدِ رسالت کا نظامِ احتساب

مذاہب عالم کی تاریخ میں اسلام کو امتیاز حاصل ہے کہ یہ عقائد وعبادات کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ اپنے پیرووں کے لئے تزکیہ اخلاق اور ان کی اخروی فوز وفلاح کے ساتھ ساتھ ان کی جملہ دنیوی ضروریات کا بھی کفیل ہے۔ یہ دین انسانیت ہے اور مسلمانوں کی روحانی تربیت کے علاوہ ان کی مادی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی۔ امت مسلمہ کے لئے ایک دستور حیات اور اس کے لئے قانونی بنیادیں فراہم کرتا ہے۔ اس میں ہر مسلمان کے لئے اصولی قواعد وضوابط موجود ہیں۔ اسلامی اصطلاح میں اسی کا نام شریعت ہے۔ اس کی تاسیس کی ابتداء بعثت نبویؐ سے ہوئی اور تکمیل رسول اللہ ﷺ کی رحلت پر یعنی ۲۳ سال کی مدت میں حسب ضرورت اور بتدریج' اس کی چار شاخیں ہیں: عقائد' عبادات' معاملات اور اخلاق عامہ۔

اول الذکر دو یعنی عقائد وعبادات' خدا اور بندے کے درمیان تعلقات اور تزکیہ روح و اخلاق سے متعلق ہیں اور موخر الذکر معاملات اور اخلاق کا تعلق انسانوں کے باہمی تعلقات سے ہے۔ عقائد میں توحید' رسالت' ملائکہ' قیامت' حشر ونشر' اور سزا و جزا پر ایمان شامل ہیں اور عبادات میں نماز' روزہ' حج' اور زکوٰۃ پر عمل۔ حلال وحرام کے ضوابط بھی اسی سے متعلق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی یہ ہے کہ اس کے احکام اور رسول مقبول ﷺ کی تعلیمات کی اطاعت کی جائے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اسی اطاعت وفرمانبرداری کا نام خیر' نیکی' تقویٰ اور عمل صالح ہے' جیسا کہ امام ابن تیمیہ نے الحسبہ کی بحث میں لکھا ہے:

"وعبادته تكون بطاعته وطاعة رسوله وذلك هو الخير والبر والتقوى والحسنات والقربات والباقيات الصالحات والعمل الصالح"❶

وصیت' وقف' نکاح' طلاق' حدود وتعزیرات' تجارت' لین دین' اور معاشرتی زندگی سے متعلق قواعد وضوابط معاملات میں آتے ہیں اور اخلاق کا دائرہ انسانوں کے ایک دوسرے کے ساتھ اخلاقی ذمہ داریوں اور اخلاقی فرائض کو محیط ہے۔ الحسبہ کا تعلق اسی آخری شاخ سے ہے۔

---

❶ الحسبة في الاسلام: محولہ سابقہ' ص ۴

بعثت نبویؐ سے قبل نظام عہدیت

الحسبہ کو دین اسلام میں ایک اہم ستون کی حیثیت حاصل رہی۔ اس کے لئے انبیاء کرام مبعوث ہوئے اور مرسلین عظام بھیجے گئے۔ قبل از اسلام عربوں میں عہدیت کا نظام پایا جاتا تھا۔ عہدیت سے مراد تھی: مختلف خانہ بدوش قبیلوں کا باہمی میل جول اور اس کے نتائج۔ زمانہ حال کی اصطلاح میں ریاست یا مملکت کا ابھی وجود نہ تھا اور نہ ہی عدل گستری کے لئے کوئی منظم حکومت قائم تھی۔ حکومت اصل میں عمومی عملدرآمد اور رسم ورواج کا نام تھا۔ لوگوں کے باہمی جھگڑوں اور مناقشوں کے تصفیے قدیم رسم ورواج کے مطابق ہوتے تھے۔ اس کی نشاندہی رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے:

"یاسائب انظر اخلاقك التی کنت تصنعها فی الجاهلیة فاجعلها فی الاسلام"❶

اے سائب! ان اچھے اخلاق کی پابندی کرو جن کو تم ایام جاہلیت میں پیش نظر رکھتے تھے۔ ان کو اسلام میں بھی روا رکھو۔

بعثت رسول مقبولؐ سے پہلے انصاف کے لئے عرب میں تین طریقے تھے: پنچ، کاہن اور تحکیم۔ فصل خصومات کے لئے قبیلہ داری پنچ مقرر ہوتے تھے۔ ان کے روبرو فریقین کی حاضری ہوتی اور پنچ کا فیصلہ قطعی قرار پاتا❷ کاہن مذہبی پیشوا یا علم غیب کے مدعی، جن کے فیصلوں کو ایک طرح سے خدائی سمجھا جاتا تھا اور ان کے خلاف مرافعہ کی چارہ جوئی ممکن نہ تھی❸ پنچ اور کاہن کے علاوہ بعض شخصیات ثالث یا حکم کا درجہ رکھتی تھیں۔ بنی تمیم کے سردار موروثی طور پر سارے عرب کے حکم مانے جاتے تھے❹ عدل واحتساب کا عمل ان تینوں ذرائع سے ہی ممکن تھا۔

اول دستور اسلامی میں دفعات احتساب

رسول اللہؐ کے عہد مبارک میں جاہلیت کے اکثر ادارے اور بیشتر رسم ورواج معطل ومنسوخ

---

❶ مسند احمد بن حنبل: محولہ سابقہ، ص ۴۲۵ ج ۳

❷ صبح الاعشی: ابوالعباس احمد القلقشندی (مع جزوی ترجمہ انگریزی از O-spies) قاہرہ "مطبع امیریہ" ۱۹۱۸ء ص ۲۷۲

❸ انسائکلوپیڈیا آف اسلام: بذیل "کاہن" ص ۴۷۳

❹ سیرت ابن ہشام: ابن ہشام ابومحمد عبدالملک "م۔ن" ۱۸۷۰ء ص ۷۸، ۷۹

کر دیئے گئے یا ان میں تبدیلیاں کر دی گئیں اور ظہور اسلام کے نتیجے میں جو عالمگیر تحریک پیدا ہوئی' اس نے دنیا کو ایک نیا تصور حیات پیش کیا۔ یوں مکہ مکرمہ میں مسلم معاشرہ کی ابتدا ہوئی' لیکن یہ باقاعدہ ریاست یا مملکت سے محروم تھا۔ ہجرت نبویؐ کے بعد مدینہ منورہ میں اسلامی نظم مملکت کے نقوش ابھرے جو رفتہ رفتہ روشن' گہرے اور جاندار دکھائی دینے لگے۔

عہد رسالتؐ میں جس دستور پر مملکت یا رسالت کی تشکیل ہوئی' خوش قسمتی سے اس کا اصل متن لفظ بہ لفظ اب تک محفوظ و دستیاب ہے۔ یہ ۵۲ دفعات پر مشتمل ہے اور اس میں عدل و احتساب کے متعلق صراحت کر دی گئی ہے کہ انصار کا ہر قبیلہ اجتماعی طور پر اپنے تمام افراد کے ناجائز افعال کے مکافات کا ذمہ دار ہے۔ انصاف متضرر کے ہاتھ میں نہ ہوگا' بلکہ پوری جماعت کا فریضہ سمجھا جائے گا اور اس میں کسی رشتہ داری یا قرابت کو دخل نہ ہوگا۔ ملاحظہ ہوں اس سلسلے کی دفعات:

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

۱۔ ھذا کتاب من محمد النبی (رسول اللّٰہ) بین المؤمنین والمسلمین من قریش و (اھل) یثرب ومن تبعھم فلحق بھم وجاھد معھم۔

۲۔ انھم امۃ واحدۃ من دون الناس

۳۔ المھاجرون من قریش علی ربعتھم۔ یتعاقلون بینھم وھم یقدون علیھم بالمعروف والقسط بین المؤمنین۔

٤۔ بنو عوف علی ربعتھم یتعاقلون معاقلھم الاولی۔ وکل طائفۃ تفدی عانیھا بالمعروف والقسط بین المؤمنین۔

٥۔ وبنو الحارث (بین الخروج) علی ربعتھم یتعاقلون معاقلھم الاولی۔ وکل طائفۃ تفدی عانیھا بالمعروف والقسط بین المؤمنین۔

٦۔ وبنو ساعدۃ علی ربعتھم یتعاقلون معاقلھم الاولی۔ وکل طائفۃ تفدی عانیھا بالمعروف والقسط بین المؤمنین۔

۷۔ وبنو جشم علی ربعتھم یتعاقلون معاقلھم الاولی۔ وکل طائفۃ تفدی عانیھا بالمعروف والقسط بین المؤمنین۔

۸۔ وبنو النجار علی ربعتھم یتعاقلون معاقلھم الاولی۔ وکل طائفۃ تفدی

عانیھا بالمعروف والقسط بین المومنین۔

۹۔ وبنو عمرو بن عوف علی ربعتھم یتعاقلون معاقلھم الاولی۔ وکل طائفة تفدی عانیھا بالمعروف والقسط بین المؤمنین۔

۱۰۔ وبنوالنبیت علی ربعتھم یتعاقلون معاقلھم الاولی۔ وکل طائفة تفدی عانیھا بالمعروف والقسط بین المؤمنین۔

۱۱۔ وبنو الاوس علی ربعتھکم یتعاقلون معاقلھم الاولی۔ وکل طائفة تفدی عانیھا بالمعروف والقسط بین المؤمنین۔

۱۲/الف۔ وان المؤمنین لایترکون مفرحابینھم ان یعطوہ بالمعروف فی فداء او عقل۔

۱۲/ب۔ وان لایخالف مومن مولی مومن دونہ❶

اس دستور کی رو سے الحسبہ کی ذمہ داری کسی ایک فرد پر نہیں ڈالی گئی تھی' بلکہ اسے اجتماعی اقدام قرار دیا گیا تھا۔ مقصود یہ تھا کہ تمام لوگ ایک دوسرے کی مذموم حرکات پر نظر رکھیں اور اصلاح معاشرہ میں پیش پیش رہیں۔ انصاف کے حصول کے لئے ضروری تھا کہ اس کے تقاضے بحسن وخوبی پورے کئے جائیں اور کسی فرد کو یہ شکوہ وشکایت نہ رہے کہ اس کے ساتھ ظلم یا ناانصافی کی گئی ہے نیز قرابت یا رشتہ داریوں کی بناء پر کئے جانے والے فیصلے کسی صورت میں قرین انصاف نہ سمجھے جاسکتے تھے' لہذا عدل وانصاف اور احتساب کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے عہد رسالتؐ کے اس اولین اسلامی دستور کی دفعات اصلاح معاشرہ کی ضامن تھیں۔ ان دفعات میں افراد کے ناجائز افعال کے مکافات کا ذکر الحسبہ کے اصطلاحی معانی پر عملدرآمد کی طرف ایک بلیغ اشارہ ہے۔ بعدازاں ۱۰ھ میں جبل الرحمۃ کے مقام پر رسول اللہ ﷺ کا خطبہ' جسے عالم اسلام کے ایک عظیم الشان منشور اساسی کی حیثیت حاصل ہے' عدل واحتساب کے لئے ایک اہم پروانہ اور عالمی انسانی حقوق کے لئے ایک بہت بڑی ضمانت تھا' جس میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے تین بنیادی حقوق ہیں: یعنی جان' مال اور آبرو' اور یہ قابل احترام ہیں' پس:

(الف) ''امانتیں اور قرض لوٹا دیئے جائیں۔

(ب) زمانہ جاہلیت کا سود ممنوع ہے اور سب سے پہلے میں (محمدؐ رسول اللہ) حضرت عباسؓ کا سود کالعدم قرار دیتا ہوں۔

---

❶ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور: ڈاکٹر محمد حمید اللہ' حیدرآباد دکن' ۱۹۴۳ء ص ۲۱

(ج) سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں'' ❶

عہد نبویؐ کے صیغہ جات

عہد نبویؐ میں نظم مملکت کے سلسلہ میں جو صیغہ جات قائم ہوئے' ان میں ایک قضاء ہے اور دوسرا الحسبہ۔ تاریخ اسلام میں الحسبہ کے اولین قیام کے متعلق مورخین کی مختلف آراء ہیں' لیکن اکثریت اس پر متفق ہے کہ اس اہم کام کی ضرورت کو آغاز اسلام ہی سے محسوس کرلیا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے قولاً اور عملاً اس کا اجراء فرمایا۔ اس اعتبار سے تاریخ اسلام کے اولین محتسب آپ ہی تھے۔

آنحضرت ﷺ کی بعثت کا حقیقی مقصد دعوت توحید اور تزکیہ نفس کے علاوہ اصلاح اخلاق تھا۔ باقی تمام امور ضمنی تھے اور صرف اس حد تک کہ مذکورہ بالا مقاصد کے حصول اور قیام امن میں معاون ثابت ہوں۔ اسلام دنیا میں شہنشاہیت کے بجائے جمہوری خلافت قائم کرنے کے لئے آیا تھا اور اپنے ہمراہ قانون اور انسانوں کی دنیوی واخروی فلاح کی ضامن ایک دائمی شریعت لایا تھا اور اس قانون اور شریعت کے تحفظ و بقاء نفاذ اور قیام کے لئے ایک نظام کی ضرورت تھی۔

رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس جملہ مذہبی وانتظامی امور کا مرجع تھی۔ تاہم آپ کے لئے تنہا اسلام کی عظیم الشان مذہبی ذمہ داریوں کو سرانجام دینا اور پھر انتظامی امور کا بھی متکفل ہونا' اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔ چنانچہ آپ نے محاصل کی وصولی' مقدمات کے فیصل' اصلاح احوال' تزکیہ اخلاق اور قیام عدل کے لئے مختلف مقام پر حکام وولاۃ مقرر فرمائے:

''باذانؓ بن ساسان کی تقرری والی یمن' شہرؓ بن باذان کی والی صنعاء اور ان کے بعد خالدؓ بن سعید بن العاص کی اسی شہر میں تقرری ہوئی۔ مہاجرؓ بن ابی امیہ مخزومی کو کندہ اور صدف کا والی بنایا گیا' مگر وہ روانگی سے قبل ہی وفات پا گئے۔ حضرموت کی ولایت زیادؓ بن لبید انصاری' جند کی معاذؓ بن جبل' نجران کی عمروؓ بن حزم' تیمار کی یزیدؓ بن ابی سفیان' مکہ مکرمہ کی عتابؓ بن اسید' ہمان کی عمروؓ بن العاص اور بحرین کی ولایت علاءؓ بن حضرمی کے سپرد ہوئی۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب کو متولی اخماس یمن بنایا گیا'' ❷

---

❶ کتب حدیث کے علاوہ سیرۃ ابن ہشام میں اس خطبہ کی تفصیل موجود ہے

❷ ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد' ص ۴۸۲

ہر حاکم محتسب

مذکورہ اکابر صحابہؓ میں سے ہر حاکم یا والی اپنی جگہ محتسب بھی تھا۔ کتب سیرت میں اگرچہ فوج' قوم کے اخلاق و عادات کی اصلاح' بیع و شراء اور معاملات اور دادرسی کے لئے کسی باقاعدہ محکمہ کی تاسیس کا ذکر نہیں ملتا' تاہم یہ امر یقینی ہے کہ اس کی بنیاد عہد نبویؐ میں رکھ دی گئی تھی۔ اکابر صحابہؓ کے علاوہ رسول اللہ ﷺ بہ نفس نفیس ان امور کی نگرانی فرماتے اور لوگوں کو جزئیات اخلاق کی تعلیم دیتے تھے۔ اس اعتبار سے آپ کی حیثیت محتسب اعلیٰ کی تھی۔

اہل سوق' محتسب اور سزا

معاملات اور اخلاق عامہ میں رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کی متعدد فروگزاشتوں پر مواخذہ فرمایا۔ تجارت اور لین دین کے متعلق آپ نے بہت سی اصلاحات جاری فرمائیں جن پر سختی سے عملدرآمد ہوا۔ احادیث میں ہے کہ جو لوگ تخمینہ سے زیادہ غلہ خریدنے لگے تھے' عہد رسالتؐ میں انہیں پابند کیا گیا کہ وہ اسے اپنے گھروں میں منتقل کرنے سے قبل خود اپنے ہاتھوں سے بیچ دیں۔ حضرت سالمؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے بیان فرمایا:

رایت الناس یضربون علی عهد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اذا اشتروا الطعام جزافان یبیعوه فی یووه الی رحالهم❶

میں نے عہد رسالت میں دیکھا کہ لوگ غلہ کے ڈھیر (بغیر وزن کے) خرید لیتے اور اسے اپنے ٹھکانوں پر لے جانے سے پہلے فروخت کر دیتے تو ان کو ضرب لگائی جاتی تھی۔

اس حدیث کے بارے میں سیوطی فرماتے ہیں کہ یہ اہل سوق پر محتسب مقرر کرنے کی اصل ہے اور اس سے یہ اجازت بھی مستنبط ہوتی ہے کہ اگر تاجر اپنے معاملات میں احکام شرعی کی خلاف ورزی کریں تو انہیں سزا بھی دی جا سکتی ہے❷ امام نووی کے نزدیک جہاں یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ ولی امر کو بیع فاسد کرنے والے شخص کو ضرب وغیرہ کی تعزیری سزا دینے کا اختیار حاصل ہے❸ وہاں اس امر کی طرف بھی بلیغ اشارہ ہے کہ عہد رسالتؐ میں الحسبہ کے متعلق امور طے پانے لگے تھے۔

---

❶ صحیح بخاری: امام بخاری' محولہ سابقہ' کتاب البیوع ❷ ایضاً: حوالہ بالا

❸ شرح مسلم للنووی: محولہ سابقہ' ص ۱۷۱ ج ۱۰

رسول اللہؐ بحیثیت محتسب اعلیٰ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ بغرض معائنہ بازار تشریف لے گئے۔ ایک جگہ گندم کا ڈھیر نظر آیا۔ آپ نے دست مبارک اس میں ڈالا تو کچھ نمی سی محسوس فرمائی۔ دکاندار سے جواب طلبی کی تو اس نے عذر پیش کیا کہ غلہ بارش سے بھیگ گیا تھا۔ تب آپؐ نے تنبیہہ کے طور پر استفسار فرمایا کہ اسے اوپر کیوں نہیں کرلیا؟ اس کے بعد فرمایا کہ جو شخص اس طرح کی ہیرا پھیری یا دھوکہ بازی کرے، وہ ہم میں سے نہیں ❶ ایک اور روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دھوکہ دے، وہ ہم میں سے نہیں ❷

ایک اور موقع پر رسول اللہ ﷺ بازار تشریف لے گئے تو کسی شخص کو ایک چیز تولتے ہوئے دیکھا اور ارشاد فرمایا: اتزن وارجع ❸ اچھی طرح اور جھکتا ہوا تولو۔ حضرت عبداللہؓ بن عمر کی ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ بعض اوقات صحابہ کرامؓ کو بھی بغرض احتساب بازار کی طرف بھیجا کرتے تھے ❹

عمال کا احتساب

عہد رسالتؐ کے احتساب کے متعلق احادیث میں متعدد واقعات ملتے ہیں۔ فرائض احتساب میں سب سے مقدم فرض چونکہ عمال کا احتساب ہے، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس طرف بطور خاص توجہ مبذول فرمائی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ عمال زکوٰۃ اور صدقہ وصول کر کے لاتے تو رسول کریمؐ بہ نفس نفیس جائزہ لیتے کہ اس کام میں کوئی ناجائز طریقہ تو اختیار نہیں کیا گیا۔ ایک مرتبہ ابن الیلتہؓ صدقہ وصول کر کے لائے اور کہا کہ مال کا یہ حصہ مسلمانوں کا ہے اور اس میں سے اتنا مجھے ملا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ گھر بیٹھے بیٹھے تمہیں یہ ہدیہ کیوں نہ مل سکا۔ اس کے بعد ایک عام خطبہ دیا، جس میں اس کی سخت ممانعت فرمائی ❺

ناانصافی کا ازالہ، فیصلے کی صورت میں

---

❶ صحیح مسلم: امام مسلم، محولہ سابقہ، کتاب الایمان ❷ ایضاً: حوالہ بالا

❸ سنن نسائی بشرح السیوطی: البیوع الرجحان فی الوزن ص ۲۸۴ ج ۷

❹ التراتیب الاداریۃ: محولہ سابقہ، ص ۲۵۸ ج ۱ ❺ صحیح بخاری: محولہ سابقہ، کتاب الاحکام، ص ۸۷۲

رسول اللہ ﷺ کے مبارک دور میں روحانیت کا غلبہ تھا اور صحابۂ کرامؓ کے درمیان تنازعات قریب قریب مفقود تھے اس لئے آپ کی خدمت میں بہت کم مقدمات پیش ہوتے۔ لوگ زیادہ تر آپ کے پاس احکام شرعیہ معلوم کرنے کے لئے حاضری دیتے۔ لیکن بعض واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کسی کے ساتھ ہونیوالی ناانصافی یا زیادتی کا ازالہ فیصلے کی صورت میں فرمایا۔ جیسا کہ الماوردی نے لکھا ہے کہ زبیرؓ بن عوام اور ایک انصاری کے درمیان زمین کی سیرابی پر جھگڑا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسق انت یا زبیر ثم الانصاری یعنی زبیرؓ پہلے تم سیراب کرو پھر انصاری۔ اس پر انصاری نے کہا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) بے شک وہ آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے۔ یہ بات آپ کو ناگوار گزری۔ آپؐ نے فرمایا: یا زبیر واجرہ علی بطنہ حتی یبلغ الماء الی الکعبین' اے زبیر پانی کو آنے دینا' یہاں تک کہ ٹخنوں تک آجائے' چاہے اس کے لئے تجھے اس کے پیٹ پر سے پانی گزارنا پڑے۔ اس کے بعد انصاری کو پانی دینا ❶ یہ الفاظ آپ نے تادیباً ارشاد فرمائے۔

اس طرح کے بعض اور واقعات بھی کتب حدیث وسیرت میں بکھرے ملتے ہیں۔ عبدالحی الکتانی نے تصریح کی ہے کہ اسلامی مملکت جب مدینہ سے باہر تک پھیل گئی تو عمل احتساب کے لئے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اس عہدہ پر مستقل تقرریاں عمل میں لائی گئیں۔ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ کو مدینہ منورہ اور حضرت سعید بن العاصؓ کو مکہ مکرمہ کا محتسب مقرر کیا گیا ❷

❶ الاحکام السلطانیۃ: محولہ سابقہ' ص ۷۳ ❷ التراتیب الاداریۃ: ص ۲۸۷ ج ۱

فصل سوم

خلافتِ راشدہ کا نظامِ احتساب

قرن اول میں تدین اور انصاف پسندی کا دور دورہ تھا' اس لئے الحسبہ کی بہت کم ضرورت پیش آتی رہی۔ اکھڑ مزاج اعرابی تک وعظ و سرزنش سے متاثر ہو کر ظلم و زیادتی سے باز آ جاتے تھے۔ ہر کوئی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے آگاہ تھا۔ عہد نبویؐ کے بعد جو تھوڑے بہت تنازعات اٹھتے' خلفائے راشدین کے دور میں عمل احتساب سے فوراً نپٹا دیئے جاتے۔

عہد صدیقی (۱۱ھ۔۱۳ھ)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا دو سالہ مختصر دور خلافت شدید قسم کے ہنگامی حالات سے دوچار رہا۔ جنگیں' بغاوتیں اور شورشیں اس عہد کا عنوان ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں فرو کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ ساتھ ہی آپؓ نے عہد نبویؐ سے جاری کسی کام یا نظام میں تبدیلی کی ضرورت محسوس فرمائی نہ ان سے سرمو تجاوز کیا۔ دراصل پہلے سے قائم شدہ نظام کو بدلنے کی کوئی خاص ضرورت بھی نہ تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ تمام اہم امور اکابر صحابہؓ کے مشورے سے انجام دیتے تھے۔ ابن سعد کے بقول:

> ''اگر کوئی معاملہ پیش آ جاتا تو حضرت ابوبکرؓ اہل الرائے اور فقہاء صحابہ سے مشورہ کرتے اور مہاجرین و انصار میں سے چند ممتاز صحابہ حضرت عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، معاذؓ بن جبل، ابیؓ بن کعب اور زیدؓ بن ثابت کی مجلس مشاورت بلا لیتے'' ❶

جزیرۃ العرب کی اس وقت تک حدود کے اعتبار سے کوئی خاص تقسیم نہ تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انتظامی سہولت کے خیال سے اسلامی ریاست کو مکہ مکرمہ' مدینہ منورہ' طائف' صنعاء' نجران' حضرموت' بحرین اور دومۃ الجندل کے مختلف صوبوں میں تقسیم کر دیا اور متعلقہ احکام کے انتخاب میں غایت درجہ احتیاط فرمائی۔ حکومت کے عہدوں کے لئے ان ہی بزرگ صحابہؓ کا انتخاب کیا جو بارگاہ رسالتؐ کے تربیت یافتہ تھے۔ عتابؓ بن اسید کو مکہ' عثمانؓ بن ابی العاص کو طائف' مہاجرؓ بن ابی امیہ کو صنعاء اور زیادؓ بن لبید کو زبید کا حاکم بنایا گیا۔ نیز عہد نبویؐ کے حکام و ولاۃ کو بھی ان کے

❶ طبقات ابن سعد: محولہ سابقہ' ص ۱۰۹ ج ۲

عہدوں پر رہنے دیا۔ نئے حکام کی تقرری کے وقت انہیں نصیحت کی گئی کہ:

''جو خدا سے ڈرتا ہے' خدا اس کے گناہ کم اور اجر دوبالا کر دیتا ہے۔ بے شک بندگان خدا کی خیر خواہی بہترین تقویٰ ہے اور تم خدا کی ایسی راہ میں ہو' جس میں افراط و تفریط اور ایسی چیزوں سے غفلت کی گنجائش نہیں' جس میں مذہب کے استحکام اور مملکت کی حفاظت مضمر ہے۔ اس لئے سستی و تغافل کو راہ نہ دینا'' ❶

عہد صدیقی کا ہر حاکم اور والی اپنی جگہ محتسب تھا۔ عہد رسالت کے نظام حکومت کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے چونکہ جوں کا توں بحال رکھا' اس لئے یہ امر یقینی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے محتسب ہی اپنے مفوضہ فرائض کے ساتھ عہد صدیقی میں بھی بجنسہ وعلیٰ حالہ باقی و قائم رہے۔ خود حضرت ابوبکر صدیقؓ کا سارا وقت مسلمانوں کی اصلاح و فلاح کی تدابیر میں گزرتا اور اس میں معاملات کی چھان بین اور اخلاق عامہ یعنی الحسبہ کے متعلق امور شامل تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں حدیث تو کیا' باقاعدہ جمع القرآن کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوئی تھی' اس کے باوجود آپ نے بلا تاخیر قرآن و حدیث کے احکام نافذ فرمائے اور کوئی خاص قانون یا ضابطہ بنانے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ کہیں مشکل اگر پیش آتی تو صحابہ کو جمع فرما کر استفسار فرماتے کہ اس معاملے میں کسی کو کوئی حدیث یاد ہے؟ حضرت عمرؓ کو باقاعدہ آپ نے قاضی مقرر فرمایا' مگر ایک سال تک کسی مقدمہ کی نوبت نہ آسکی۔ اسی لحاظ سے لوگوں کا معیار اخلاق میں بہتر اور بلند تھا۔ لوگوں کے حقوق و فرائض کی ذمہ داری حاکم ہی پر عائد تھی اور اس بارے میں حضرت ابوبکرؓ کا نظریہ تھا کہ:

''جو ایسا حاکم مقرر کرے کہ وہ رعایا کے حقوق کی حفاظت نہ کر سکے تو ایسے مقتدر اعلیٰ پر خدا کی لعنت ہے۔ اللہ اس کو جہنم میں جھونک دے گا' چاہے وہ فرائض و نوافل ادا کرتا ہو'' ❷

عہد فاروقی (۱۳ھ۔۲۴ھ)

الحسبہ کے بارے میں حضرت عمر فاروقؓ کا موقف یہ تھا کہ ظلم ہونے سے پہلے پیش بندی کر لی جائے۔ اس کے لئے ایک طرف تو آپؓ نے حکام کی تنخواہوں میں اضافہ کیا' دوسری طرف

❶ تاریخ طبری: محولہ سابقہ' ص ۲۰۸۳ ج ۴ ❷ تاریخ الخلفاء: محولہ سابقہ' ص ۸۹

انہیں سادہ زندگی اختیار کرنے کی تلقین کی اور ان کو اس کا پابند بنایا:

''روزانہ پیش آنیوالے مسائل کا فیصلہ کرنے کیلئے اہل الرائے صحابہ کی ایک مجلس شوریٰ موجود تھی جس کے ارکان میں حضرت علیؓ، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، معاذؓ، بن جبل، ابیؓ بن کعب اور زیدؓ بن ثابت شامل تھے'' ❶

حضرت عمر فاروقؓ مسند خلافت پر رونق افروز ہوئے' تو نظم مملکت قدرے مختصر تھے۔ آپ کے دور میں اس نظام میں نہایت وسعت پیدا ہوئی۔ چنانچہ انتظامی ضرورتوں کے پیش نظر آپ نے تمام مفتوحہ ممالک کو آٹھ بڑے صوبوں مکہ' مدینہ' شام' جزیرہ' بصرہ' کوفہ' مصر اور فلسطین میں تقسیم کر دیا۔ مشرق میں خراسان' آذربائیجان اور فارس کے تین صوبے ان کے علاوہ تھے۔ طبری کا بیان ہے کہ ہر صوبہ میں حاکم اعلیٰ' میر منشی' دفتر فوج کا منشی' کلکٹر' افسر پولیس' خزانچی اور قاضی ہوتے تھے۔ بعض حالات میں سپہ سالار بھی الگ ہوتا تھا۔ اضلاع میں صرف کلکٹر' افسر خزانہ اور قاضی ہوتے تھے ❷

عمال و حکام کے انتخاب سے زیادہ دشوار مرحلہ ان کے اختیارات اور ان کے احتساب کا ہے۔ اس باب میں حضرت عمر فاروقؓ کا اصول تھا کہ ہر عامل کو تقرری کے وقت ایک پروانہ عنایت فرماتے' جس میں اس کے اختیارات کی تصریح ہوتی تھی۔ عامل اپنے صوبے میں جاتا تو وہاں کی جامع مسجد میں یہ پروانہ اجتماع عام میں پڑھ کر سنایا جاتا تھا ❸ اس میں اس بات کی صراحت ہوتی تھی کہ عامل اپنے حدود سے تجاوز نہیں کر پائے گا اور حقوق اللہ' اور حقوق العباد اور مشترکہ حقوق کی پاسداری کرے گا۔

شاہ ولی اللہ کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ جب کسی کو عامل بناتے' اس پر چار شرائط لازم کرتے تھے ❹ اور یہ وہی شرائط ہیں' جن کا ذکر امام ابو یوسف نے کیا ہے' یعنی: ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہونا' باریک کپڑے پہننا نہ عمدہ کھانا تناول کرنا اور:

''اہل حاجت کیلئے اپنا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھنا۔ خبردار کوئی دربان نہ ہو'' ❺

سیوطی نے یہاں تک لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کو اگر پتا چل جاتا کہ کسی عامل نے مریض کی عیادت نہیں کی اور کمزور آدمی اس تک رسائی نہیں پا سکا تو آپ اسے اس کے عہدہ سے الگ کر دیتے ❻

---

❶ کنز العمال: محولہ سابقہ' ص ۱۳۴ ج ۳ ❷ تاریخ طبری: محولہ سابقہ' ص ۲۴۷ ج ۴ ❸ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۲۴۷ ج ۴
❹ ازالۃ الخفاء: محولہ سابقہ' ص ۲۵۲ ج ۳ ❺ کتاب الخراج: ص ۶۶ ❻ ازالۃ الخفاء: محولہ سابقہ' ص ۲۱۴ ج ۳

عہد فاروقی کے آغاز میں بعض انتظامی دشواریوں کے باعث انتظامی اور عدالتی صیغہ جات ایک رہے، لیکن جب نظام حکومت میں توسیع ہوئی تو قضاء کا محکمہ مستقل کر دیا گیا۔ تمام اضلاع میں قاضیوں کی عدالتیں قائم ہوئیں۔ قاضیوں کی تقرریاں عمل میں لائی گئیں اور قضاء کے اصول و آئین پر الگ سے فرمان جاری ہوا، جس میں تلقین کی گئی کہ کمزور انصاف سے مایوس نہ ہو ❶ الحسبہ کو قضاء کے ماتحت رکھا گیا اور قضاء کے انتخاب میں ایسے لوگوں کی تقرریاں کی گئیں جو علم، تقویٰ، دیانت، ذہانت اور قوت فیصلہ میں مشہور تھے۔ مثلاً زیدؓ بن ثابت کو مدینہ اور عبداللہؓ بن مسعود کو کوفہ کا قاضی و محتسب بنایا گیا۔ ان کے علاوہ قاضی شریح، جمیل بن العمر، ابو مریم الحنفی، سلمان بن ربیعہ الباہلی، عبدالرحمٰن بن ربیعہ، ابو قرہ الکندی اور عمران بن الحصین عہد فاروقی کے مشہور قاضی و محتسب تھے۔ ابن عبدالبر کی تصریح کے مطابق حضرت عمرؓ کو شاید اس بات کا احساس تھا کہ آپ اپنی بے پناہ مصروفیات کے باعث عمل احتساب پر زیادہ توجہ نہیں دے سکیں گے، اس لئے آپ نے عبداللہؓ بن عتبہ بن مسعود الہذلی کو مدینہ اور حضرت سائب بن یزید کو نائب محتسب مقرر فرمایا ❷

یہ تصریح بھی ملتی ہے کہ فوجداری مقدمات کے لئے حضرت عمرؓ نے الگ کوئی جدا محکمہ قائم نہیں کیا۔ زنا اور سرقہ ایسے مقدمات تو قضاۃ ہی کے ہاں فیصل ہوتے تھے، البتہ ابتدائی قسم کی تمام کارروائی پولیس کرتی تھی:

"پولیس کا صیغہ عہد فاروقی میں مستقل طور پر قائم ہوا اور اس وقت اس کا نام احداث تھا" ❸

افسران پولیس کو صاحب الاحداث کہتے تھے۔ بحرین میں یہ عہدہ قدامہ بن مظعون اور حضرت ابو ہریرہؓ کے سپرد رہا۔ شبلی نعمانی کی تحقیق کے مطابق حضرت عمرؓ نے:

"قدامہ کو تحصیل مالگزاری کی خدمت دی اور حضرت ابو ہریرہؓ کو تصریح کے ساتھ پولیس کے اختیارات دیئے۔ احتساب کے متعلق جو کام ہیں۔ مثلاً دکاندار ترازو میں دھوکہ نہ دینے پائیں۔ کوئی شخص سڑک پر مکان نہ بنائے۔ جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لادا جائے۔ شراب اعلانیہ نہ بکنے پائے وغیرہ وغیرہ، ان تمام امور کا کافی انتظام تھا اور اس کے لئے ہر جگہ اہل کار افسر مقرر تھے" ❹

---

❶ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو عبدالحق شیرازی کی طبقات الفقہاء، ص ۲۴۷ ❷ الاستیعاب: محولہ سابقہ، ص ۵۷۶ ج ۲
❸ حسن المحاضرۃ: محولہ سابقہ، ص ۱ ج ۲ ❹ الفاروق: محولہ سابقہ، ص ۲۲۷

یہ تمام امور چونکہ محتسب کے دائرہ اختیار میں آتے ہیں' اس لئے بعض مورخین کی رائے میں حضرت عمرؓ ہی نے باقاعدہ احتساب کا مستقل صیغہ قائم کیا۔ بعض کی رائے میں یہ خدمت بھی صاحب الاحداث کے متعلق تھی۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے بازار کی نگرانی کے لئے عبداللہؓ بن عتبہ کو مقرر فرمایا❶ اور صاحب کنز العمال' کے بقول: حضرت عمرؓ کے دور میں جیل خانے کی ایجاد عہدہ احتساب کا ماخذ ہے❷

الماوردی اور قاضی ابویعلی کے بیان کے مطابق حضرت عمرؓ نے جابجا محتسب مقرر فرمائے۔ مشہور صحابی محمدؓ بن مسلمہ انصاری کو بن کی حیثیت عہد نبویؐ میں انسپکٹر جنرل پولیس کی تھی' عہد فاروقی میں ادارہ نظر فی المظالم (احتساب) کا سربراہ بنایا گیا۔ مختلف صوبوں اور علاقوں کے دورے اور صوبائی و ضلعی محتسبوں کی نگرانی کے علاوہ حضرت عمرؓ خود بھی احتساب کا فریضہ انجام دیا کرتے تھے۔ ادارہ مظالم کی ذمہ داریاں انہیں تفویض تھیں❸

اخلاق عامہ اور اسلامی اقدار کی ترویج کے لئے حضرت عمرؓ نے متعدد اقدامات کئے اور خود بھی محتسب کا فریضہ انجام دیا۔ سعدؓ بن ابی وقاص ایسے عظیم صحابی کے مکان کا دروازہ بازار کی طرف کھلتا تھا' جس میں ہر وقت آوازیں آتی رہتی تھیں۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے وہ دروازہ بند کرادیا۔ حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو آپ نے آدمی بھیج کر وہ دروازہ جلوادیا❹ کہ لوگوں کو فریاد کے لئے کسی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اسی طرح گورنر مصر عمروؓ بن العاص کے بیٹے نے ایک قبطی کو محض اس بناء پر کوڑے مارے کہ وہ گھڑ دوڑ میں اس سے آگے نکل گیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے تینوں کو مدینہ طلب کیا اور قصاص میں قبطی سے عمروؓ بن العاص کے بیٹے کو کوڑے لگوائے' پھر فرمایا کہ ایک کوڑا گورنر کے سر پر بھی مارو۔ قبطی اس پر راضی نہ ہوا اور کہا کہ میرا ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ تب حضرت عمرؓ، عمروؓ بن العاص سے مخاطب ہوئے کہ تم نے کب سے لوگوں کو غلام سمجھ لیا ہے' ان کی ماؤں نے تو انہیں آزاد جنا تھا۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے عرض کی کہ مجھے اس زیادتی کا علم نہیں ہوسکا اور نہ ہی قبطی نے مجھ سے شکایت کی❺

یہ تمام واقعات احتساب سے متعلق ہیں اور ان سے واضح ہوتا ہے کہ عہد فاروقی میں حکام و ولاۃ پر از خود یہ ذمہ داری عائد تھی کہ وہ عدل و انصاف اور اخلاق عامہ کے تقاضوں کو پورا کرنے

❶ طبقات ابن سعد: ص ۱۱۰ ج ۲ ❷ کنز العمال: محولہ سابقہ' ص ۷۶ ج ۳
❸ تمام مستند اول کتب سیر میں تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔ ❹ ایضاً: ❺ ایضاً:

کے لئے حالات پر نظر رکھیں۔ حکام اگر تساہل سے کام لیتے تھے یا انہیں کسی کے ساتھ ہونے والی ناانصافی کا علم نہیں ہوتا تھا' تو سائل کو خلیفہ سے براہ راست شکایت کا حق حاصل تھا۔ ایک بار حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ عمروؓ بن العاص نے مسجد میں توسیع کی خاطر ایک غیر مسلم بڑھیا کا مکان اس کی رضامندی کے بغیر بھاری قیمت پر خرید کر استعمال کر لیا ہے۔ آپ نے حکم دیا کہ مسجد کا وہ حصہ گرا کر بڑھیا کا مکان تعمیر کر کے اسے واپس کر دیا جائے ❶

حضرت عمرؓ راتوں کو محتسب بن کر مدینہ منورہ کا گشت لگایا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کی سیرت کا یہ گوشہ زبان زد خاص و عام ہے کہ آپ کے ہاتھ میں درہ ❷ ہوتا اور آپ شارع عام اور بازاروں میں گشت لگاتے اور کسی کا کھوٹ کرنا یا ملاوٹ کرنا محقق ہو جاتا تو بلا حفظ مراتب اس کی دادگیری کرتے اور سزا دیتے۔ ایک مرتبہ آپ نے ایک عورت کو اپنے گھر میں شوہر کے فراق میں شعر گنگناتے سنا۔ اس کے بعد آپ نے تمام حکام کو یہ فرمان جاری کیا کہ کسی فوجی کو چار ماہ سے زیادہ دارالحرب یا میدان کارزار میں نہ روکا جائے ❸

عہد فاروقی میں اخلاق عامہ کی خاطر شعراء پر یہ پابندی عائد کی گئی کہ وہ خواتین کا نام لے کر تشبیبی اشعار نظم نہ کیا کریں۔ مشہور شاعر حطیئہ کو اس بات پر سزا دی گئی کہ وہ لوگوں کی ہجو کرنے میں نہایت مبالغہ آرائی سے کام لیتا ہے۔ شبلی کا بیان ہے کہ زبرقان بن بدر نے حطیئہ کے ہجو لکھنے پر حضرت عمرؓ سے اس کی شکایت کی۔ زبرقان نے یہ موقف اختیار کیا کہ شعر و شاعری نہایت لطیف و نازک مضمون ہے' اس کے اسالیب' اشارے' کنایے اور استعارے سمجھنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ اگرچہ حضرت عمرؓ خود شعر و شاعری کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے' اس کے باوجود آپ نے زیر شکایت ہجو کے بارے میں عرب کے مسلم الثبوت شاعر حضرت حسانؓ بن ثابت سے ماہرانہ رائے طلب کی اور پھر حطیئہ کے لئے سزائے قید کا حکم جاری کیا ❹

الحسبہ سے متعلق متعدد واضح مثالیں بھی عہد فاروقی میں ملتی ہیں' جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ خود بحیثیت محتسب اعلیٰ فوری کارروائی فرماتے تھے۔ ایک بار کوئی شخص دودھ میں پانی ملا کر فروخت کر رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کا سارا دودھ ضبط کر کے زمین پر بہا دیا ❺ مدینہ کے دو مشہور نوجوانوں نصر بن الحجاج اور ابوذئب کے حسن و جمال اور مردانہ وجاہت کے چرچے بعض

---

❶ ایضاً: ❷ درہ اس زمانے میں عام طور پر گائے یا اونٹ کے چمڑے کا بناتے تھے جس میں کھجور کی گٹھلیاں بھری ہوتی تھیں

❸ ازالۃ الخفاء: شاہ ولی اللہ' محولہ سابقہ' ص ۲۱۵ ج ۲ ❹ الفاروق: محولہ سابقہ' ص ۳۶۸

❺ الحسبۃ فی الاسلام: محولہ سابقہ' ص ۴۳

خواتین کی زبانوں پر ہونے لگے۔ حضرت عمرؓ کو علم ہوا تو آپ نے ان دونوں کی شہر بدری کا حکم صادر فرمایا❶ ایک شخص نے سرکاری مہر کا جعلی ثنی تیار کر کے اس کی مدد سے ایک فرضی حکمنامہ لکھ کر بیت المال سے کچھ رقم خرد برد کر لی۔ حضرت عمرؓ نے مسلسل تین دن تک اسے روزانہ سو سو کوڑے لگوائے❷ ایک بار صبیغ بن عسل نے دین میں بعض بدعات نکالنے کی جسارت کی تو آپ نے اسے اپنی طاقت سے بڑھ کر مارا❸

عمل احتساب میں حضرت عمر فاروقؓ کے نزدیک ادنیٰ و اعلیٰ اور خویش و بیگانہ سب برابر تھے۔ کوئی شخص اخلاقی جرم کی پاداش میں سزائے احتساب سے بچ نہیں سکتا تھا۔ ارکان حکومت تک کو علی الاعلان سزا دی جاتی تھی۔ مشہور واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے کو شراب پینے کے جرم میں اپنے دست مبارک سے اسّی کوڑے مارے، جس کے صدمے سے اس کا انتقال ہو گیا❹ قدامہؓ بن مظعون کو بھی جو آپ کے سالے اور معزز صحابی تھے، اسی جرم میں اسّی کوڑے لگوائے گئے❺

عہد عثمانی (۲۴ھ۔۳۵ھ)

حضرت عثمانؓ نے عہد فاروقی کے نظام حکومت کو علیٰ صورتہ قائم رکھا، البتہ انتظامی ضروریات اور حالات کے مطابق اس میں بعض ناگزیر تبدیلیاں کیں اور جن جن صیغوں میں گنجائش تھی، انہیں ترقی سے ہمکنار کیا۔ آپ کی حیثیت بھی محتسب اعلیٰ کی تھی اور آپ عمال کے اعمال و احتساب پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ رعایا کے حالات کی ہر وقت آپ کو خبر رہتی تھی۔ حج کے موقع پر تمام عمال کو جمع کرتے اور جس عامل کے خلاف شکایت پیش ہوتی، اس کی تحقیقات کر کے فوری طور پر ازالہ فرماتے۔ خود فرماتے ہیں کہ:

> ''مجھے معلوم ہے کہ بعض عمال بے وجہ لوگوں پر زیادتی کرتے ہیں، اس لئے اعلان عام ہے کہ کسی کو مجھ سے یا میرے کسی عامل سے کوئی شکایت ہو تو وہ حج کے موقع پر بیان کرے۔ میں کامل تدارک کر کے مظلوم کو اس کا حق دلاؤں گا''❻

---

❶ الفاروق: محولہ سابقہ، ص ۲۶۸ ج ۲ ❷ الحسبۃ فی الاسلام: محولہ سابقہ، ص ۳۹ ❸ ایضاً: حوالہ بالا

❹ سیرت ابن عمر بن الخطاب ص ۲۳۶ میں اس واقعہ کا ذکر تو کیا ہے لیکن تصریح کر دی ہے کہ صحیح نہیں۔ اس کے انکار کے برعکس یہ واقعہ اور بہت سی کتب میں بھی مذکور ہے

❺ طبقات ابن سعد: ابن سعد، محولہ سابقہ، ص ۲۳۸ ج ۳

❻ اسلام کا نظام امن: ظفیر الدین مفتاحی اعظم گڑھ (س۔ن) ص ۱۰۳

عمل احتساب ہی کے سلسلہ میں ۲۹ھ میں ابوموسیٰ اشعریؓ کو بصرہ کی حکومت سے معزول کیا گیا۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ ایک بار ابوموسیٰ اشعریؓ کی سواری میں ایک عمدہ ترکی گھوڑا تھا اور چالیس خچران کا سامان لئے جارہے تھے کہ ایک شخص نے بڑھ کران کی باگ پکڑلی۔ سوال کیا کہ اے ابوموسیٰ! قول وفعل میں اتنا تضاد؟ آپ ہمیں تو پیدل چلنے کا ثواب حاصل کرنے کی تلقین فرماتے ہیں اور خود عمدہ ترکی گوڑے پر سواری کرتے ہیں؟ ابوموسیٰ کو اس پر غصہ آ گیا' انہوں نے باگ پکڑنے والے کو ایک کوڑا دے مارا۔ لوگ شکایت لے کر حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچے۔ آپ نے ابوموسیٰ کو فوراً معزول کر کے ان کی جگہ عبداللہؓ بن عامر کو بصرہ کا والی بنادیا❶

عہد عثمانی میں گو دور فاروقی جیسا سخت احتساب نہیں رہا تھا' تاہم جہاں بدعنوانی نظر آتی' اسے نظر انداز نہ کیا جاتا۔ حضرت عثمانؓ، اصول اسلام' اخلاق عامہ یا حکومت کے نظام پر اثر انداز ہونے والی کسی حرکت کو برداشت کرنے کے حق میں نہ تھے۔ ان کے نزدیک والی کا احتساب' رعایا کے احتساب پر مقدم تھا۔ ولید بن عقبہ کو شراب نوشی کے جرم میں آپ نے ۳۰ھ میں کوفہ کی ولایت سے برطرف کیا۔ ان کی جگہ سعیدؓ بن العاص کی تقرری عمل میں لائی گئی' لیکن جب لوگوں نے ان کی بھی شکایات کیں تو انہیں بھی سبکدوش کردیا گیا۔ سعدؓ بن ابی وقاص عہد عثمانی میں محض اس بناء پر کہ بیت المال کا قرض ادا نہ کرسکے تھے' احتساب کی گرفت میں آئے اور انہیں اپنے عہدہ سے معزول ہونا پڑا۔

عہد مرتضوی (۳۵ھ۔۴۰ھ)

بعض مورخین کے نزدیک عثمانی دور میں کچھ بدعنوانیاں راہ پاگئی تھیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے انہیں دور کر کے عہد فاروقی کے نظم ونسق کو علیٰ حالہ بحال کرنے کی حتی المقدور سعی کی۔ صوبوں کی تقسیم وہی رکھی' البتہ عمال تبدیل کردیئے اور سب سے زیادہ توجہ عمال کے اخلاق کی نگرانی پر دی۔ عمال کو وقتاً فوقتاً قیام عدل اور رعایا کے ساتھ لطف وشفقت اور ان کے اخلاق کی بہتری کے احکام بھیجتے رہتے تھے اور ہمیشہ ہدایت فرمائی کہ خبردار کوئی شخص کسی کے ساتھ زیادتی کا مرتکب نہ ہو اور اخلاق عامہ کا پاس کرے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ خود خلیفہ ہی نہیں' محتسب اعلیٰ کی حیثیت سے عمال کے اعمال وافعال کا احتساب بھی فرماتے تھے:

❶ الکامل فی التاریخ: محولہ سابقہ' ص ۳۷ ج ۳

''منذر بن جارود والی اصطخر کے متعلق جب حضرت علیؓ کو معلوم ہوا کہ رعایا کی فوز و فلاح کی بجائے زیادہ تر وقت سیر و شکار میں گزارتے ہیں، تو انہیں طلب کیا، فرائض منصبی میں غفلت برتنے کی تحقیقات کرائی اور اس کے بعد انہیں معزول کر دیا'' ❶

ایک اور عامل کے متعلق شکایت ملنے پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسے لکھا کہ:

''تم عیش و تنعم کی زندگی بسر کرتے ہو۔ بخورات اور روغنیات کا زیادہ استعمال کرتے ہو، تمہارے دسترخوان پر الوان نعمت ہوتے ہیں۔ منبر پر تم صدیقین کا وعظ کہتے ہو اور حکومت میں تمہارا اہل اباحت کا عمل ہے۔ پس گناہوں سے توبہ کر کے اپنے نفس کی اصلاح کرو اور خدا کے حقوق ادا کرو'' ❷

❶ تاریخ یعقوبی: احمد بن ابی یعقوب ابن واضح یعقوبی، بیروت (م۔ن) ۱۳۷۹ھ ص ۲۴۰ ج ۲ ❷ ایضاً: حوالہ بالا

فصل چہارم

عہدِ اموی کا نظامِ احتساب

خلافت راشدہ کے بعد اموی دور کا آغاز ہوا۔ اس دوران بھی عدل وانصاف اور الحسبہ کے تقاضے پورے کرنے کی کوششیں کی جاتی رہیں۔ سلطنت امویہ کے بانی امیر معاویہؓ نے صوبوں کی تقسیم اور ان کا وہی نظام قائم رکھا' جو عہد فاروقی میں تھا۔ مغرب کے نئے مفتوحہ علاقے مصر اور مشرقی خراسان کے ماتحت کر دیئے گئے اور باقی نظام میں کوئی خاص تغیر رونما نہیں ہونے دیا۔

امیر معاویہؓ (۴۱ھ۔۶۰ھ)

حضرت امیر معاویہؓ کی حکومت شخصی تھی۔ اس میں خلافت راشدہ کی طرح مہاجرین و انصار کی مجلس شوریٰ تو نہ تھی' تاہم عرب کے اکثر نامور مدبر اس میں شامل تھے۔ عمروؓ بن العاص' مغیرہؓ بن شعبہ اور زیاد بن ابی سفیان کے اسمائے گرامی اس سلسلے میں سرفہرست ملتے ہیں۔ صیغہ پولیس کو امیر معاویہؓ نے بطور خاص ترقی دی۔ امن وامان کا یہ حال تھا کہ کوئی راہ گیر راستے میں گری پڑی شئے کو اٹھانے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ رات کو عورتیں اپنے گھروں میں تنہا دروازے کھول کر سوتی تھیں۔ والی عراق زیاد کا دعویٰ تھا کہ کوفہ سے خراسان تک اگر کسی کا ایک ٹکڑا ضائع ہو جائے تو مجھے پتا چل جاتا ہے کہ کس نے لیا ہے۔

محتسب کی ذمہ داریاں امیر معاویہؓ خود ادا کرتے تھے۔ عدل وانصاف کے قیام اور رعایا کی دادرسی کا انہیں اس قدر احساس تھا کہ بقول المسعودی:

> ''دربار میں آنے سے پہلے روزانہ مسجد میں جا کر رعایا کی تکالیف وشکایات سنتے۔ کمزور' ناتواں' دیہاتی عورتوں' بچوں اور لاوارث' ہر طبقہ کے لوگوں کو آزادی حاصل تھی کہ وہ ان کے سامنے پیش ہو کر بلاخوف وخطر اپنی شکائتیں پیش کر سکتے ہیں۔ امیر معاویہؓ فی الفور ان کی شکایات کا ازالہ فرماتے۔ اس کے بعد دربار میں تشریف لے جاتے اور اشراف کو باریاب کرتے ہوئے کہتے کہ تم لوگ اشراف اس لئے ہو کہ تمہیں کم مرتبہ لوگوں پر یعنی جو دربار تک رسائی نہیں پا سکتے' شرف وبرتری حاصل ہے' لہذا تمہیں چاہئے کہ جو لوگ میرے پاس نہیں پہنچ سکتے ان کی ضروریات مجھ سے بیان کیا کرو'' [1]

---

[1] مروج الذہب: ابوالحسن علی بن الحسین المسعودی' قاہرہ (م۔ن) ۱۳۴۶ھ ص ۴۲۳ ج ۴

حضرت امیر معاویہؓ اصلاح احوال' اخلاق عامہ اور امن وامان پر گہری نظر رکھتے تھے۔ ان کا حکم تھا کہ دمشق کے تمام مخرب الاخلاق لوگوں کے نام کی فہرست تیار کی جائے۔ زیاد نے جعد بن قیس کو ایسے ہی افراد کی نگرانی پر مامور کر رکھا تھا۔

ایک شخصی حکمران ہونے کے باوجود امیر معاویہؓ کو احساس تھا کہ انہیں امت کے ایک خادم کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریاں ادا کرنی ہیں۔ چنانچہ ایک بار ابو مسلم خولانی نے انہیں السلام علیکم ایھا الاجیر یعنی اے ملازم السلام علیکم کہہ کر خطاب کیا' تو آپ نے فرمایا کہ تم نے ٹھیک ہی کہا ہے۔

امیر معاویہؓ کے بعد عنان حکومت یزید نے سنبھالی۔ اس کے دور میں سیاسی مظالم ہوئے اور نظم حکومت درہم برہم رہا' لہذا اس کے دور میں عدل واحتساب کی مثالیں شاذ ہی ملتی ہیں۔

عبدالملک (۶۵ھ۔۸۷ھ)

اموی حکمران عبدالملک کے دور کی سیاسی چپقلش سے قطع نظر دیوان مظالم برقرار رہا۔ مسلمانوں نے بڑی بڑی فتوحات کیں۔ بلاذری کا بیان ہے کہ سندھ پر حملے کی وجہ ایک مظلوم عورت کی فریاد تھی۔ محمد بن قاسم نے سندھ میں عدل واحتساب کی ان گنت مثالیں قائم کیں۔ یہاں تک کہ اس کی موت کی خبر سن کر ہندو اس کی یاد میں اس کا بت بنا کر پوجنے لگے ❶

سلطنت کے حالات پر عبدالملک کی گہری نظر رہتی تھی۔ ایک عام عورت تک کو اس کے دربار میں رسائی پانے کا اختیار تھا۔ سیوطی نے لکھا ہے کہ اس زمانے میں ایک عورت کو بھائی کے ورثہ میں سے فقط ایک دینار ملا' تو اس نے خلیفہ سے براہ راست شکایت کی کہ چھ سو دینار نقد ترکہ میں سے اسے صرف ایک دینار ہی کیوں ملا ہے؟ عبدالملک نے امام شعبی کو بلایا اور مسئلہ دریافت کیا۔ امام شعبی نے تفصیل بتائی کہ متوفی کی دو بیٹیوں کے دو ثلث یعنی چار سو دینار' والدہ کا چھٹا حصہ گویا ایک سو دینار' بیوی کا آٹھواں حصہ' پچھتر اشرفیاں اور بھائیوں کا حصہ چوبیس دینار' کل ۵ سو ۹۹ دینار ہوئے۔ باقی ایک دینار بچا' سو وہ متوفی کی اس بہن کا ہے ❷ خلیفہ عبدالملک نے یہ ساری تفصیل جاننے کے بعد سائلہ کو مطمئن کر دیا۔ الغرض محتسب کا فرض خود ادا کیا کہ کہیں کسی سے ناانصافی تو نہیں ہو رہی یا کسی پر زیادتی تو نہیں کی جا رہی۔

---

❶ فتوح البلدان: احمد بن یحیی البلاذری' قاہرہ (م۔ن) ۱۳۵۰ھ تذکرہ فتح سندھ' ص ۸۷۲

❷ تاریخ الخلفاء: سیوطی' محولہ سابقہ' ص ۲۲۱

خلیفہ عبدالملک کے زمانے میں قاضی، محتسب کی ذمہ داریاں بھی ادا کرتا تھا اور اس صورت میں کوئی بڑے سے بڑا عہدیدار ہی کیوں نہ ہو، مرعوب نہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ حاکم وقت کے احتساب میں قطعاً رورعایت سے کام لیتا نہ اپنی سبکدوشی یا تنزلی کی پرواہ کرتا۔ الکندی المصری نے لکھا ہے کہ ایک بار خود خلیفہ عبدالملک اپنے چچازاد بھائی کے خلاف مقدمہ لے کر قاضی خیر بن نعیم کی عدالت میں پیش ہوا اور ان کے ساتھ فرش پر بیٹھ گیا۔ قاضی کو خلیفہ کی یہ بات ناگوار گزری۔ اس نے فریق مخالف کے ساتھ کھڑا ہونے کو کہا تو عبدالملک مقدمہ چھوڑ کر چلا گیا❶ قاضی نے حاکم وقت کے جانے کا ذرا برابر خیال نہ کیا اور ضابطے کی تمام کارروائی مکمل کی۔

ابن عائشہ کا ایک بیان سیوطی نے نقل کیا ہے کہ دنیا کے کسی حصے سے جب کبھی کوئی شخص عبدالملک کے پاس آتا، وہ اسے اپنے سامنے چار باتوں سے اجتناب کی تلقین کرتا۔ اولاً جھوٹ نہ بولا جائے، کیونکہ جھوٹے کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہوتی، ثانیاً میری تعریف میں مبالغہ آرائی سے کام نہ لینا، اس لئے کہ میں اپنے حال اور ضمیر سے خود واقف ہوں۔ ثالثاً میرے استفسار کے بغیر کوئی جواب نہ دینا کیونکہ یہ محض وقت کا ضیاع ہے۔ اور رابعاً میری رعیت پر مجھے برانگیختہ نہ کرنا، کیونکہ میرا ان پر مہربان رہنا ضروری ہے❷

ولید اول (۸۶ھ۔۹۶ھ)

عبدالملک کے بعد اس کے بیٹے ولید اول نے اقتدار سنبھالا، اس کے بارے میں طبری کا بیان ہے کہ اپنے دور میں اشیاء کے نرخوں کی نگرانی خود کرتا تھا۔ بازاروں میں جا کر چیزوں کی قیمتیں دریافت کرنا اور انہیں کم کرانا اس کا معمول تھا❸

سلیمان بن عبدالملک (۹۶ھ۔۹۹ھ)

سلیمان بن عبدالملک سریر آرائے سلطنت ہوا تو اسے معلوم ہوا کہ اموی خلفاء نماز عموماً تاخیر سے پڑھا کرتے تھے۔ سلیمان نے اپنے دور (۹۶ھ۔۹۹ھ) میں یہ روایت ختم کر دی کہ رعایا بھی نماز کی ادائیگی میں تاخیر کو کہیں معمول نہ بنا لے۔ اس نے اول وقت نماز کا اہتمام کیا❹ خود پابندی کی اور اس کی پابندی بھی کرائی۔

---

❶ الولاۃ والقضاۃ: حافظ جلال الدین سیوطی، بیروت ''دار صادر'' ۱۹۰۸ء ص ۳۶۵

❷ تاریخ الخلفاء: محولہ سابقہ، ص ۲۱۹ ❸ تاریخ طبری: محولہ سابقہ، ص ۱۲۷۱ ج ۸

❹ تاریخ الخلفاء: محولہ سابقہ، ص ۳۲۶

عمرؓ بن عبدالعزیز (۹۹ھ۔۱۰۱ھ)

اموی دور کے بعض حکمرانوں کی سہل پسندی اور چشم پوشی کے باعث کئی اموی عمال ظلم و جور کے خوگر ہو گئے تھے جس کے نتیجہ میں احتساب کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تھی۔ عمرؓ بن عبدالعزیز خلیفہ بنے تو انہوں نے ردمظالم اور عدل و انصاف میں حضرت عمرؓ بن الخطاب کی یاد تازہ کردی۔ جاگیرداری نظام' اخلاق عامہ کی ترویج میں رکاوٹ بن رہا تھا۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے بنی امیہ کے تمام امراء سے جاگیریں چھین لیں اور خود بھی اپنی جاگیر لوٹا دی۔ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ:

''حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کی بیوی کو اپنے والد عبدالملک کی طرف سے ایک بیش قیمت پتھر ملا تھا۔ آپ نے بیوی سے کہا کہ اسے بیت المال میں جمع کرادو' ورنہ مجھے چھوڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اطاعت شعار بیوی نے وہ پتھر فی الفور بیت المال میں جمع کرادیا'' ❶

حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے امیر معاویہؓ اور یزید کے دور سے لے کر اپنے خلیفہ ہونے تک تمام مظالم کا سدباب کیا۔ ابن سعد کے الفاظ ہیں:

"مازال عمر بن عبدالعزیز یرد المظالم من ادن معاویة الی ان استخلف اخرج بین ایدی ورثة معاویة ویزید بن معاویة حقوقا" ❷

حجاج کے خاندان نے اپنے مخالفین اور کمزور لوگوں پر بہت ستم ڈھائے تھے۔ عمر بن عبدالعزیز نے حجاج کے سارے خاندان کو یمن کی طرف جلاوطن کردیا ❸ جلاوطنی کے بعد عامل یمن کو لکھا کہ میں تمہارے پاس آل عقیل کو بھیج رہا ہوں' انہیں اپنی حکومت کے بدترین علاقوں میں ادھر ادھر منتشر کردو ❹ عبداللہ بن الحکم نے مزید بتایا ہے کہ جو لوگ حجاج کے ہم قبیلہ یا اس کی ماتحتی میں کام کر چکے تھے' ان کو ہر قسم کے ملکی حقوق سے محروم کردیا گیا ❺ امام غزالیؒ نے تصریح کی ہے کہ عمرؓ بن عبدالعزیز نے ایک شخص کو عامل بنایا۔ پھر معلوم ہوا کہ وہ حجاج بن یوسف کا عامل رہا ہے تو آپ نے اسے معزول کردیا۔ اس نے صفائی پیش کی کہ میں نے تو حجاج کے عہد میں بہت تھوڑے دن کام کیا تھا۔ عمرؓ بن عبدالعزیز نے فرمایا کہ خواہ ایک روز ہی کیوں نہ ہو ❻

---

❶ سیرۃ عمر بن عبدالعزیز: عبدالرحمٰن بن علی ابن جوزی' قاہرہ م۔ن۔س۔ن' ص ۱۱۵

❷ طبقات ابن سعد: محولہ سابقہ' ص ۳۴۲ ج ۵ ❸ سیرۃ عمر بن عبدالعزیز: محولہ بالا' ص ۹۰

❹ سیرۃ عمر بن عبدالعزیز: عبداللہ ابن عبدالحکم' بیروت م۔ن ۱۳۸۷ھ ص ۱۲۴

❺ ایضاً: حوالہ بالا ❻ احیاء علوم الدین: محولہ سابقہ' ص ۱۷۷ ج ۲

احتساب کے عمل کو موثر اور تیز کرنے کے لئے حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے الحسبہ کی ذمہ داریاں خود سنبھالیں اور اپنی طرف سے بدنام عمال سے حکومت کو چھٹکارا دلانے کے ساتھ ساتھ دیگر عمال کی اصلاح کے لئے ایک عام فرمان جاری کیا❶ کوفہ کے والی عبدالحمید کو لکھا گیا کہ وسوسہ شیطانی اور حکومت کے ظلم و جور کے بعد انسان کی بقاء نہیں ہو سکتی۔ اس لئے میرا خط ملتے ہی ہر حقدار کو اس کا حق ادا کرو❷ سابق اموی حکمرانوں کے دور میں اگر رعایا میں سے کسی سے کوئی چیز ناجائز طور پر ہتھیائی گئی تھی، تو وہ عمرؓ بن عبدالعزیز کے عمل احتساب کے خوف سے فی الفور اس کے مالکان کو لوٹا دی گئی اور اس سلسلے میں زیادہ تردد کیا گیا نہ کوئی خاص ثبوت طلب کئے گئے۔ عراق کے بیت المال سے اس قدر مال و اشیاء لوگوں کو واپس کی گئیں کہ خالی ہو گیا، یہاں تک کہ شام سے مال منگوانا پڑا:

"کتب الینا عمر بن عبدالعزیز بالعراق فی ردالمظالم الی اهلها فرد دناها حتی انفدنا ما فی بیت مال العراق، وحتی حمل الینا عمرالمال من الشام"❸

اہل سمرقند نے عمرؓ بن عبدالعزیز سے شکایت کی کہ اموی جرنیل قتیبہ بن مسلم نے ان کے شہر پر دھوکے سے قبضہ کیا تھا۔ شکایت موصول ہوتے ہی عمرؓ بن عبدالعزیز نے سلیمان کو لکھا کہ فیصلے کے لئے فوراً قاضی مقرر کر دیا جائے۔ قاضی ناجی کے سامنے مقدمہ پیش ہوا تو اس نے فیصلہ دیا کہ عرب سمرقند خالی کر دیں اور باہر پڑاؤ ڈالیں۔ پھر برابر کا مقابلہ ہو۔ فریقین چاہیں تو مصالحت کر لیں یا کسی ایک کا بزور شمشیر شہر پر قبضہ ہو جائے❹

ظلم و جور کے جتنے وسیلے تھے، عمرؓ بن عبدالعزیز نے سب یک قلم مسدود کر دیئے۔ ظلم کا ایک طریقہ یہ تھا کہ عمال چیزوں کے نرخ گھٹا کر انہیں کم قیمت پر خرید لیا کرتے تھے۔ عمرؓ بن عبدالعزیز نے قانون بنا دیا کہ کوئی عامل رعایا کا مال کم قیمت پر نہیں خرید سکتا۔ فارس کے عہدیداروں کے متعلق اسی قسم کی شکایت ملی تو آپ نے بشر بن صفوان، عبداللہ بن عجلان اور خالد بن سالم کو تحقیقات کے لئے بھیجا❺

---

❶ تاریخ یعقوبی: محولہ سابقہ، ص ۳۶۲ ج ۲ ❷ طبقات ابن سعد: محولہ سابقہ، ص ۲۷۱ ج ۵

❸ ایضاً: حوالہ بالا، ص ۳۴۲ ج ۵ ❹ تاریخ طبری: محولہ سابقہ، ص ۵۶۸ ج ۶

❺ طبقات ابن سعد: محولہ سابقہ، ص ۲۸۹، ۲۹۰ ج ۵

مصر سے ایک قبطی عورت نے حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کو ایک خط لکھا کہ میرے گھر کی دیوار نیچی ہے اور بعض اہل محلہ میری مرغیاں چرا کر لے جاتے ہیں۔ آپ نے گورنر مصر کو تحریری حکم بھیجا کہ فوراً جا کر اپنی نگرانی میں قبطی عورت کے گھر کی دیوار اونچی کرادو ❶

عمرؒ بن عبدالعزیز نے حکومت کے ہر شعبہ میں اصلاحات کیں۔ بعض امویوں کے تساہل سے جو امور جادہ شریعت سے ہٹ گئے تھے انہیں دوبارہ اس راہ پر گامزن کیا ''عمال کے نام ان کے فرامین میں احیائے شریعت اور استیصال بدعت کی تاکید ہوتی تھی'' ❷ عقائد و عبادات اور اخلاقیات وغیرہ میں تغیرات کی مختلف صورتیں رونما ہو رہی تھیں۔ عمرؒ بن عبدالعزیز نے انہیں پوری شدت کے ساتھ روکا۔ عقائد میں معبد جہنی اور غیلان دمشقی نے قضا و قدر کا پیچیدہ مسئلہ چھیڑا تو عمرؒ بن عبدالعزیز نے ان سے توبہ کرائی ❸ نیز محدثین و فقہاء کو لکھا کہ وہ ان خیالات کو قبول نہ کریں ❹

بعض اموی عمال بالخصوص حجاج وغیرہ نماز کے وقت کی پابندی میں غفلت سے کام لیتے تھے۔ عمرؒ بن عبدالعزیز نے تمام عمال کے نام فرمان جاری کیا کہ نماز کے وقت ہر قسم کے کاروبار کو معطل کر دیا جایا کرے۔ نماز کو ضائع کرنے والا شخص دوسرے فرائض اور زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا ❺

اخلاق عامہ کے بگاڑ میں شراب فروشی، شراب نوشی بھی شامل ہیں۔ عمرؒ بن عبدالعزیز کے دور میں عیش و تنعم اور شراب کا رواج ہو چلا تھا۔ آپ نے اس کے انسداد کا پورا انتظام کیا کہ کوئی ذمی مسلمانوں کے شہر میں شراب نہ لائے ❻ بعض حیلہ جو نبیذ کے بہانے شراب پیتے تھے۔ ان کے بارے میں عمرؒ بن عبدالعزیز نے عدی بن ارطاۃ کو لکھا کہ لوگ شراب پی کر بدمستی میں نہایت برے کام کرتے ہیں، جو چھپ کر پیئے گا، خدا اس کو بھی عذاب دینے والا ہے ❼

اہل عجم کے اثر سے اسلام کی تعلیم کے خلاف مسلمانوں میں بہت سی عادات و رسوم، لہو و لعب کی تصریحات اور عیش و تنعم کے لوازمات پیدا ہو چکے تھے۔ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے خود ایک محتسب اعلیٰ کی حیثیت سے انہیں سختی سے روکا۔ ابن سعد کے بیان کے مطابق عمرؒ بن عبدالعزیز کو

---

❶ تاریخ طبری: محولہ سابقہ، ص ۵۶۶ ج ۶ ❷ طبقات ابن سعد: محولہ سابقہ، ص ۲۵۲ ج ۵

❸ تاریخ الخلفاء: محولہ سابقہ، ص ۲۲۴ ❹ طبقات ابن سعد: محولہ سابقہ، ص ۲۸۴ ج ۵

❺ سیرت عمر بن عبدالعزیز لابن الجوزی: محولہ سابقہ، ص ۱۰۲ ❻ طبقات ابن سعد: محولہ سابقہ، ص ۲۶۹ ج ۵

❼ سیرت عمر بن عبدالعزیز لابن الجوزی: محولہ سابقہ، ص ۸۸

جب معلوم ہوا کہ خواتین جنازے کے ساتھ بال بکھیرے نوحہ کرتی ہوئی نکلتی ہیں تو اس نے عمال کو فرمان بھیجا کہ مسلمانوں کو اس سے روکا جائے ❶

عمرؒ بن عبدالعزیز کا دور شروع ہونے سے پہلے کئی قسم کی اخلاقی برائیاں راہ پا چکی تھیں۔ ایسے حماموں کا عام رواج ہو گیا تھا جن میں عورتیں اور مرد بے باکانہ غسل کرتے تھے اور پردے بلکہ شرم وحیاء کا بھی لحاظ نہ رکھا جاتا تھا۔ ''عمرؒ بن عبدالعزیز نے عورتوں کو حمام جانے سے روک دیا اور مردوں کو حکم دیا کہ وہ بغیر تہ بند کے حمام میں غسل نہ کیا کریں ❷ ابن جوزی نے تصریح کی ہے کہ اس حکم کی خلاف ورزی پر باقاعدہ سزا دی جاتی تھی ❸ اس زمانے میں حمام کی دیواروں پر خلاف شرع تصویریں بھی بنی ہوتی تھیں۔ ایک مرتبہ عمرؒ بن عبدالعزیز نے خود انہیں اپنے ہاتھ سے مٹایا اور فرمایا کہ اگر مصور کا نام مجھے معلوم ہوتا تو میں اسے ضرور سزا دیتا ❹ پولیس کے لئے حکم تھا کہ اس کے اہل کار جمعہ کے دن مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوں اور جو شخص پٹیاں جمائے ہوئے گزرے اس کے بال کاٹ دیا کریں ❺

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کا عہد ایسی ہی کئی اور مثالوں سے عبارت ہے، جن سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے عدل واحسان پر پورا پورا عمل کیا۔ عدل تو بیت المال سے دلوایا یا قرآن وسنت کے مطابق احکام سے اور احسان اپنی طرف سے۔ ان کے دور کا احتساب عدل واحسان ہی سے عبارت تھا۔ ان کی حکومت اسپین سے برصغیر پاک وہند تک پھیلی ہوئی تھی، لیکن کیا مجال کہ کسی کو کسی پر ظلم کرنے کی جسارت ہو۔ عمال خود بھی ہر وقت اپنے احتساب کے لئے تیار رہتے تھے اور غلط کام کے لئے جاہ وحشمت اور اختیارات سے مرعوب نہ ہوتے تھے۔ خلیفہ کے اپنے گھر کا عالم یہ تھا کہ ان کے ایک بیٹے کے کپڑے پھٹ چکے تھے، جنہیں پہن کر وہ مکتب جاتا۔ ہم مکتب اس کا مذاق اڑاتے۔ بیٹے نے اس صورتحال سے اپنے والد کو آگاہ کیا تو عمرؒ بن عبدالعزیز نے مجبوراً خازن سے ایک ماہ کی پیشگی تنخواہ کی درخواست کی جواب ملا ''فاذا امرتمونا بالجور فانا لانعمل لکم'' ❻ یعنی آپ ہمیں حکم دیتے ہیں، ہم آپ کی اطاعت کرتے رہیں گے، لیکن اگر ظلم وجور کا حکم دیں گے تو نہیں مانیں گے۔ فتاوی غیاثیہ میں ہے کہ اس کے بعد خازن نے عمرؒ بن عبدالعزیز کو لکھا کہ پہلے آپ یہ ضمانت دیں کہ مہینہ ختم ہونے تک آپ زندہ رہیں گے تو میں پیشگی تنخواہ دینے کے

---

❶ طبقات ابن سعد: محولہ سابقہ، ص ۲۹۰ ج ۵ ❷ سیرت عمر بن عبدالعزیز لابن عبدالحکم: محولہ سابقہ، ص ۲۸۰
❸ ایضاً: حوالہ بالا ❹ ایضاً: حوالہ بالا ❺ ایضاً: حوالہ بالا ❻ فتاوی غیاثیہ بحوالہ برصغیر پاک وہند میں فقہ، ص ۵۵۰

لئے تیار ہوں ❶ اس جواب پر عمرؒ بن عبدالعزیز نے اپنے بیٹے سے معذرت کر لی اور کہا کہ بیٹا ان ہی پھٹے پرانے کپڑوں میں مکتب جایا کرو، تمہارا باپ تمہیں نئے کپڑے دینے کی استطاعت نہیں رکھتا۔

ہشام بن عبدالملک (۱۰۵ھ۔۱۲۵ھ)

عمرؒ بن عبدالعزیز کے بعد ان کے دور کا نظام عدل و احتساب برقرار نہ رہ سکا، لیکن ہشام بن عبدالملک نے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی، تو اپنے عہد میں احیاء شریعت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے اخلاق عامہ کی نگہداشت پر بھی توجہ مرکوز رکھی۔ اس کے ایوان عدالت میں مسلم و غیر مسلم سب برابر تھے۔ وابستگان دولت تک میں سے کوئی دست تعدی دراز کرنے کی جرات نہ کر سکتا تھا۔

> ''ایک مرتبہ ایک نصرانی نے ہشام کے لڑکے محمد کے غلام کو کسی بات پر مارا۔ وہ زخمی ہو گیا۔ محمد کے خواجہ سرا نے اس کے بدلے میں نصرانی کو زدوکوب کیا۔ وہ زخمی ہو گیا۔ ہشام کو اطلاع ہوئی تو اس نے فوراً خواجہ سرا کو طلب کیا۔ خواجہ سرا نے محمد بن ہشام کے دامن میں پناہ لینا چاہی، لیکن ہشام کی سزا سے نہ بچ سکا۔ ہشام نے اپنے لڑکے کو بھی اس پر تنبیہہ کی'' ❷

ہشام بن عبدالملک طبعاً متین و سنجیدہ تھا۔ لہو ولعب سے اسے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ رعایا کو بھی اس قسم کے مشاغل سے روکنا اس کی عادت تھی اور وہ اس پر احتساب کرتا تھا۔ المسعودی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ کوئی بوڑھا شخص اس جرم میں ہشام کے سامنے پیش کیا گیا کہ وہ گانے والی عورتوں، شراب و کباب اور مزامیر میں دلچسپی رکھتا تھا۔ ہشام نے اسے دیکھ کر کہا کہ طنبورہ اس کے سر پر مار کر توڑ دو چنانچہ حکم کی تعمیل ہوئی ❸ رعایا کے اخلاقی نگہداشت اور الحسبہ کی یہ ایک عمدہ سزا ہے، جو امویوں کے آخری دور میں ملتی ہے۔

---

❶ ایضاً: حوالہ بالا ❷ الکامل فی التاریخ: محولہ سابقہ، ص ۹۶ ج ۵ ❸ مروج الذہب: محولہ سابقہ، ص ۲۱ ج ۲

فصل پنجم

عہدِ عباسی کا نظامِ احتساب

اموی عہد کے بعد عباسی دور (۱۳۲ھ۔۶۵۶ھ) میں عدل و احتساب کی روایات زندہ و برقرار رہیں۔ عام مورخین اس پر متفق الرائے ہیں کہ الحسبہ کے نظام کا باقاعدہ اجراء اور اس کے لئے الگ محکمے کا قیام دورِ عباسیہ میں عمل میں آیا' مگر کس عباسی خلیفہ کے دور میں اس کی شروعات ہوئیں؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ احتساب کا صیغہ سب سے پہلے ہارون الرشید نے قائم کیا۔ کچھ مورخین مہدی اور چند ہادی کے حق میں ہیں۔ بعض اسے مامون کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ مرجح تو یہی ہے کہ منصور کے عہد میں الحسبہ کا قیام عمل میں آیا اور بغداد' دمشق اور قاہرہ وغیرہ میں احتساب کے باقاعدہ محکمے قائم ہوئے۔ چنانچہ طبری نے لکھا ہے کہ منصور نے محمد بن زکریا یمنی کو بغداد کا محتسب مقرر کیا❶ جبکہ:

> ''اندلس میں منذر بن سعید اپنے احکام میں بڑے متشدد تھے اور قوانین احتساب کے اجراء و نفاذ میں مطلق نرمی کے روادار نہ تھے۔ اقامت احکام میں کوئی ان کا ثانی نہ تھا۔ احتساب میں خلیفہ تک کو نہ چھوڑتے تھے''❷

تاریخ اسلام کے اوراق بتاتے ہیں کہ دمشق کے سلطان اتابک نے نجم الدین انصاری کو الحسبہ کی ذمہ داریاں تفویض کیں تو انہوں نے سب سے پہلے احتساب کا فرض اس طرح ادا کیا کہ خود بادشاہ سے کہا کہ آپ اس بچھونے سے اٹھ بیٹھئے اور اس مسند اور تکیہ کو علیحدہ کر دیجئے کہ یہ دونوں چیزیں ریشم کی ہیں۔ آپ انگوٹھی بھی اتار دیجئے کہ یہ سونے کی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے ریشم اور سونا دونوں چیزیں مردوں پر حرام کی ہیں۔ یہ سنتے ہی سلطان نے فوراً اپنی مسند اٹھانے کا حکم دیا اور انگلی سے انگوٹھی بھی اتار دی❸

اخشیدیوں کے دور میں محمد بن سعد قرطبی مصر کے محتسب تھے۔ مصر میں جب قحط پڑا اور غلے کا کنٹرول کر دیا گیا تو خلیفہ المعز کی طرف سے اس کا انچارج محتسب ہوا۔ محتسب نے فوراً غلہ کی ذخیرہ اندوزی کی ممانعت کر دی۔

---

❶ تاریخ طبری: محولہ سابقہ' ص ۶۶ ج ۸ ❷ نفح الطیب: ص ۵ ج ۲ ❸ تاریخ حضارۃ الاسلامیۃ: محولہ سابقہ' ص ۳۱۸

ابو جعفر المنصور (۱۳۶ھ۔۱۵۸ھ)

سلطنت عباسیہ کو سب سے زیادہ ابو جعفر المنصور نے مستحکم کیا۔ اس کے دور (۱۳۶ھ۔۱۵۸ھ) میں لوگوں کو آزادی حاصل تھی کہ جس کو عامل یا اس کے کسی کارندے سے کوئی تکلیف پہنچے تو وہ بلا روک ٹوک خلیفہ سے اس کے خلاف شکایت کر سکتا ہے۔ خطیب بغدادی کے بیان کے مطابق المنصور کا قول تھا کہ خلیفہ کو صرف تقویٰ درست رکھ سکتا ہے' اور رعایا کو عدل۔ سلطان سزا دینے پر قدرت رکھتا ہے' لیکن اس کے لئے عفو و درگزر زیادہ مناسب ہے۔ اور وہ بڑا کم عقل ہے' جو اپنے زیردستوں پر ظلم کرے ❶

المنصور یہ بھی کہا کرتا تھا کہ ارکان سلطنت چار ہیں جن کے بغیر حکومت نہیں چل سکتی: اول قاضی' کہ بغیر خوف لومۃ لائم منصفانہ فیصلے کرنے والا ہو۔ دوم پولیس جو قوی کے مقابلے میں کمزور کا ساتھ دے۔ سوم تحصیلدار کہ رعایا پر ظلم و جور کے بغیر خراج وصول کرے اور چہارم وقائع نویس' جس کا فرض ہی صحیح اطلاعات بہم پہنچانا ہے ❷ ان ہی چار اصولوں کو المنصور نے جہانبانی و کشور کشائی میں رہنما بنایا اور اپنے عہد میں احتساب اور مقام عدل کی حتی المقدور کوششیں کیں۔ طبری نے لکھا ہے کہ:

> ''ایک مرتبہ کسی عامل کے خلاف دیہاتی کی شکایت پر المنصور نے اسے اختیار دیا کہ تم عامل کو باندھ کر میرے پاس لے آؤ'' ❸

عامل تو عامل' خلیفہ المنصور کی اپنی ذات بھی احتساب سے بالا نہ تھی۔ شیر ارسلان کا بیان ہے کہ ایک بار خلیفہ نے مزدوروں سے سامان اٹھوایا' لیکن بخل سے کام لیتے ہوئے مزدوری کم دی۔ مزدور فوراً قاضی کے پاس جا پہنچے۔ قاضی نے منصور کو عدالت میں طلب کیا۔ وہ اپنے وزیر ربیع کے ہمراہ حاضر ہوا۔ قاضی خلیفہ کے احترام میں کھڑا ہوا نہ اس کے آنے کی پرواہ کی' بلکہ چادر اپنے گرد لپیٹ لی۔ پھر فریقین کی حاضری کا حکم دیا اور ان کے بیانات سن کر خلیفہ کے خلاف ڈگری دے دی۔ المنصور احتساب کے اس عمل پر اتنا خوش ہوا کہ اس نے قاضی کو دس ہزار روپے بطور انعام دیئے ❹

---

❶ تاریخ بغداد: ص ۵۶ ج ۱۰ ❷ الکامل فی التاریخ: ص ۹ ج ۵
❸ تاریخ طبری: ص ۶۷ ج ۸ ❹ القضاء والقضاۃ: ص ۱۹۲' ۱۹۳

المہدی (۱۵۸ھ۔۱۶۹ھ)

المنصور کے بعد المہدی خلیفہ بنا۔ اس نے اپنے دور (۱۵۸ھ۔۱۶۹ھ) کی ابتداء تمام باغی قیدیوں کی رہائی سے کی۔ اس نے ضبط شدہ جائیدادیں لوگوں کو واگزار کردیں اور علوی قیدیوں کو نہ صرف آزاد کردیا بلکہ ان کے لئے وظائف بھی مقرر کئے۔ یوں اس نے اپنے عہد حکومت کی ابتداء اخلاق اور عفو و درگزر سے کی اور عدل و انصاف اور احتساب سے نظم مملکت چلانے کا عہد کیا۔ ''حکومت کے جزئی سے جزئی امور پر بھی خلیفہ نگاہ رکھتا'' ❶ اور روزانہ مظالم کی تحقیقات کے لئے بیٹھتا ❷ تاکہ ''نظام حکومت میں خلل نہ آنے پائے'' ❸ مظلوموں کی دادرسی کے لئے اس کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا۔ ابن طقطقی کے الفاظ میں:

''کان یجلس فی کل وقت لرد المظالم'' ❹

المہدی عباسی عقائد میں بہت پختہ اور مذہب کے معاملہ میں نہایت متشدد تھا۔ عقائد اسلامی میں کسی قسم کی آزادی اور رخنہ اندازی اسے پسند نہ تھی' اس کے زمانے میں عجمیوں کے اثر سے ملاحدہ کی ایک جماعت پیدا ہوگئی تھی' جو اپنے عقائد کی تشہیر کرتی۔ اس جماعت نے اچھا خاصا ذخیرہ مواد بھی جمع کرلیا تھا۔ خلیفہ کو خبر ہوئی تو اس نے تلاش کرکے اس جماعت کے لوگوں کو قتل کرایا اور ان کی کتابیں تک جلوا ڈالیں ❺

المہدی کے دور میں قاضی عبدالجبار کی تقرری باقاعدہ ایک محتسب کی حیثیت سے ہوئی تھی' وہ امور عامہ اور بالخصوص لوگوں کے اخلاقیات پر گہری نظر رکھتا تھا۔ محتسب کے فرائض میں یہ بات شامل تھی کہ لوگ گمراہ نہ ہوں۔ امر بالمعروف پر عمل پیرا رہیں اور نہی عن المنکر سے اجتناب کریں۔

ہادی (۱۶۹ھ۔۱۷۰ھ)

عہد عباسیہ میں موسیٰ بن المہدی' ہادی کے لقب سے خلیفہ ہوا۔ اس نے اپنے دور (۱۶۹ھ۔۱۷۰ھ) کے نامور وزیر فضل بن ربیع کو حکم دیا کہ دادرسی کے لئے کسی شخص کو میرے پاس آنے سے نہ روکا جائے۔ نیز میرے سامنے کوئی ایسا معاملہ پیش نہ ہو' جو تحقیقات کے بعد غلط نکلے اس لئے کہ یہ حکمران اور رعایا دونوں کے لئے نقصاندہ ہے ❻ اس نے امام تجوید و قرات نافع بن

---

❶ الفخری: ص ۱۶۲ ❷ الکامل فی التاریخ: ص ۲۷ ج ۶ ❸ تاریخ الخلفاء: محولہ سابقہ' ص ۲۷۶
❹ الفخری: ص ۶۱ ❺ تاریخ الخلفاء: ص ۲۷۷ ❻ تاریخ طبری: ص ۵۸۵ ج ۱

عبدالرحمٰن کو محتسب کا عہدہ تفویض کیا۔ نیز انہیں سختی سے ہدایت کی کہ عامۃ المسلمین کے اخلاق پر کڑی نگاہ رکھیں اور انہیں معروفات و منکرات کے فرق سے آگاہ کرتے رہیں۔

ہارون الرشید (۱۷۰ھ۔۱۹۳ھ)

ہادی کے بعد ہارون الرشید عباسی خلیفہ بنا' جس کا عہد حکومت (۱۷۰ھ۔۱۹۳ھ) مورخین کی نظر میں زریں دور تھا۔ ابن طقطقی نے لکھا ہے کہ ہارون الرشید کے زمانے میں بڑی رونقیں اور بڑی بھلائیاں تھیں۔ سلطنت کا رقبہ بڑا وسیع' حکومت نہایت مضبوط' ملک شاد و آباد اور خزانہ معمور تھا۔ رعایا مرفہ الحال اور فارغ البال تھی۔ اس نے مملکت کے استحکام' عدل و انصاف کے قیام اور رعایا کی فوز و فلاح کے بہت سے کام انجام دیئے۔ اموی دور میں عمال پر کوئی خاص احتساب نہ تھا' خراج کی تحصیل میں بالعموم سختی برتی جاتی تھی اور شرعی محاصل کے علاوہ اور بہت سے ناجائز ٹیکس وصول کئے جاتے تھے:

> ''ہارون الرشید نے اس نظام کی اصلاح کے لئے قاضی ابو یوسف سے خراج کا قانون مرتب کرایا' جس میں نہ صرف خراج و صدقات وغیرہ محاصل حکومت درج تھے' بلکہ رعایا کے تعلقات کی نوعیت' ذمی اور مسلمان رعایا کے حقوق و فرائض' حکومت کے عمال اور عہدیداروں کے اختیارات' ان کی ذمہ داریاں اور نگرانی' نیز اسلامی اصول حکمرانی سے متعلق متعدد مفید ہدایات شامل تھیں'' ❶

خلیفہ ہارون الرشید نے اس قانون کے اصولوں کو رہنما بنایا اور خراج کی وصولی میں سختی کو یک قلم موقوف کر دیا ❷ سواد کے علاقہ میں خراج کی مقررہ شرح سے زیادہ جو دسواں حصہ وصول کیا جاتا تھا' اس کی ممانعت کر دی ❸ عمال کی تقرری کے وقت انہیں عدل و انصاف کی ہدایات جاری کی جانے لگیں۔ خلیفہ ظالم اور خائن عمال کو عبرت آموز سزائیں دیتا تھا ❹ گویا عمال حکومت کے احتساب پر اس کی گرفت کافی مضبوط تھی۔

طبری نے لکھا ہے کہ ایک نامور اور مقتدر عباسی امیر علی بن عیسیٰ کے جور و ستم سے مسلمان اور ذمی اور ادنیٰ و اعلیٰ سب عاجز آ چکے تھے' کیونکہ وہ خراسان کے اعیان و عمائد تک کی تذلیل و تحقیر

---

❶ الفخری: ص ۱۷۷ ❷ تاریخ یعقوبی: ص ۵۰۱ ج ۲

❸ الکامل فی التاریخ: محولہ سابقہ' ص ۳۹ ج ۶ ❹ ایضاً: حوالہ بالا

کرنے اور ناجائز رقوم وصول کرنے سے باز نہ آتا تھا۔ اگرچہ اسے ہارون الرشید کا قرب حاصل تھا' لیکن جب خلیفہ کو اس کی زیادتیوں کی خبر ہوئی' تو اس نے اسے بڑی ذلت کے ساتھ معزول کر کے ہرثمہ بن اعین کو اس کی جگہ والی خراسان مقرر کر دیا❶ معزولی کے وقت علی بن عیسیٰ کو ہدایت کی گئی کہ مسلمانوں اور ذمیوں سے جس قدر مال ناجائز طور پر حاصل کیا گیا ہے' اسے مستحقین میں واپس کر دیا جائے' ورنہ تمہیں اور تمہارے متعلقین کو عبرتناک سزا دی جائے گی۔

طبری کا بیان ہے کہ ہرثمہ کو والی خراسان بنایا گیا تو ہارون الرشید نے اسے لکھا کہ:

> ''میں تمہیں خراسان اور اس کے تمام ماتحت علاقوں کا حاکم مقرر کرتا ہوں اور تمہیں خدا کے خوف' اس کی اطاعت' اس کے احکام کی رعایت اور ان کی حفاظت کا حکم دیتا ہوں۔ جملہ امور میں کتاب (قرآن) کو اپنا رہنما بناؤ۔ اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھو۔ مشتبہ امور میں خود فیصلہ کرنے کی بجائے دین کے واقف کاروں اور کتاب اللہ کے عالموں سے پوچھو'' ❷

اس فرمان میں وہ تمام ذمہ داریاں موجود تھیں' جو ایک محتسب کے فرائض کا حصہ ہو سکتی ہیں۔ خود ہارون الرشید کی حیثیت محتسب اعلیٰ کی رہی۔ وہ معاملات سلطنت پر نظر رکھتا تھا لوگوں کے حقوق کی نگرانی کی فکر اسے ہر وقت دامن گیر رہتی تھی۔ ایسے تمام امور اس کی نگاہ میں رہتے تھے' جن سے لوگوں کو حکومت کے کارندوں یا اپنے ہی بھائیوں سے کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔

مامون (۱۹۸ھ۔۲۱۸ھ)

ہارون الرشید کے بعد محمد امین بن ہارون تخت خلافت پر متمکن ہوا۔ اس کے دور (۱۹۳ھ۔۱۹۸ھ) میں عدل واحتساب کی عباسی روایات برقرار نہ رہ سکیں' کیونکہ محمد الامین تدبر و سیات سے خالی اور عیش وعشرت کا دلدادہ تھا❸ اس کے برعکس عبداللہ بن ہارون الملقب بہ مامون کے دور (۱۹۸ھ۔۲۱۸ھ) میں ہارون الرشید کے عہد کو زندہ کرنے کی از سر نو کوششیں کی گئیں۔

مورخین لکھتے ہیں کہ مامون کے زمانے میں عباسی حکومت کو کافی عروج حاصل ہوا۔ فضل بن سہل کی وزارت کے دور تک تو مامون کو بذات خود امور مملکت اور معاملات رعایا کی طرف توجہ

---

❶ تاریخ طبری: ص ۷۰۲ تا ۷۱۴ ج ۱۱ ❷ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۱۹۰' ۱۹۱ ج ۱۱

❸ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۹۵۲' ۹۵۳ ج ۱۱

دینے کا موقع نہ مل سکا کیونکہ ابن سہل خلیفہ کو حالات سے عموماً بے خبر رکھتا تھا' لیکن جونہی امام علی رضا کی ولی عہدی کے بعد بغداد سے مامون کی حکومت اٹھی' تو اس نے اسے چوکنا کر دیا۔ تب مامون نے خراسان سے بغداد کا سفر کیا۔ اثنائے راہ ہر مقام کے احوال و واقعات سے کامل واقفیت حاصل کی اور باشندوں کی بہتری اور عدل و انصاف بہم پہنچانے کی تدابیر کرنے میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا❶ اس کے بعد مامون نے مصر اور شام کے لئے رخت سفر باندھا اور ایسے ہی امور انجام دیئے❷

عدل و انصاف کے قیام اور ظلم و جور کے انسداد میں مامون نے حتی المقدور سعی کی۔ ''اتوار کے دن صبح سے ظہر تک رعایا کی شکایات براہ راست سنتا''❸ اس کے ایوان عدالت میں ادنیٰ و اعلیٰ سب برابر تھے۔ کسی کے عہدے اور نسب کا لحاظ نہیں کیا جاتا تھا:

> ''ایک مرتبہ ایک شکستہ حال بوڑھی عورت نے استغاثہ دائر کیا کہ مامون کے لڑکے عباس نے اس کی جائیداد پر غاصبانہ قبضہ جمالیا ہے۔ مامون نے بیٹے کو بوڑھی عورت کے برابر کھڑا کر کے فریقین کے دلائل سنے اور فیصلہ اپنے بیٹے کے خلاف دیا''❹

مامون کے عہد میں اس طرح کے عدل و احتساب سے متعلق کئی مثالیں بھی ملتی ہیں' جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ رد مظالم میں کسی کے ساتھ اس کے عہدے یا مال و دولت کی بناء پر امتیازی سلوک نہیں کیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ احتساب میں خلیفہ کی حیثیت بھی ایک عام شخص کی ہو کر رہ گئی تھی۔

> ''خدام نے مامون کی آمد پر قالین بچھوانے کی کوشش کی مگر قاضی نے یہ کہتے ہوئے قالین اٹھوا دیا کہ عدالت احتساب میں مدعی اور مدعا علیہ دونوں برابر ہوتے ہیں اور کسی کے ساتھ امتیازی برتاؤ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ مامون نے قاضی کی حق پرستی کے صلے میں اس کی تنخواہ بڑھا دی''❺

مامون کے عہد میں قاضی' محتسب کا کردار بھی ادا کرتے تھے اور یہ ان کی ذمہ داری تھی کہ عمال کے ظلم و جور پر کڑی نظر رکھیں۔ کسی قسم کی زیادتی پر وہ سزا دینے کے مجاز تھے' اور ہر طرح کی ناانصافی کا ازالہ کرتے تھے:

---

❶ تاریخ یعقوبی: ص ۵۵۰ ج ۶

❷ المقریزی نے خلیفہ مامون کے تذکرہ میں اس دورے کی تفصیل شرح و بسط کے ساتھ بیان کی ہے۔

❸ تاریخ الخلفاء: محولہ سابقہ' ص ۳۲۹ ❹ عقد الفرید: محولہ سابقہ' ص ۹ ج ۱ ❺ المستطرف: ص ۱۱۰ ج ۱

''ایک مرتبہ کوئی سپاہی کسی شخص کو بیگار میں پکڑ لایا۔ مامون کو پتا چلا تو اس نے سپاہی کو برطرف کر دیا'' ❶

خلیفہ مامون کا یہ قول کہ بغاوت ہمیشہ عمال کی زیادتیوں کے نتیجے میں ہوتی ہے ❷ ایک لحاظ سے الحسبہ کی روح ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے عمال کو ہر وقت قیام عدل اور ظلم و زیادتی سے باز رکھنے کی ہدایت کرتا تھا۔ اس کا اندازہ ان توضیحات سے ہوتا ہے جو اس نے عمال کے خلاف داد خواہوں کی عرضیوں پر لکھے۔ مثال کے طور پر ہشام کو لکھا کہ زبردست کو دبانا اور زیردست سے دب جانا شریف کی پہچان ہے۔ ابو عباد کو مطلع کیا کہ حق و باطل میں کوئی رشتہ نہیں۔ حمید طوسی کو تنبیہ کی کہ تقرب درگاہ پر نازاں نہ ہو' حق میں تم اور ادنیٰ غلام دونوں برابر ہیں۔ ابن الفضل طوسی کو یہ تحریر بھیجی کہ تمہارا بدتمیز اور درشت خو ہونا گوارا ہے' لیکن رعایا پر ظلم کرنا برداشت نہیں' اور عمرو بن مسعدہ کو تلقین کی کہ اپنی دولت کو عدل سے آباد کرو کہ عدل ظلم کو ڈھا دینے والا ہے ❸ شبلی رقمطراز ہیں:

''مامون کی فیاضانہ زندگی پر اگر کچھ نکتہ چینی ہو سکتی ہے تو یہ کہ اس کا رحم و انصاف اعتدال کی حد سے بڑھ گیا تھا' جس کا اثر یہ ہوا کہ اس نے اپنے ذاتی حقوق کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ بدزبان شعراء اس کی ہجو میں لکھتے تھے۔ خود اس کے خدام گستاخیاں کرتے تھے' لیکن اس کو مطلق پروا نہ ہوتی تھی'' ❹

واثق باللہ (۲۲۷ھ۔۲۳۲ھ)

ابو جعفر ہارون الملقب بہ واثق باللہ کے دور (۲۲۷ھ۔۲۳۳ھ) میں بھی احتساب کی جستہ جستہ مثالیں ملتی ہیں۔ خلیفہ کو خود محتسب اعلیٰ کی حیثیت حاصل تھی' جبکہ عمال اور قاضی محتسب کے فرائض ادا کرتے تھے۔ طبری کا بیان ہے کہ واثق باللہ نے انتظامی امور میں اصلاحات کیں۔ اس کے عہد میں امراء و اراکین دولت کا جن میں اکثریت کاتبوں (نائب وزراء) کی تھی' استہزاء بہت بڑھ گیا تھا اور رعایا کی دولت سے ان کے خزانے معمور تھے۔ واثق نے محتسب اعلیٰ کی حیثیت سے تمام خائن اور مستبد کاتبوں پر بھاری جرمانے عائد کئے۔ چنانچہ احمد بن اسرائیل سے اسّی ہزار

---

❶ عقد الفرید: ص ۱۰ ج ۱ ❷ تاریخ الخلفاء: ص ۳۳۲ ❸ عقد الفرید: ص ۱۶۲ ج ۲
❹ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو المامون ص ۹۳ تا ۹۶ مطبوعہ دہلی

دینار، ایتاخ ترکی کے کاتب سلیمان بن وہب سے چار لاکھ، حسن بن وہب سے چودہ ہزار، احمد بن خصیب اور اس کے کاتبوں سے ایک کروڑ، ابراہیم بن رباح اور اس کے کاتبوں سے ایک لاکھ نجاح سے ساٹھ ہزار اور ابوالوزیر سے ایک لاکھ چالیس ہزار دینار وصول کئے گئے ❶ اس طرح اس نے خیانت کا انسداد کیا۔

متوکل علی اللہ (۲۳۲ھ۔۲۴۶ھ)

متوکل علی اللہ کا عہد (۲۳۲ھ۔۲۴۶ھ) بھلائیوں، خوبیوں سرسبزی وشادابی اور فارغ البالی کے لحاظ سے عہد سرور تھا۔ المسعودی نے تصریح کی ہے کہ خواص وعوام اس عباسی خلیفہ سے خوش تھے۔ راستوں کا امن وامان بحال اور چیزوں کی ارزانی تھی۔ متوکل خود ان امور کی دیکھ بھال کرتا تھا❷ عقیدہ میں وہ نہایت راسخ تھا۔ خطیب کے بقول:

> ''اس نے لوگوں کو غیر مسنون طریقوں سے ہٹا کر سنت کے صراط مستقیم پر لگایا اور رویت باری اور خلق قرآن کے مناظرات کا انسداد کیا'' ❸

سنت نبوی کا احیاء اور احادیث رسول کی اشاعت متوکل علی اللہ کے عظیم کارناموں میں سے ہیں۔

المستنصر باللہ (۲۴۷ھ۔۲۴۸ھ)

محمد بن جعفر الملقب بہ المستنصر باللہ کی حلیمی و بردباری اپنی جگہ ہے، لیکن اپنے دور (۲۴۷ھ۔۲۴۸ھ) میں وہ بھی غایت درجہ انصاف پسند اور عدل پرور تھا۔ المسعودی نے اس کی پاکدامنی کی تعریف کی ہے۔ نیز لکھا ہے کہ عدل وانصاف اور مکارم اخلاق میں وہ اپنے پیشروؤں پر فائق تھا❹ سیوطی کے بقول اس نے رعایا کے ساتھ اس قدر عدل وانصاف کیا کہ اس کی شدید ہیبت کے باوجود رعایا اس کی گرویدہ ہوگئی❺ اس کی شہرت میں ایک طرح سے اس کا محتسب ہونا بھی شامل تھا۔

المہتدی (۲۵۵ھ۔۲۵۶ھ)

عباسی خلفاء میں ابو عبداللہ محمد بن واثق ملقب بہ المہتدی نے تو اپنے دور

---

❶ تاریخ طبری: ص۱۳۳۱ ج۱۱ ❷ مروج الذہب: ص۲۷۵، ۲۷۶ ج۷

❸ تاریخ بغداد: ص۱۷۰، ۱۷۱ ج۷ ❹ مروج الذہب: ۳۰۲ ج۷ ❺ تاریخ الخلفاء: ص۳۶۴

(۲۵۵ھ۔۲۵۶ھ) میں قیام عدل و انصاف اور احتساب کے لئے ایک خاص عمارت ''قبتہ المظالم'' بنوائی تھی۔ المسعودی کا بیان ہے کہ المہتدی روزانہ قبتہ المظالم میں بیٹھ کر عوام وخواص کی دادرسی کرتا۔ اس موقع پر اپنے بیگانے سب اس کی نظر میں ایک ہو جاتے۔ ایک مرتبہ کسی نے اس کے بیٹے کے خلاف مقدمہ دائر کیا تو المہتدی نے مدعی اور مدعا علیہ کو ایک ساتھ کھڑا کیا اور فیصلہ بیٹے کی مخالفت میں کرتے ہوئے خوشی محسوس کی ❶

احتساب کا ایک نمایاں پہلو چونکہ ظلم وتعدی کا تدارک ہے اس لئے ابن طقطقی کے بقول المہتدی نے اپنے تمام متعلقین کو سختی سے ہدایت جاری کردی تھی کہ وہ ظلم کریں نہ ظلم کو پنپنے دیں ❷۔ ایک موقع پر خلیفہ کے عدل واحتساب کی کسی نے تعریف کی تو المہتدی نے کہا کہ میں قرآن پاک کی آیت نضع الموازین القسط لیوم القیامۃ ❸ پڑھ کر اس مقام پر بیٹھا ہوں ❹

معتضد باللہ (۲۷۹ھ۔۲۸۹ھ)

خلیفہ ابوالعباس احمد بن موفق الملقب بہ معتضد باللہ کے دور (۲۷۹ھ۔۲۸۹ھ) میں عدل و انصاف اور احتساب کی متعدد صورتیں ملتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نے رد مظالم کے سلسلے میں کارہائے نمایاں انجام دیئے اور محتسب کی حیثیت سے اتنی سختی کی کہ ایوان عدالت میں امراء و عمائد بلکہ خلیفہ تک کے تمام امتیازات جاتے رہے۔

معتضد باللہ سے پہلے رعایا کے مال ومتاع میں فوجوں کی دست درازی بڑھ چکی تھی۔ اس نے اس کا تدارک کیا اور عساکر کی طرف سے ہونے والی ہر ایذا رسانی کا خاتمہ کردیا ❺ اس اقدام سے عباسی سلطنت میں امن و رفاہیت اور ارزانی کا دور دورہ ہوا اور متعدد ٹیکس موقوف کردیئے گئے ❻ علامہ سیوطی نے تصریح کی ہے کہ دولت عباسیہ کی تباہی و بربادی کا سبب ترکی امراء اور افسران افواج بن رہے تھے۔ معتضد باللہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ترکوں کا زور و غرور توڑ کر سلطنت اور رعایا دونوں کو ان کے پنجہ استبداد سے نجات دلائی ❼ رعایا کے ساتھ ہونے والی ہر قسم کی ظلم وزیادتی کو نہایت سختی سے روکا اور عدل وانصاف کے قیام پر کامل توجہ دی ❽ ابن

---

❶ مروج الذہب: ص۱۹ ج۸ ❷ الفخری: محولہ سابقہ ص۲۲۳ ❸ ایضاً: حوالہ بالا
❹ تاریخ الخلفاء: محولہ سابقہ ص۳۷۲ ❺ الفخری: ص۲۳۱ ❻ تاریخ الخلفاء: ص۲۷۹
❼ ایضاً: حوالہ بالا ❽ الفخری: ص۱۳۱، ۱۳۲

اثیر کے بقول اس کے مقربین خاص تک اس کے خوف سے ظلم و زیادتی کی جرات نہ کرتے تھے ❶ چنانچہ کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی کہ اخلاق سے گری ہوئی حرکتیں کرے، کم تولے یا برسرعام منکرات کا ارتکاب کرے۔

محتسب کی ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری یہ ہے کہ ایسی کتب کو جو امت مسلمہ میں تفرقہ بازی کو ہوا دیں یا عامتہ المسلمین کے اذہان وقلوب میں شکوک وشبہات پیدا کریں، ممنوع قرار دے سکتا ہے۔ معتضد باللہ کے زمانے میں فلسفے کی بعض کتابیں دین میں ابہام کا ذریعہ بن رہی تھیں۔ چنانچہ اس نے کتب فروشوں کو فلسفہ کی کتابوں کی فروخت سے منع کر دیا اور اوہام و خرافات کے جتنے وسائل تھے ان سب کو مٹا ڈالا ❷ سیوطی نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

> ''معتضد باللہ نے منجموں اور قصہ خوانوں کو شوارع عام پر بیٹھنے کی ممانعت کر دی۔ مجوسیوں کے اثر سے مسلمانوں میں آتش پرستی کی بعض رسوم راہ پا رہی تھیں، ان کا تدارک کیا اور قاضی اسمٰعیل کے مشورے سے ناچ گانے، متعہ اور نبیذ کے جواز میں لکھی جانے والی کتب جلوا ڈالیں'' ❸

احتساب کا ایک پہلو یہ ہے کہ کوئی کسی شخص کی حق تلفی نہ کرے۔ معتضد باللہ کے دور میں خلیفہ کی تو حق تلفی ہو سکتی تھی، لیکن عام آدمی کی حق تلفی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ معتضد باللہ ایک مرتبہ سفر پر جا رہا تھا۔ اثنائے راہ اس کے کچھ فوجیوں نے کھیت سے ککڑیاں توڑ لیں۔ کھیت کے مالک کی شکایت پر معتضد باللہ نے ان فوجیوں کو زندان میں ڈال دیا۔ اگلی صبح تین نعشیں پھانسی پر لٹکی ہوئی دیکھی گئیں۔ اس پر ایک طرف تو لوگوں کو عبرت ہوئی کہ وہ ایسی حرکات نہ کریں، دوسری طرف بعض امراء نے اس پر احتجاج کیا کہ معمولی جرم کی سزا پر خلیفہ نے تین فوجیوں کو تختہ دار پر لٹکا دیا۔ چند روز بعد معتضد باللہ نے امراء کو بلایا اور زندان سے ان ہی فوجیوں کو بلا کر زندہ پیش کر دیا، جو ککڑیاں توڑنے کی پاداش میں پکڑے گئے تھے۔ تب اس نے صراحت کی کہ یہ اپنے معمولی جرم کی سزا بھگت چکے ہیں اور جو نعشیں عبرت کے لئے دکھائی گئی تھیں، وہ ڈاکوؤں اور قاتلوں کی تھیں ❹ خلیفہ کا یہ رازدارانہ اقدام اخلاق عامہ کے تحفظ کے لئے سودمند ثابت ہوا۔

---

❶ الکامل فی التاریخ: ص ۱۷ ج ۷
❷ تاریخ الخلفاء: محولہ سابقہ، ص ۳۷۹
❸ ایضاً: حوالہ بالا
❹ البدایۃ والنہایۃ: محولہ سابقہ، ص ۸۶، ۸۷ ج ۱۱

قاہر باللہ (۳۲۱ھ۔۳۲۲ھ)

معتضد باللہ کے بعد اس کے فرزند محمد بن معتضد باللہ المقلب بہ قاہر باللہ کے دور (۳۲۱ھ۔۳۲۲ھ) میں بھی احتساب کا عمل جاری رہا۔ المسعودی کا بیان ہے کہ قاہر باللہ جری' بہادر' لیکن احتساب میں سخت گیر تھا❶ اس کی متعدد مذہبی اصطلاحات اس کے محتسب ہونے کا ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ سیوطی نے تصریح کی ہے کہ قاہر باللہ نے شراب نوشی کی قانوناً ممانعت کردی۔ موسیقی اور لہو ولعب کے تمام آلات و ذرائع بند کرادیئے۔ ناچنے گانے والی عورتوں پر رقص وسرور کی پابندی لگادی اور گانے والی لونڈیوں کو فروخت کرڈالا۔ گویوں کو قید کیا اور ہیجڑوں کو جلاوطن❷ یہ تمام اقدامات اخلاق عامہ کے ترویج وتحفظ کی خاطر کئے گئے۔ اس کے دور میں قاضی ابراہیم بن محمد بن علی بن بطحاء التمیمی اور ابوسعید الاصطخری باقاعدہ محتسب کے فرائض ادا کرتے تھے۔

مقتدی بامر اللہ (۴۶۷ھ۔۴۸۷ھ)

چوتھی صدی ہجری میں اگرچہ سلطنت عباسیہ کا زوال شروع ہوچکا تھا' اس کے باوجود بعض عباسی فرمانروا عدل واحتساب کے داعی وعلمبردار تھے۔ عامۃ المسلمین کی دینی واخلاقی اصلاح کے لئے انہوں نے محتسب اعلیٰ کا کردار ادا کیا۔ مقتدی بامر اللہ کے دور (۴۶۷ھ۔۴۸۷ھ) میں دین ومذہب کے احترام اور اخلاق وآداب کی پاسداری کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ مقتدی نے بہت سی دینی واخلاقی اصلاحات کیں۔ ناچنے گانے والی عورتوں کو بغداد بدر کردیا۔ بہ امر مجبوری حمام میں مردوں کو داخلے کی اجازت دی اور ملاحوں کو کشتیوں میں ایک ساتھ عورتوں اور مردوں کو بٹھانے اور پار لے جانے کی ممانعت کردی❸ کبوتر بازی کے برجوں اور چھتریوں سے گھروں میں بے پردگی ہوتی تھی۔ مقتدی نے یہ سب برج اور چھتریاں اکھڑوادیں❹ ابوجعفر بن الحزقی مقتدی کے دور میں باقاعدہ محتسب تھے۔

مستظہر باللہ (۴۸۷ھ۔۵۱۵ھ)

مستظہر باللہ جامع اوصاف' نرم خو' پسندیدہ خصال اور اپنے دور (۴۸۷ھ۔۵۱۵ھ) میں لوگوں کے ساتھ انصاف پسند تھا۔ ''احسان وسلوک اور نیکی وثواب کے کاموں میں اس نے

❶ مروج الذہب: ص ۲۸۷ ج ۶ ❷ تاریخ الخلفاء: ص ۳۹۶
❸ البدایۃ والنہایۃ: ص ۲۷۹، ۲۸۰ ❹ تاریخ الخلفاء: ص ۴۳۰

بروقت بڑی مستعدی دکھائی'' ❶ پھر مسترشد باللہ اپنے عہد حکومت (۵۲۹ھ تک) میں مملکت کا خیر خواہ' امر بالمعروف میں مستعد اور نیک رعایا کے لئے شفیق تھا۔ ایک طرف اس نے قاضی ابوالقاسم زینبی کو محتسب مقرر کیا' دوسری طرف ظلم و جور کے انسداد میں اس نے اس قدر انتظامات کئے کہ تخت حکومت پر قدم رکھتے ہی اپنی خاص جاگیر کے علاقوں میں یک قلم ظلم و زیادتی کو موقوف کرنے میں پہل کی۔ نیز حکم جاری کیا کہ کسی کاشتکار اور اجارہ دار سے مقررہ محاصل کے علاوہ کوئی ناجائز چیز وصول نہ کی جائے ❷

مستنجد باللہ (۵۵۵ھ۔۵۶۶ھ)

ابن اثیر نے زوال پذیر سلطنت عباسیہ کے بعض حکمرانوں کی عدل پروری اور رعایا نوازی کی تعریف کی ہے۔ محتسب کی ذمہ داریوں میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ استحصال کی ہر راہ کو مسدود کردے۔ مستنجد باللہ نے ایسا ہی کیا اور اپنے عہد حکومت (۵۵۵ھ۔۵۶۶ھ) میں جس قدر لوگوں کے اموال قبل ازیں حاصل کئے گئے تھے' وہ سب لوٹا دیئے ❸ اس کے بعد مستضی بامر اللہ نے بھی اپنے دور (۵۶۶ھ۔۵۷۵ھ) میں عدل و احتساب کے اس عمل کو جاری رکھا ❹

ظاہر بامر اللہ (۶۲۲ھ۔۶۲۳ھ)

عباسی سلطنت کے زوال کے زمانے میں عدل و احتساب کی بہت سی مثالیں اور واقعات ظاہر بامر اللہ کے دور (۶۲۲ھ۔۶۲۳ھ) میں ملتے ہیں۔ اس کی دینداری اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے بعض کارناموں کی وجہ سے مورخین نے اسے عمر بن عبدالعزیز ثانی کے خطاب سے یاد کیا ہے اور تصریح کی ہے کہ ظاہر بامر اللہ نے فقط نو ماہ کے قلیل عہد حکومت میں عدل و احتساب اور احسان میں عمرین کی یادیں تازہ کردیں۔ اس نے فی الحقیقت محتسب اعلیٰ کا کردار ادا کیا۔

یہ باتیں محتسب کے فرائض میں شامل ہیں کہ وہ لوگوں کے اموال پر ناجائز قابضین کو روکے اور اوزان و پیمانوں کے نظام پر کڑی نظر رکھے۔ ظاہر بامر اللہ کے باپ ناصر الدین اللہ کی حکمرانی میں اگرچہ قاضی محی الدین محمد بن فضلان محتسب تھے' لیکن خود خلیفہ نے کچھ جاگیریں تو بحق سرکار

---

❶ البدایۃ والنہایۃ: ص۱۸۹ ج۱۰ ❷ ایضاً: حوالہ بالا' ص۱۹۲ ج۱۶ ❸ ایضاً: حوالہ بالا' ص۱۳۵ ج۱۱

❹ ابن جوزی کے حوالے سے سیوطی نے مستفی بامر اللہ کے دور کے عدل و احتساب کی کئی مثالیں درج کی ہیں۔ ملاحظہ ہو: تاریخ الخلفاء ص۴۵۵' ۴۵۶

ضبط کرلی تھیں اور بعض اس کے عمال نے مالکان سے ہتھیالی تھیں۔ ظاہر بامراللہ نے اپنے دورحکومت کی ابتداء ان غصب شدہ جاگیروں کو لوٹانے سے کی۔ اس نے ہر قسم کے ناجائز ٹیکس قلمرو سے موقوف کردیئے۔

''شاہی خزانہ میں سکہ تولنے اور وزن کرنے کے دو پیمانے تھے ایک عام بازار کے رائج پیمانہ کے برابر تھا اور دوسرا اس سے ایک قیراط زیادہ۔ شاہی محاصل بڑے پیمانے سے وصول کئے جاتے تھے اور خزانہ سے دوسرے لوگوں کو بازار کے عام پیمانہ سے دیا جاتا تھا۔ ظاہر بامراللہ کو معلوم ہوا تو اس نے وزیر کو ایک تحریر لکھی۔ اس کے شروع میں قرآن مجید کی یہ آیت تھی ❶ کہ ناپ تول میں کمی کرنے والوں پر افسوس ہے' جو دوسرے لوگوں سے خود تو ناپ تول پورا کرلیتے ہیں اور دوسروں کو کم دیتے ہیں۔ کیا ان کو اس کا یقین نہیں کہ قیامت کے دن اٹھا کر کھڑے کئے جائیں گے'' ❷

ابن اثیر کا بیان ہے کہ اس کے بعد ظاہر بامراللہ نے خزانے کا پیمانہ عام پیمانوں کے برابر کردینے کا حکم دیا۔ بعض نے کہا کہ اس سے ۳۵ ہزار اشرفی سالانہ خسارہ ہوگا۔ ظاہر نے جواب دیا کہ ساڑھے تین لاکھ اشرفی سالانہ کا نقصان ہو' تب بھی پیمانہ گھٹا دیا جائے ❸

تجارتی بازاروں کا معائنہ اور نرخوں کو حد اعتدال پر رکھنا بھی تاریخ اسلام میں' محتسب کی ذمہ داری رہی ہے۔ ظاہر بامراللہ نے اس معاملے پر بطور خاص توجہ دی۔ اس نے جب محسوس کیا کہ تجارتی پابندیوں کے باعث موصل وغیرہ میں گرانی رہتی ہے' تو غلہ کی تجارت کو ہر قسم کی پابندیوں سے مستثنیٰ کردیا۔ عمال کو اس حکم کی تحریر ارسال کی کہ اسلامی مملکت میں غلے کی عام نقل وحمل کی اجازت ہے۔ اس کے علاوہ سرکاری غلہ خانوں کے منتظمین کو عام نرخ سے کم غلہ فروخت کرنے کی ہدایت جاری کی' جس سے گرانی ختم ہوگئی اور ارزانی کا دور دورہ ہوا ❹ اپنی وفات سے چند روز پیشتر ظاہر بامراللہ نے اپنے تمام عمال اور اراکین دولت کو تنبیہہ واصلاح کے لئے ایک فرمان جاری کیا' جس کا خلاصہ یہ ہے:

''اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک ایسا حکمران عطا کیا ہے' جو لغزشوں کو معاف کردیتا ہے اور صرف اسی سے مواخذہ کرتا اور انتقام لیتا ہے' جو اپنی غلطیوں پر مصر وقائم رہے۔ وہ تمہیں

---

❶ ایضاً: حوالہ بالا ❷ البدایۃ والنہایۃ: ص ۲۷۰ ج ۱۲ ❸ ایضاً: حوالہ بالا ❹ ایضاً: حوالہ بالا

عدل کا حکم دیتا ہے اور تم سے انصاف چاہتا ہے۔ تم کو ظلم سے روکتا ہے اور عدل کو تمہارے لئے پسند کرتا ہے۔ وہ خود خدا سے ڈرتا ہے اور تم کو بھی بزور اس سے ڈراتا ہے۔ پس اگر تم خلفاء اللہ فی الارض کے عہدیداروں اور اس کی مخلوق کے امینوں کے طریقے پر چلو گے تو فبہا' ورنہ برباد ہو جاؤ گے'' ❶

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے تحت جو باتیں آتی ہیں' عباسی خلفاء میں سے اکثر نہ صرف ان پر عمل پیرا رہے' بلکہ دوسروں کو بھی ان پر عمل کرنے کی ہدایت کرتے رہے۔ ان میں سے بعض کا اپنا کردار وعمل محتسب کا رہا اور بعض نے اپنے عمال کو محتسب کی ذمہ داریاں تفویض کئے رکھیں۔

❶ ایضاً: حوالہ بالا

باب پنجم

مسلمانوں کے دیگر سیاسی اداروں کا اجمالی تعارف

فصل اول

ادارہ امور خارجہ و داخلہ عہد نبوی عباس تک

پہلی اسلامی مملکت عہد نبوی میں قائم ہوئی اسکی خارجہ سیاست کے بہت سے اصول تھے ان میں ایک اہم چیز یہ ہے کہ غیر ممالک کے باشندوں کے دل موہ لینا' اسکے لئے اسلام کی تعلیمات میں زکوٰۃ خرچ کرنے کی مدّات میں ایک خاص صنف "المؤلفة قلوبهم" کا ذکر ہے اسکی بنیادی وجہ غیر مسلم کو اسلام کی طرف مائل کرنا ہے امام وقت اس سے مصالح اسلامی کا کام لے سکتا ہے کیونکہ ہر ملک میں متمدن حکومتوں کو درجہ ذیل امور کی ضرورت ہوا کرتی ہے

(۱) دشمنی کو دوست اور مددگار بنانے کیلئے
(۲) یا کم از کم غیر جانبدار بنانے کیلئے
(۳) اور دوستوں کو انعام دیکر مزید اور عظیم تر کارگزاریوں پر آمادہ کرنے کیلئے
(۴) نیز دیگر دوستوں کو ترغیب و تشویق دلانے کیلئے
(۵) یا ڈھل مل لوگوں کو تائید میں مستحکم کرنے کیلئے
(۶) یا مماثل مصالح کیلئے

اسکی ضرورت رہتی ہے کہ "سیکرٹ سرویس" سے کام لیں [1] مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں

اب ہم سیرۃ النبیؐ کے حصہ نظائر پر نظر ڈالیں گے

(۱) چنانچہ ابھی مکہ فتح نہیں ہوا تھا کہ ایک مرتبہ وہاں سخت قحط پڑا' آنحضرتؐ نے بروایت فقیہ کبیر' سرخسی [2] ابوسفیان کے پاس پانچ سو اشرفیوں کی خطیر رقم بھیجی کہ مکّہ کے غریبوں اور

---

[1] عہد نبوی میں نظام حکمرانی: ڈاکٹر محمد حمید اللہ' کراچی "اردو اکیڈمی" ۱۹۸۱ء ص ۲۵۴ تا ۲۵۷

[2] المبسوط: شمس الدین محمد بن احمد السرخسی' بیروت' دار المعرفۃ ۱۲۹۸ھ ص ۹۱' ۹۲ ج ۱۰

محتاجوں میں تقسیم کرے۔ اس پر ابوسفیان نے بے بسی کے عالم میں جھنجلا کر کہا کہ ''محمد چاہتا ہے کہ اب مکّے کے غرباء اور نوجوانوں کو ورغلا کر بھٹکائے اور ہمارے خلاف کھڑا کرے''۔

(۲) ابھی صلح حدیبیہ نہیں ہوئی ہے اور مسلمانوں کے معاشی دباؤ کے باعث قریش کی تجارت بند ہو کر روزگار پر آفت لا چکی ہے' ابوسفیان کا روزگار بھی تجارت ہی سے تھا۔ آنحضرت ﷺ اسے مدینے کی اچھی کھجوروں کی ایک بڑی مقدار بھیجتے ہیں اور معاوضہ میں طائف کا چمڑا طلب فرماتے ہیں' جس کا اسٹاک شامی راستہ کی بندش کی وجہ سے ابوسفیان کے پاس پڑا پڑا خراب ہو رہا تھا۔

(۳) ابوسفیان کی لڑکی بی بی ام حبیبہؓ سے آنحضرت نکاح فرما لیتے ہیں ❶

(۴) مکّے میں مذکورہ بالا قحط کا زمانہ ہے۔ وہاں غلّے کی درآمد مشرقی عرب خاص کر یمامہ سے ہوا کرتی تھی' یمامہ کے ایک سردار ثمامہ بن اثال نے اسلام قبول کر لیا اور آنحضرتؐ کی اجازت سے یہ حکم دیا کہ اس علاقے سے اب غلّہ مکّے کو برآمد نہ کیا جائے۔ مکّہ والے پیٹ سے مجبور ہو گئے اور جناب رسالت مآبؐ کو اپنی رشتہ داری اور صلہ رحمی کا واسطہ دے کر خط لکھا کہ یمامہ سے غلّے کی مکّہ کو برآمد کی ممانعت منسوخ کر دی جائے۔ آنحضرتؐ نے ایسا ہی کیا کیا یہ سب اہل مکّہ پر بے اثر رہا ہوگا؟

(۵) یہ غیر مسلموں کو اسلام کے حق میں متاثر کرنا تھا۔ اس کے علاوہ نومسلموں کو بھی بڑے بڑے انعام و اکرام دیئے جاتے' ان کے اعزاز ملحوظ رکھے جاتے اور ہر طرح ان کو محسوس کرایا جاتا کہ صرف روحانی اور اخروی ہی نہیں' دنیاوی اور مادی حیثیت سے بھی ان کا جدید مذہب ان کیلئے سراسر مفید ہے ❷ علاوہ اور مواقع کے فتح مکہ کے بعد ابوسفیانؓ وغیرہ نومسلموں کو سینکڑوں اونٹ فی کس بطور انعام دیئے گئے ❸

(۶) حاتم طائی کا بیٹا مدینہ آیا تو آنحضرت ﷺ نے اسکے لئے مسند بچھائی۔

(۷) سفیروں کو انعام و اکرام دینے میں جناب رسالت ﷺ کو یہاں تک اہتمام تھا کہ مرض الموت کی وصیتوں میں سے ایک اسی کے متعلق تھی کہ آپؐ کا طرزِ عمل مسلمان آئندہ بھی جاری رکھیں۔

---

❶ عہد نبوی میں نظام حکمرانی: محولہ بالا' ص ۲۵۸ ❷ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۲۵۹ ❸ ایضاً: حوالہ بالا'

(۸) کبھی مستقبل میں انعام دینے کے وعدے کئے گئے۔ مثلاً ابوثعلبہ خشنی نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ اگر رومی (بیزنطینی) علاقہ فتح ہو تو مجھے فلاں علاقہ جاگیر میں دیا جائے۔ آپؐ نے منظور فرمایا❶

صیغہ خارجہ

اسلامی حکومت دنیا میں عالمگیر امن کی ذمہ دار ہے۔ صیغہ خارجہ اس ذمہ داری کی تکمیل پر مامور ہے۔ یہ وزارت درحقیقت صیغہ امن و نظم کا ایک شعبہ ہے جس نے مستقل اہمیت حاصل کر لی۔ صیغہ خارجہ بیرونی طاقتوں کو باضابطہ امن و سلامتی کا پیغام بھیجتا ہے۔ سفارتی تعلقات اور یادداشتوں کا تبادلہ کرتا ہے اور دنیا میں امن و امان کے مقصد کو بروئے کار لانے کے لئے معاہدے طے کرتا ہے اپنے سفراء روانہ کرتا ہے اور دوسری حکومتوں کے سفراء کو امامت عظمیٰ کے سامنے پیش کرتا ہے❷ زمانہ حال کے دفاتر خارجہ قومی مفاد کی نگہداشت کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت کا صیغہ خارجہ انسان کے ہمہ گیر فائدوں کے لئے وجود میں آتا ہے اور تمام دنیا کو اپنے حلقہ اثر میں سمجھتا ہے۔ سفراء کا تقرر امامت عظمیٰ کے حکم سے ہوتا ہے حکم کی تعمیل کرنا صیغہ خارجہ کا کام ہے❸

وزارت خارجہ کی تشکیل

امام: (بحیثیت رہنمائے حکومت)

وزیر: (وہ ہستی جس کو امام دنیا میں قیام امن کا صیغہ سپرد کرتا ہے اور اس سلسلہ میں اپنے سیاسی اختیارات اسکے حوالہ کر دیتا ہے)

دفتر خارجہ: دفتر خارجہ وزیر خارجہ کے ماتحت ہے۔ اسکی تشکیل زمانہ کی ضرورت امامتِ عظمیٰ کے عزم اور امت کے مفادِ عامہ پر منحصر ہے۔

سفراء مملکت: سیاسی نمائندے صیغہ تعلقات خارجہ کا وہ اہم عنصر جو دوسری قوتوں کے سامنے اسلامی حکومت کی نمائندگی کرتا ہے اور ریاستِ عامہ کی طرف سے سفارت کے فرائض انجام دیتا ہے❹ عہد نبوی میں اس منصب پر متعدد اصحاب کا تقرر رہا۔ بارہا داخلی امن کے مقصد کو تقویت

❶ کتاب الاموال: ابوعبید قاسم بن سلام، اسلام آباد ادارہ تحقیقات اسلامی، ص ۶۷۹

❷ اسلام کا نظام حکومت: مولانا حامد الانصاری غازی، لاہور س۔ن، ص ۳۵۴، ۳۵۵ "الفیصل پبلیشنگ"

❸ ایضاً: حوالہ بالا، ص ۳۵۵ ❹ ایضاً: حوالہ بالا، ص ۳۵۵

دینے کیلئے سفارتیں بھیجی گئیں۔ اور متعدد مرتبہ عالمگیر امن کیلئے سفراء کا تقرر ہوا۔

سفراء دول: دوسری طاقتوں اور حکومتوں کے نمائندے جو امامت عظمیٰ کے دربار میں حاضر ہو کر نمائندگی کے فرائض انجام دیتے ہیں ❶ عہد نبوی میں دوسری حکومتوں کی سفارتیں اور سفراء اس قسم کی نمائندگی کر چکی ہیں ذیل میں اسکی تفصیل درج کی جارہی ہے۔

۱۔ سفارت بنی خزاعہ: حدیبیہ ۶ھ۔ صدر سفارت بدیل بن ورقاء خزاعی، رسالتمآب ﷺ نے سفارت کو یقین دلایا کہ سفرِ مکہ کا مقصد جنگ نہیں ہے۔

۲۔ قریش کی سفارت اولی: حدیبیہ ۶ھ سفیر مکرز بن حفص عامری

۳۔ قریش مکہ کی سفارت دوم: سفیر حلیس بن علقمہ۔ یہ فوجی سفارت تھی سفیر حلیس قبائل کی اتحادی فوجوں کا سردار تھا

۴۔ قریش کی تیسری سفارت: حدیبیہ ۶ھ۔ سفیر عروہ بن مسعود۔ مندرجہ بالا تینوں سفارتیں مطمئن ہو کر واپس گئیں ❷

۵۔ سفارت بنی ثقیف: ۹ھ ارکان چھے افراد صدر وفد عبد یالیل

۶۔ سفارت شاہان حمید: بعد تبوک ۹ھ

۷۔ سفارت ھمدان: سفیر مالک بن عظ، اسکے علاوہ تین اور سردار تھے

۸۔ ۹ھ میں حسب ذیل علاقوں کی سفارتیں رسالتمآب ﷺ کے حضور میں باریاب ہوئیں

(۱) سفارت بنی تمیم: ترجمان سفارت، عطارد بن حاجب

(۲) سفارت بنی عامر: سفیر عامر بن طفیل

(۳) سفارت بنی سعد: سفیر ضمام ابن ثعلبہ

(۴) سفارت عبدالقیس: سفیر جارود بن عمر یا بن بشر

(۵) سفارت بنی حنیفہ:

(۶) سفارت بنی طے: سفیر زید الخیل

(۷) سفارت بنی زبید: سفیر عمرو بن معدی کرب

(۸) سفارت بنی کندہ: اسّی ارکان، سفیر اشعب بن قیس

(۹) سفارت ازد: سفیر صرد بن عبداللہ

---

❶ ایضاً: حوالہ بالا، ص ۳۵۶ ❷ ایضاً: حوالہ بالا، ص ۳۵۶

یہ تمام سفارتیں ۹ھ کی ہیں ❶

عہد نبوی کی سفارتیں

سفیر	دربار	سنہ روانگی
(۱) خراشؓ بن امیہ	قریش مکہ	۶ھ
انہیں قریش نے قتل کرنے کی کوشش کی تھی اسلئے یہ واپس آ گئے تھے		
(۲) عثمان بن عفانؓ،	قریش مکہ	۶ھ
(۳) عمرو ابن امیہ ضمری	قریش مکہ	۶ھ
(۴) دحیہ کلبی	قیصر (حکومت روم)	۶ھ
(۵) عبداللہ بن حذافہ سہمی	کسریٰ فارس	۶ھ
(۶) حاطب بن ابی بلتعہ	مقوقس حکومت مصر	۶ھ
(۷) عمرو بن عاص سہمی	فرمانروائے عمان	۶ھ
(۸) سلیط بن عمرو عامری	فرمانروائے یمامہ	۶ھ
(۹) علاء بن حضرمی	منذر بن ساوی (حکومت بحرین)	۶ھ
(۱۰) شجاع بن وہب اسدی	والی غسان	۶ھ
(۱۱) مہاجر بن امیہ	ریاست حرث بن عبد حمیری	۶ھ ❷

اسلامی وزارت خارجہ کے تعلقات دنیا کی حکومتوں سے

دربارِ نبوت کے صیغہ خارجہ نے حبشہ، روم، فارس، مصر، یمامہ، عمان، غسان، بحرین کے درباروں میں خاص طور پر سفیر بھیجے۔ ان میں سے ہر سفیر اسلام کی طرف سے امن وسلامتی کا پیغام لے کر گیا۔ نجاشیِ حبش کے دربار میں عمرو بن امیہؓ جو پیغام لیکر گئے تھے اس میں حضورؐ نے لکھا تھا ''اسلم تسلم''، یعنی خدائے واحد کی اطاعت قبول کرو، امن وسلامتی سے بہرہ یاب ہو گے، مہاجرین کے متعلق جو تحریری یادداشت بھیجی گئی تھی اس میں یہ درج تھا۔

''میں تمہارے سامنے خداوند عرش کی تعریف کرتا ہوں اللہ کی اطاعت کی طرف دعوت دیتا ہوں، مسلمانوں کو پناہ دینا، ان پر تشدد نہ کرنا، میں تم کو اور تمہاری افواج کو خداوند

---

❶ ایضاً: حوالہ بالا، ص ۳۵۷ ❷ تاریخ ابن کثیر: محولہ سابقہ، ص ۲۱۲ تا ۲۷۷ ج ۴

بلند و برتر کی طرف دعوت دیتا ہوں' یہ خیر خواہی کا پیغام ہے اسکو قبول کرنا تمہارا کام ہے۔
امن و سلامتی کا وہی مستحق ہے جو سچی رہنمائی کو قبول کرتا ہے'' ❶

نجاشی نے اس پیغام کو عزت سے قبول کیا اور اچھے عنوان سے اسکا جواب دیا اسکے بعد دنیا نے دیکھا کہ حبش کا امن ایک ہزار سال تک بدستور باقی رہا ❷ اسلام کے صیغہ خارجہ پر یہ الزام عائد نہیں ہوسکتا کہ اس کا کام ملک گیری ہے اور مقصد شہنشاہیت کو رواج دینا۔ اسلامی تاریخ میں کوئی ایسی سفارت نہیں مل سکتی جس نے شہنشاہیت کیلئے کسی معاہدہ پر دستخط کئے ہوں ❸

امور داخلہ

اسلامی حکومت کے نظام میں داخلی امن و نظم کا کام صیغہ امور داخلہ سے متعلق ہے' یہ ریاستِ عامہ کے شہریوں کے حقوق' جان و مال اور عزت و آبرو کی نگہداشت اس صیغہ کی ذمہ داری ہے۔ یہ صیغہ جمہور کے باہمی معاملات کو درست رکھنے پر زور دیتا ہے' صیغہ عدل و انصاف اور صیغہ مفاد عامہ کو ان کے فرائض کی ادائیگی کے قابل بناتا ہے اور حکومت کے اعلیٰ و ادنیٰ حکام کو قانون کے مطابق کام کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں سب سے پہلے امور داخلہ کی طرف توجہ فرمائی اور اس سلسلہ میں اپنی حکمت عملی کی بنیاد حسبِ ذیل امور پر قائم کی:

(۱) مدینہ طیبہ کو نظم مملکت کا مرکز قرار دیا اور داخلی نظام کے تمام شعبوں کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھا ❹

(۲) یہود (بنونضیر' بنوقریظہ' بنوقینقاع) مدینہ کے اطراف میں قلعہ بند مکانوں اور برجوں میں بودوباش رکھتے تھے۔ دولتمند تھے' بااثر تھے اور جنگ کا ساز و سامان رکھتے تھے۔ آپؐ نے ان سے یہ معاہدہ کیا ''انہیں مذہبی آزادی حاصل رہے گی' اور وہ زمانہ امن میں مسلمانوں کے حلیف اور زمانہ جنگ میں رفیق متصور ہونگے ❺ چنانچہ اس معاہدہ سے آغازِ کار میں معاملاتِ داخلہ کی تنظیم میں کافی مدد ملی۔

---

❶ البدایۃ والنہایۃ: ابن کثیر' محولہ سابقہ' ص ۸۳ ج ۳ ❷ اسلام کا نظام حکومت: محولہ بالا' ص ۳۶۵' ۳۶۶
❸ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۳۶۶ ❹ تفصیل کیلئے دیکھئے: فتح الباری' محولہ سابقہ' ص ۹۵ تا ۱۸۴ ج ۱۳
❺ سیرۃ ابن ھشام: محولہ سابقہ' ص ۱۶ ج ۲

(۳) قریشِ مکہ ہجرت کے واقعہ سے شدید برہم تھے۔ ان کے لئے مدینہ میں مسلمانوں کا اجتماع ناقابلِ برداشت تھا' ان کا پروگرام یہ تھا کہ اس نظام پر جارحانہ حملہ کر کے اس کو ختم کر دیا جائے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کے مقابلہ میں سرحدی دفاع کا انتظام کیا۔ اور حملہ آوروں کو باز رکھنے کیلئے نیم فوجی گشتی مہمیں (جن کو سریہ کہتے تھے) جاری کیں ❶۔

(۴) مدینہ طیبہ پر اکثر بیرونی حملہ کا خطرہ پیدا ہوتا تھا' آنحضرت ﷺ ایسے مواقع پر محاذ کی کمان کے لئے خود باہر تشریف لے جاتے تھے اور اپنی عدم موجودگی میں مدینہ کا داخلی انتظام اپنے نائب الحکومۃ کے سپرد کر دیتے تھے اس قسم کے نائب ہر ایک غزوہ کے موقع پر مقرر کئے جاتے تھے۔

(۵) مدینہ طیبہ کی اسلامی ریاست ابتداء میں صرف ایک شہری ریاست تھی چند سال کی تنظیمات کے بعد اس کا رقبہ بڑھ گیا۔ آنحضرت ﷺ نے داخلی نظم کیلئے اس کو بارہ صوبوں میں تقسیم کیا اور ہر صوبہ پر ایک امیر' عامل (گورنر) مقرر فرمایا۔

یہ تھا صیغہ داخلہ کا پہلا باضابطہ کام جو آئندہ کے لئے تنظیم مملکت کی بنیاد بنا۔

خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور خلیفہ دوم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی معمولی صیغہ داخلہ نے اپنے فرائض بخوبی انجام دیئے۔ عہد صدیقی میں یہ صیغہ دو حصوں میں منقسم ہو گیا۔ ایک حصہ میں باقاعدہ نظام قائم تھا۔ ملک متعدد صوبوں میں تقسیم تھا اور ہر صوبہ پر ایک گورنر حکومت کرتا تھا۔ دوسرا حصہ شام کے محاذِ جنگ پر مشتمل تھا یہاں انتظامی حکومت فوجی کمان کے ماتحت تھی۔ فوج کے سپہ سالار ہی اس علاقہ کے گورنر ہوتے تھے۔ اس حصہِ ملک میں حضرت ابوعبیدہ' حضرت خالد' شرجیل' یزید' عمرو' امراء لشکر جمع تھے ❷

حضرت ابوبکر صدیقؓ حضورؐ کے زمانہ آپؐ کے وزیر تھے سیاسی اور اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ میں حضورؐ آپ سے مشورہ فرمایا کرتے تھے اور حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت میں یہ اعزاز حضرت عمرؓ کو حاصل تھا کہ اہم امور میں حضرت ابوبکرؓ ان کی رائے اور مشورہ پر عمل فرماتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے سپرد عدالت اور تقسیم زکوٰۃ کا محکمہ بھی تھا اور حضرت عمرؓ کے عہد میں حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی حیثیت وزراء کی تھی۔ پیچیدہ مسائل میں وہ ان کے فہم و تجربہ سے فائدہ

❶ تاریخ کی کتابوں میں اس قسم کی ترپن (۵۳) مہموں کا تذکرہ ملتا ہے دیکھئے: تاریخ طبری' ص ۱۷۱ ج ۳

❷ تاریخ ابن کثیر: محولہ سابقہ' ص ۱۶۱ ج ۲

اٹھایا کرتے تھے اور بہت سی امور داخلہ کی ذمہ داریاں بھی ان دونوں کے شانوں پر تھیں۔ مثلاً حضرت علیؓ کے ذمہ کتابت، محکمہ جیل اور مسلمان قیدیوں کے فدیہ کا انتظام کرنا❶ بنی امیہ کی خلافت جب موروثی ملوکیت کی شکل میں قائم ہوئی، اس وقت انہیں بھی اپنی داخلی و خارجی سیاسی پالیسی عمل میں لانے کیلئے وزراء کی ضرورت پڑی، اس مقصد کیلئے چند ارباب فہم و دانش کا تقرر کیا گیا، اعزاز اور قوت میں ان کی حیثیت وزیروں سے کم نہ تھی اگرچہ اس لقب سے انہیں خطاب نہیں کیا جاتا تھا۔ زیاد بن امیہ کا ایک نام ضرور ایسا ہے، جسے امیر معاویہؓ کے وزیر کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا❷

بنی عباس کا نظم مملکت و خلافت ساسانی دستورِ حکومت کی بنیاد پر قائم ہوا تھا عباسیوں کے دور عروج میں عہد ساسانی کی طرح وزیر خلیفہ کا دایاں بازو اور نظم مملکت کا محور تھا۔ گورنروں کا عزل ونصب، مالیات کا نظم ونسق اور محکمہ امور خارجہ و داخلہ اسکے سپرد تھا، صحیح معنوں میں وہ نائب خلافت ہوتا تھا۔ اور فوج وسول دونوں کا سب سے بڑا حاکم تھا، خلیفہ سے وفاداری اسکا منصبی فرض تھا۔ عباسی عہد عروج میں وزارت عظمیٰ کی حیثیت بھی بہت بلند تھی اسکی امور داخلہ کے ساتھ ساتھ امور خارجہ کی ذمہ داری بھی ہوا کرتی تھی۔ تاکہ خارجہ پالیسی کے رازوں کا افشاء نہ ہو سکے، کیونکہ اگر محکمہ امور خارجہ غیر ذمہ دار یا چند اشخاص کے سپرد کر دیا جائے تو رازوں کا چھپانا معمولاً ناممکن ہے عہد عباسی میں وزارت کی دو قسمیں تھیں (۱) وزارت تنفیذ: اس میں وزیر خلیفہ اور رعایا کے درمیان صرف واسطہ ہوتا تھا وہ حکومت کے معاملات خلیفہ کی خدمت میں پیش کر دیتا تھا، حکومت کے نظم ونسق میں اس کا کوئی دخل نہ تھا خلیفہ کے صادر کئے ہوئے احکامات پر عمل درآمد کرتا تھا اسکی حیثیت ایک سیکریٹری سے زیادہ نہ تھی۔

وزارت کی دوسری قسم وزارت تفویض: تھی یہ وزارت عظمیٰ کی حیثیت رکھتی تھی اس میں وزیر کو خلیفہ کی طرف سے حکومت کے نظم ونسق اور تصرفات کے اختیارات سونپ دیئے جاتے تھے، وزیر کیلئے یہ ضروری نہ تھا کہ انتظامی امور میں خلیفہ کی اجازت حاصل کرے، بلکہ اسے کلی اختیارات حاصل ہوتے تھے، لیکن خلیفہ کو آخری فیصلہ کرنے اور اس کے مقرر کئے ہوئے حکام کو معزول کرنے کا اختیار تھا❸

---

❶ مسلمانوں کا نظم مملکت: حسن ابراہیم حسن، محولہ سابقہ، ص ۱۳۳

❷ ایضاً: حوالہ بالا، ص ۱۳۴ ❸ ایضاً: حوالہ بالا، ص ۱۴۰

اندلس کے اموی فرمانرواؤں نے ابتداء میں وزارت کے قیام کی ضرورت نہیں سمجھی لیکن آخر میں یہ شعبہ قائم کر دیا تھا اور اسے چند شعبوں میں تقسیم کر کے ہر شعبہ ایک وزیر کے سپرد کر دیا تھا' وزارت کا یہ شعبہ مالیات' رسل و رسائل' قانون و انصاف اور امور خارجہ میں منقسم تھا' اور ہر شعبہ ایک ایک وزیر کی نگرانی میں دے دیا گیا تھا' ان وزراء کا ایک قصر میں اجتماع ہوتا تھا جہاں سے وہ سلطان کے احکام نافذ کرتے تھے ❶

تیسری صدی ہجری کے آخر میں جب خلفاء عباسیہ کے ہاتھ عصائے جہانبانی کے بوجھ سے کانپ رہے تھے' وزارت کے لئے حریفانہ مقابلہ شروع ہو گیا تھا اور ایک دوسرے کو شکست دینے کیلئے کوئی تدبیر اٹھا نہیں رکھی جاتی تھی اور ذلیل سے ذلیل حرکت کرنے سے بھی نہیں جھجکتے تھے۔

چنانچہ ریشہ دوانیاں کی جاتی تھیں اور وزارت کے غیر معمولی اقتدار کو دیکھ کر ہر ممتاز امیر کی نظریں اس پر حریصانہ پڑتی تھیں۔ خلیفہ کو راضی کرنے کیلئے بڑی بڑی رشوتیں دی جاتی تھیں تا کہ اپنی مرضی کے منصب حاصل کر سکیں۔

---

❶ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۱۴۸

فصل دوم

ادارہ فوج و پولیس

جہاد اور اس کا مقصد

آنحضرت ﷺ تیرہ سال مکہ میں لوگوں کو قرآن اور نیک اعمال کی دعوت دیتے رہے' قریش نے اس کا جواب طرح طرح کی تکلیفوں کی شکل میں دیا۔ خدا نے ان اذیتوں ❶ پر آپؐ کو صبر وضبط کی نصیحت فرمائی اور مزید تسکین کے لئے اربابِ صبر کی حکایات بیان فرمائیں۔

جب آنحضرتؐ اور صحابہؓ کے ساتھ قریش کی زیادتیاں حد سے بڑھ گئیں تو خدا نے آپؐ کو مشرکین سے ''جہاد'' کا حکم دیا' یہ خدا کے راستہ میں جنگ تھی اور صرف خدا کے واسطے تھی' خدا نے جہاد کا یہ حکم چند آیات کے ذریعہ دیا۔ جن میں سے بعض مکہ میں اور بعض مدینہ میں نازل ہوئیں۔ جہاد کی اجازت چند حالات میں دی گئی۔

(ا) جان کی حفاظت کے لئے:۔

جن (مومنوں) کے خلاف ظالموں نے جنگ کر رکھی ہے اب انہیں (اس کے جواب میں) جنگ کی اجازت دی جاتی ہے۔ کیونکہ ان پر سراسر ظلم ہو رہا ہے' اور اللہ ان کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے۔

یہ وہ مظلوم ہیں جو ناحق اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے' ان کا کوئی جرم نہ تھا اگر تھا تو یہ تھا کہ وہ کہتے تھے۔ ہمارا پروردگار اللہ ہے ❷

اور (دیکھو) جو لوگ تم سے جنگ کر رہے ہیں اللہ کی راہ میں تم بھی ان سے لڑو (پیٹھ نہ دکھلاؤ) البتہ کسی طرح کی زیادتی نہ کرو۔ اللہ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو زیادتی کرنے والے ہیں۔ اور دیکھو ان لوگوں سے جنگ جاری رکھو۔ یہاں تک کہ فتنہ' (یعنی ظلم و فساد) باقی نہ رہے اور دین صرف اللہ کے لئے ہو جائے (انسانی ظلم واستبداد کی مداخلت اس میں باقی نہ رہے) پھر اگر ایسا ہو کہ یہ لوگ جنگ سے باز آ جائیں تو (تمہیں بھی

---

❶ القرآن: بیشتر مقامات پر آپؐ کو صبر کی تلقین مذکور ہے ❷ القرآن: ۲۲:۳۹

ہاتھ روک لینا چاہئے۔ کیونکہ) جنگ کا مقصد تشدد کرنا نہیں ہے۔ مگر صرف انہی لوگوں کے مقابلہ میں جو ظلم کرنے والے ہیں۔ ❶

(۲) دعوتِ اسلام کے راستہ سے رکاوٹیں دور کرنا' تاکہ جو لوگ اسلام لانا چاہیں انہیں کوئی روکنے اور ان پر سختی کرنے والا نہ رہے اور حضرت عمار بن یاسرؓ اور حضرت بلالؓ کے واقعات کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے۔ جب اہل مکہ کے ساتھ دوسرے عربوں نے اشتراک عمل کیا تو خدا نے حکم دیا تمام مشرکین سے جنگ کرو۔ جسطرح وہ تم سے برسرپیکار ہیں۔ ❷ جب یہود مدینہ نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ کئے ہوئے معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور آپؐ کے حریف قریش سے عملی اشتراک کیا تو حکم ہوا۔

''اگر ایک گروہ (ابھی میدان جنگ میں تو دشمنوں کے ساتھ نہیں نکلا ہے لیکن اس) سے تمہیں دغا کا اندیشہ ہے تو چاہئے ان کا عہد انہی پر الٹا دو۔ (فسخ کر دو)'' ❸

جہاد کے بدلے میں مسلمانوں کو دنیا میں فتح و کامرانی اور آخرت میں بہشت کی بشارت دی گئی۔

جو لوگ آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی (اللہ کے ہاتھ) فروخت کر چکے ہیں انہیں چاہئے کہ اللہ کی راہ میں جنگ کریں اور جو کوئی اللہ کی راہ میں جنگ کرتا ہے تو خواہ وہ قتل ہو جائے خواہ غالب آئے (ہر حال میں) ہم اسے اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔ ❹

عرب کے سپاہی کا اہم مقصد فتنہ و فساد' شورش اور بغاوت کو فرو کرنا' غارت گروں سے ملک کو بچانا' ارکانِ اسلام کا قیام اور ناموسِ دین کا تحفظ اور اسلامی دائرہ عمل کی توسیع تھا اور اسی کے لئے وہ اسلحہ اٹھاتا تھا۔

فوج' آنحضرتؐ' خلافتِ راشدہ اور بنی امیہ کے زمانہ میں عہد جاہلیت میں عربوں کا کوئی خاص فوجی نظام نہ تھا' اس زمانہ میں تہذیب و تمدن کے لحاظ سے انکی سطح بہت پست تھی' جنگ کے وقت قبیلہ کے افراد' پیدل اور سوار تلواریں' نیزے اور کمانیں لے کر نکلتے اور حریف سے مقابلہ کرتے جنگ کے خاتمہ کے بعد اپنے اپنے گھروں کو واپس آ جاتے اور اپنے کاروبار میں لگ جاتے تھے۔ ❺

---

❶ القرآن:۲:۱۸۶تا۱۸۹ ❷ القرآن:۹:۳۶ ❸ القرآن:۸:۵۸
❹ القرآن:۴:۷۶ ❺ مسلمانوں کا نظم مملکت: بحولہ سابقہ' ص ۲۰۲

جب اسلام کا ظہور ہوا تو اس نے عربوں کی شیرازہ بندی کی اور ان میں مرکزی وحدت پیدا کردی' اب عرب اسلام کی نشر واشاعت کے لئے جنگ کرنے لگے اور اسلامی دائرۂ عمل کو وسیع کرنے کے لئے اقوامِ غیر پر چڑھائی شروع کردی۔ حضرت عمرؓ سب سے پہلے شخص تھے جنہوں نے فوج کو ایک منظّم شکل دی اور فوجی نظم ونسق کے لئے دیوانی فوج قائم کی۔ اس محکمہ کے فرائض میں سپاہیوں کے نام' ان کے اوصاف' ان کی تنخواہوں کی مقدار اور ان کے کارناموں کے بارے میں مکمل معلومات بہم پہنچانا اور دوسرے انتظامی معاملات داخل تھے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جنگ مذہبی جذبہ اور اسلام کے لئے ہوتی تھی۔ اس فرض کو مسلمان سپاہی بلاتنخواہ انجام دیتے تھے اور اپنی معاشی ضرورتوں کی کوئی اور سبیل نکالتے تھے۔ لیکن جب عراق' شام' فلسطین اور مصر فتح ہوگیا اس وقت مسلمان فوجیں ان ممالک میں فوجی چھاؤنیوں میں رہنے لگیں اور زراعت وغیرہ کے کاروبار میں لگ گئیں۔ اس کی وجہ سے وہ سپاہیانہ زندگی سے دور جاپڑیں' اور ان میں فوجی اسپرٹ کم ہونے لگی۔ حضرت عمرؓ نے اس خطرہ کو محسوس کیا اور ان فوجوں کو جہاد کے لئے بھیج دیا۔ اور ان کی اور ان کے خاندان کی بیت المال سے تنخواہیں مقرر کردیں حضرت عمرؓ نے فوجوں کے لئے راستہ میں قلعے اور مستقل چھاؤنیاں قائم کردیں' تاکہ فوج اونٹوں پر طویل سفر کرنے کے بعد وہاں آرام کرسکے' اس سے قبل کھجور کے پتوں سے بنے ہوئے معمولی چھپر ہوتے تھے' جہاں تھکی ہاری فوج کچھ دیر آرام کرلیتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اسلامی قلمرو میں متعدد ناکوں اور سرحدوں پر محافظ فوج دشمنوں کی ناگہانی یورشوں کو روکنے کے لئے متعین کردی۔ قلعہ بابلیون کی فتح کے وقت عربوں کی فوج کی تعداد ۱۱۰۳۰۰' ۱۵۶۰۰' اور ۱۶۰۰۰ کے درمیان تھی۔ جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا اور وہ فتنہ اٹھا جس نے مسلمانوں کا شیرازہ منتشر کردیا' اس وقت لوگ اسلام کی نشر واشاعت کیلئے نہیں لڑتے تھے بلکہ اپنے اس نظریہ اور خیال کی حمایت میں لڑتے تھے جسے وہ مصلحتِ وقت اور لوگوں کی فلاح وبہبودی کے لئے سب سے بہتر خیال کرتے تھے۔ ❶

بنی امیہ نے اس فوجی نظام کو کمال کی حد تک پہنچادیا' جس کی بنیاد حضرت عمرؓ نے رکھی تھی' لیکن جب بنی امیہ کی حالت ابتر ہوگئی اور باہمی اختلافات نے ان کی اجتماعی قوت گھٹادی۔ اس وقت مسلمان جنگ سے جی چرانے لگے اور دوسرے کاموں میں لگ گئے یہ صورتحال دیکھ کر امویوں نے زبردستی فوج میں لوگوں کو بھرتی کرنا شروع کیا اور عبدالملک بن مروان نے جبری

❶ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۲۰۳

فوجی بھرتی کا قانون بھی بنادیا۔ امیر معاویہؓ کے عہد میں فوج کی کل تعداد تقریباً چالیس ہزار تھی۔ اس میں ''رضا کار'' فوج بھی شامل تھی جو حکومت سے تنخواہ نہیں لیتی تھی بلکہ صرف شوقِ جہاد کے جذبہ کی تسکین کے لئے لڑتی تھی۔ ظہور اسلام کے وقت سے مسلمانوں اور بیزنطینوں میں جنگ چھڑی تھی۔ وہ بنی امیہ کے عہد میں بھی جاری تھی۔ مسلمانوں نے دو دفعہ قسطنطنیہ پر حملہ کیا۔ ایک دفعہ امیر معاویہؓ کے زمانہ میں دوسری دفعہ سلیمان بن عبدالملک کے عہد میں لیکن اس پر تسلط قائم نہ کر سکے تھے۔ جب قسطنطین رابع (۱۲۴۔۱۲۹ھ تا ۷۴۱۔۸۵۵ء) مشرقی روما کے تختِ حکومت پر متمکن ہونے کے بعد مسلمانوں کے مقابلہ میں آیا اور بنفسِ نفیس فوجوں کی قیادت کی۔ اس قیادت کی وجہ روما کی اجتماعی اور سیاسی حالت تھی جس کی بناء پر قسطنطین اپنے جنرلوں پر اعتماد نہیں کر سکتا تھا۔ اسے یہ کھٹکا تھا کہ فوجی طاقت ہاتھ میں آنے کے بعد کہیں وہ خود مجھ پر چڑھائی نہ کر دیں۔ ❶

بنی امیہ کے آخر عہد میں خانہ جنگی کی وجہ سے عربوں کی وحدت پارہ پارہ ہوگئی تھی قسطنطین نے اس موقع کو غنیمت جانا اور مسلمانوں کی سرحدی ملکوں پر غارت گری شروع کر دی اس وقت مسلمانوں کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ اپنی حفاظت خود کریں اور خود انتقام لیں' چنانچہ وہ اٹھے اور نہ صرف اپنا تحفظ کیا بلکہ آگے بڑھے اور جزیرۂ قبرص پر تسلط قائم کر لیا ۱۳۰ھ میں اسکندریہ سے مسلمانوں کا ایک بیڑا ایک ہزار جہازوں کا روانہ ہوا۔ یہ بیڑا ناکام رہا اور صرف چند جہاز بچ کر آ سکے۔ اس کے بعد مسلمانوں نے بیزنطی حکومت کے بلاد پر منظم طور سے حملے شروع کر دیئے اور ہر سال موسم گرما میں ان پر چڑھائی کر دیتے تھے۔ ❷

عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں صرف عربی عنصر فوج میں داخل تھا' یہ حالت اس وقت تک قائم رہی جب تک امیوں کی فتوحات کا دائرہ وسیع نہ ہوگیا۔ شمالی افریقہ اور بلادِ اندلس کی تسخیر کے بعد بربر قوم سے بھی فوجی خدمات لی گئیں۔ بنی امیہ کا بھی عرب' جاہلیت کی طرح معمول تھا کہ وہ جنگوں میں عورتوں کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ چنانچہ مسلم بن عبدالملک نے جب عموریہ (ایشائے کوچک میں قونیہ کے شمال میں) پر حملہ کیا تھا اس وقت اس کے ساتھ بہت سی عورتیں بھی تھیں۔ ❸

قسطنطین نے عہد عباسیہ میں شام کے بعض شہروں پر ۱۳۸ھ میں حملہ کیا اور شہر ملطیہ پر قبضہ

---

❶ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۲۰۳ ❷ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۲۰۳ ❸ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۲۰۴

کرلیا اور اس کے قلعوں کو برباد کردیا' مسلمانوں نے آئندہ سال اس شہر کو واپس لے لیا اور وہاں ایک بہت بڑی محافظ فوج متعین کردی۔ یہ لڑائی اس لحاظ سے مشہور ہے کہ اس میں خلیفہ منصور کی دو پھپھیاں جہاد میں شریک ہوئی تھیں۔ ان دونوں نے نذر مانی تھی کہ جب بنی امیہ کا جنازہ اٹھ جائے گا تو وہ جہاد میں شریک ہونگی۔ اس جنگ میں بیزنطینی اور عباسی قیدیوں میں تبادلہ کیا گیا تھا' اور سات سال کے لئے دونوں حکومتوں کے درمیان ایک معاہدہ بھی ہوا تھا مگر ۱۴۰ھ میں یہ معاہدہ ختم کردیا گیا اور موسم گرما میں حکومتِ روما پر پھر چڑھائی کردی گئی۔ اس کے بعد ۱۴۰ھ سے ۱۴۶ھ تک رومیوں اور مسلمانوں میں کوئی جنگ نہیں ہوئی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ منصور کو علویوں کے استیصال کی وجہ سے دوسری طرف توجہ کرنے کا موقع نہ ملا' لیکن ۱۴۶ھ سے پھر موسمِ گرما میں حملے کئے گئے جو ۱۵۵ھ تک جاری رہے۔ ۱۵۵ھ میں قسطنطین نے منصور سے مصالحت کرلی اور سالانہ جزیہ دینا منظور کیا۔ ❶

فوج' عہد عباسیہ میں

عباسیوں نے اپنی فوج میں تمام مسلمانوں کو مساویانہ حیثیت سے جگہ دی اور عربوں اور غیر عربوں کی کوئی تفریق نہیں کی' خلفاء عباسیہ کے عہد میں فوج کی تعداد لاکھوں سے اوپر تھی۔ چنانچہ صرف عراق میں فوج کی تعداد ۱۲۵۰۰۰۰ تھی۔ یہ فوج ریاست کی منظّم فوج تھی۔ اسے باقاعدہ تنخواہیں ملتی تھیں' فوج کی تعداد بڑھنے سے ان کی تنخواہیں لازمی طور پر کم کرنا پڑیں۔ اس زمانہ میں ایک سپاہی کی تنخواہ بیس درہم تھی۔ عہد عباسیہ میں منظّم فوج کے علاوہ خانہ بدوشوں' کاشتکاروں اور شہریوں کی غیر منظّم فوج بھی ہوتی تھی جو ضرورت کے وقت مذہبی جذبہ یا مادی اغراض کے لئے شریکِ جنگ ہوجاتی تھی۔ ❷

فوج کی تقسیم' افراد کی نوعیت کے لحاظ سے ہوتی تھی۔ ایک فوج جنگی فوج کہلاتی تھی یہ فوج ایرانی تھی' اس میں خراسانیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ خلفاء کی یہ سیاست تھی کہ وہ شمالی عربوں اور جنوبی عربوں کو ایک دوسرے سے الگ رکھتے تھے' تاکہ وہ ایک دوسرے سے لڑنے نہ لگیں' عباسیہ کا جب دورِ عروج ختم ہوا' اس وقت فوج میں ایک جدید عنصر داخل ہوا' جس کا اقتدار بہت جلد بڑھ گیا اور خراسانیوں سے زیادہ خطرناک دکھائی دینے لگا۔ یہ جدید عنصر ترکوں کا تھا' جو کسی زمانہ میں حبشِ عباسی میں چوتھے درجہ کے سپاہی خیال کئے جاتے تھے۔ ❸

---

❶ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۲۰۴ ❷ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۲۰۵ ❸ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۲۰۵

بنی امیہ کے آخری عہد تک فوج میں صرف عرب داخل تھے' عباسی ریاست جب ایرانیوں کے کندھوں پر قائم ہوئی تو قدرتی طور پر فوج میں ایرانی عنصر داخل ہوگیا۔ اور ایرانیوں کا اتنا اثر ورسوخ بڑھا کہ وہ خلافت کے رگ وریشہ میں پیوست ہوگئے۔

۲۱۸ھ میں جب معتصم خلیفہ ہوا تو اس نے محسوس کیا کہ مملکت کی حفاظت کیلئے ایک زبردست فوج کی ضرورت ہے' اس مقصد کے لئے اس نے صدہا ترکوں کو فوج میں داخل کیا' وجہ یہ تھی کہ معتصم کی ماں ترک تھی۔ فوج میں داخل کرنے کے لئے ترکوں کو بلاد ماوراالنہر سے لایا جاتا تھا۔ معتصم حسنِ صورت' حسنِ کمال' شجاعت اور اسلام کے شیفتہ ہونے کی وجہ سے ترک غلاموں پر بیحد اعتماد کرنے لگا اور اپنے قصر کی حفاظت انہی کے سپرد کردی انہیں بڑے بڑے عہدے دیئے۔ بڑے بڑے صوبوں کا گورنر مقرر کردیا اور انعام واکرام کی بارش کردی اور عربوں اور ایرانیوں دونوں پر ان ترکوں کو ترجیح دی' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں اور ایرانیوں کے جنرلوں کی غیرت کو ٹھیس لگی اور وہ حسد سے جلنے لگے' عرب اور عربوں کے جنرل خاص طور پر ترکوں سے بیزار تھے اور ترکوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے تدبیریں سوچنے لگے۔ ان عربوں نے عباس بن مامون کو خلافت کا دعویٰ کرنے پر آمادہ کیا اور طرح طرح کی سازشیں کرنے لگے' معتصم کو اس سازش کی خبر ہوگئی اور عباس کو اس نے قتل کرادیا۔

اس سازش کا اثر یہ ہوا کہ معتصم کو عرب اور ایرانی جنرلوں سے بدگمانی اور نفرت پیدا ہوگئی اور آہستہ آہستہ انہیں نکالنا شروع کردیا ''دیوانِ عطا'' کی فہرست سے ان سب کے نام خارج کردیئے گئے اور اب معتصم کا ترکوں پر پہلے سے زیادہ اعتماد ہوگیا' اور ان کی تعداد بڑھا کر ستّر ہزار تک پہنچادی گئی' ان غیر معمولی عنایات سے ترکوں کا دماغی توازن بگڑ گیا اور ان کی شرارتوں اور بیہودگیوں کی کوئی انتہا نہ رہی اور وہ مدہوشی کے عالم میں بچوں اور بوڑھوں کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندتے ہوئے گذر جاتے اور کوئی پروانہ کرتے تھے ان حرکتوں کی وجہ سے عام لوگوں میں ہیجان پیدا ہوگیا اور حکومت سے ان کے خلاف احتجاج کیا۔ معتصم نے وقت کی نزاکت محسوس کی اور دجلہ کے مشرقی سمت ایک شہر ''سامرا'' تعمیر کرایا اور اسے دارالخلافت قرار دیا۔ اس کی وجہ سے عام آبادی سے یہ بلا دور ہوگئی۔ کچھ عرصہ بعد خود معتصم کو اپنے لئے ان ترکوں سے خطرہ نظر آنے لگا۔ اگر معتصم اس وقت بھی سیاسی تدبر سے کام لیتا تو عرب جنرلوں کی امداد سے خلافت کے اقتدار کو

بچا سکتا تھا۔ مگر معتصم کی لاابالی طبیعت نے ان کی طرف سے سہل انگاری برتی اور یہ تخریبی عناصر ترقی کرتے رہے' جب واثق خلیفہ ہوا تو اس نے ایک قدم اور بڑھایا اور ان ترکوں کو حکومت کے نظم ونسق میں بھی دخیل کرلیا' نتیجہ یہ ہوا کہ یہ حکومت پر چھا گئے اور خلیفہ بے دست و پا ہو گیا' واثق کے بعد متوکل نے ان کے اثر و اقتدار کو گھٹانے کا ارادہ کیا' انجام یہ ہوا کہ ان ترکوں نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا' اس کا بیٹا مستنصر بھی اس قتل میں شریک تھا۔ اب دولتِ عباسیہ سازشوں اور بدنظمی کی جولانگاہ تھی اور اس وقت ترک امراء کے اختیار میں خلیفہ کا عزل ونصب اور حبس وقتل تھا۔ سمندرِ ناز پر تازیانہ یہ تھا کہ فوجی جنرلوں میں رقیبانہ کشمکش جاری تھی جس نے حالت کو بد سے بدتر بنا دیا تھا۔ ❶

یہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ خلافتِ راشدہ' بنی امیہ اور بنی عباس کے دور میں جو شورشیں اٹھیں ان میں عرب فوجوں کا نمایاں حصہ رہا ہے۔ یہ اپنے حریف کے مقابلہ میں جب اشتراکِ عمل کرتی تھیں اس وقت یہ آگ اور مشتعل ہو جاتی تھی۔

عہد عباسیہ کا مشہور اور ممتاز جنرل ابومسلم خراسانی تھا' جس کی قیادت میں مشرقی خراسان کی فوج تھی' دوسرا درجہ عبداللہ بن علی عباسی کا تھا جو مغربی بلاد کی فوج کا سپہ سالار تھا۔ اس فوج میں اکثر بلاد الجزیرہ اور شام کے عرب سپاہی شامل تھے۔ جب عبداللہ بن علی نے منصور کے خلاف بغاوت کی اور ابومسلم خراسانی نے اپنی خراسانی فوج سے اسے شکست دی۔ یہ شکست سچ پوچھو تو ایرانیوں کے مقابلہ میں عربوں کی شکست تھی۔ صرف عبداللہ کی شکست اور ابومسلم کی فتح نہ تھی۔ اس فتح سے فوجوں میں خراسانیوں کا پلہ بھاری ہو گیا۔ اور وہ خلافت پر چھانے لگے' منصور کو ابومسلم اور اس کی فوج سے اب خطرہ پیدا ہوا اور اس نے ابومسلم کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور خراسانیوں پر اعتماد کرنا چھوڑ دیا۔ عربوں میں ابھی عصبیت کا جذبہ باقی تھا۔ منصور نے اس جذبہ کو ابھارا اور فوج میں کثرت سے عربوں کو داخل کیا اور اپنی فوج کی قیادت بھی انہی کے سپرد کر دی۔ ان عرب جنرلوں میں عیسیٰ بن موسیٰ کی شخصیت نمایاں تھی جس نے محمد بن عبداللہ علوی (جس کا لقب نفسِ زکیہ تھا) کو شکست دی تھی۔ عربوں میں ایک ممتاز جنرل معن بن زائدہ شیبانی تھا' یہ بنی امیہ کا جنرل تھا' اس نے واسط میں حاکمِ عراق یزید بن عمر سے مردانہ وار مقابلہ کیا تھا' لیکن بدقسمتی سے

---

❶ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۲۰۶

جب ابن عمر کو کامیابی ہوئی تو معن بن زائدہ روپوش ہوگیا۔ کچھ عرصہ بعد جب راوندیوں نے منصور کے خلاف بغاوت کی اس وقت ابن زائدہ نے منصور کی طرف سے ان کا مقابلہ کیا اور انہیں تتر بتر کرادیا۔ اثنائے جنگ میں ابن زائدہ ڈھاٹا باندھے ہوئے تھا' لڑائی ختم ہونے کے بعد منصور کو معلوم ہوا تو اس نے اسے جان کی امان دی' اور دس ہزار درہم انعام دیے اور اسد الرجال (شیر مرداں) کا خطاب دیا۔ کچھ مدت بعد ابن زائدہ کو بلادِ یمن سجستان کا گورنر بھی مقرر کیا گیا۔ ۱۵۱ھ میں خارجیوں نے اسے شہر بست میں قتل کر دیا۔ ❶

منصور کا سب سے بڑا جنرل عمر بن العلاء تھا' منصور ۱۴۱ھ میں جب اہل طبرستان کی سرکوبی کے لئے نکلا اس وقت ابن العلاء نے ایک طویل عرصہ تک ان کا مقابلہ کیا اور انہیں شکستِ فاش دی اور دوبارہ ان کے شہروں پر قبضہ کرلیا۔ اس شجاعانہ کارنامہ سے منصور بیحد متاثر ہوا اور ابن العلا منصور اور مہدی کی مہربانیوں کا ہمیشہ مرکز رہا۔ مہدی کے عہد خلافت میں ابن العلا نے وفات پائی۔ ❷

عصبیت جیش عباسی میں

مضریوں کے مقابلہ میں ''مرج راہط'' کی جنگ میں یمنیوں کی کامیابی کا نتیجہ یہ ہوا کہ یمن کے مروانی خاندان کا اقتدار بڑھ گیا۔ شام و عراق میں یمنیوں اور مضریوں کی کشمکش کا انجام یہ ہوا کہ بنی امیہ کے آخری خلیفہ مروان بن محمد کو زاب (موصل اور اربل کے درمیان ایک موضع) کے مقام پر شکست ہوئی۔ ابن محمد کی شکست کے ساتھ بنی امیہ کا آفتابِ حکومت بھی غروب ہوگیا اور ان کی ہڈیوں پر بنی عباس کی سلطنت کی تعمیر ہوئی۔ ❸

عصبیت' عباسیہ کی قیامِ دولت اور ضعف وانحطاط دونوں کا باعث ہوئی' بلادِ مغرب میں ان حجازیوں کے درمیان جنہوں نے ان بلاد کو فتحِ اسلامی کے بعد وطن بنالیا تھا اور ان شامیوں کے درمیان جو عہد عباسی میں آکر یہاں آباد ہوئے تھے۔ شدید عصبیت پیدا ہوگئی اور بربر نے ادریس بن عبداللہ علوی کی پشت پناہی سے مراکش میں ادارسہ کی حکومت کی بنیاد ڈالی' یہ مہدی کے دورِ خلافت کا ذکر ہے۔ ❹ بلادِ اندلس میں یمنیوں اور مضریوں میں اور زیادہ عصبیت تھی' وہاں سے خلافتِ عباسیہ کے اقتدار کے خاتمہ اور اس کی جگہ اندلسی دولت بنی امیہ کے قیام میں اس

❶ تاریخ طبری: بحوالہ سابقہ' ص ۱۷۴' ۱۷۵ ج ❷ تاریخ طبری: بحوالہ سابقہ' ص ۱۷۷ ج ۹

❸ مروج الذھب ومعدن الجواہر: ابوالحسن علی بن الحسین بن علی' قاہرہ ''م۔ن'' ۱۳۰۳ھ ص ۱۵۵ تا ۱۵۸

❹ The caliphate, its Rise, Declin and fall: Muir, sir william Temple. Oxford, 1921, p 470.

عصبیت کا بہت بڑا دخل تھا۔ عباسی فوج میں یہ عصبیت صرف یمنیوں اور مضریوں کے درمیان قبائلی تنگ نظری تک محدود نہ تھی بلکہ اس کا دائرہ قومی عصبیت تک وسیع تھا' اس قومی عصبیت کے جراثیم معتصم کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے' ممکن تھا یہ عصبیت معتصم کا خاتمہ اس وقت کر دیتی جب وہ بیزنطی شہنشاہ تیوخیل سے جنگ کرنے نکلا تھا۔ ❶ لیکن حسنِ اتفاق سے وہ بچ گیا تھا' سچ پوچھیے تو اس عصبیت کے لئے اس وقت میدانِ عمل وسیع نہ تھا کیونکہ فوج میں عربوں کا اقتدار ترکوں کے مقابلہ میں کچھ نہ تھا ''خلافت'' ترکوں کی پشت پناہ تھی' عرب بے یارومددگار تھے۔ اس لئے نہایت آسانی سے ترکوں نے عربوں کو ایک ایک کر کے فوج سے نکال باہر کیا۔ اور اپنے اثر واقتدار سے ان کے نام دیوانِ عطاء سے خارج کرا دیے۔ عرب مجبوراً شہریوں میں گھل مل گئے اور اپنی معاشی ضرورتوں کے لئے زراعت' صنعت اور تجارت کے کاروبار میں منہمک ہو گئے۔

فوج کا اسلحہ

عربوں کی ریاست (State) اسلحہ اور سامان جنگ پر بے دریغ روپیہ صرف کرتی۔ ان کی فوج' سوار اور پیادہ دو حصوں میں تقسیم تھی' سوار زرہ' تلوار اور نیزوں اور پیادہ زرہ' چھوٹے نیزوں اور تیر وکمان سے مسلح ہوتے تھے۔

عہدِ جاہلیت میں عربوں کے یہی اسلحہ تھے' وہ انہیں اپنی ناموس وعزت کے تحفظ اور اپنی معاشی ضرورتیں مہیا کرنے کے لئے استعمال کرتے تھے' تیر وکمان چلانے میں انہیں بہت مہارت تھی۔ وجہ یہ تھی کہ ایک تو ان کی بینائی تیز تھی۔ دوسرے انہیں شکار وغیرہ میں تیر وکمان سے کام لینے کا بہت اتفاق ہوتا تھا' ان کے نشانہ کی یہ کیفیت تھی کہ اگر وہ ہرن کی صرف ایک آنکھ میں تیر کا نشانہ مارنا چاہتے اور دوسری میں نہ چاہتے تو ان کا تیر ٹھیک نشانہ پر بیٹھتا تھا۔

اسلام کے ابتدائی دور میں جب مسلمانوں اور رومیوں کا مقابلہ ہوا' اس وقت مسلمانوں کی تیراندازی کی مہارت نے رومیوں کو سخت نقصان پہنچایا' کیونکہ رومی تیراندازی میں ماہر نہ تھے' اس لئے ان کا یہ پہلو کمزور تھا۔ مسلمان جنرلوں نے ان کی اس کمزوری کو بھانپ لیا اور وہ اپنی فوج کو خاص طور پر تیراندازی کی ٹریننگ دیتے تھے' غالباً آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ منبر پر کھڑے ہو کر رومیوں کی اسی کمزوری کی طرف اشارہ فرمایا تھا ''دشمنوں کے مقابلے کے لئے زیادہ سے زیادہ فوجی طاقت پیدا کرو۔ تیراندازی کی مہارت' تیراندازی کی مہارت' تیراندازی کی مہارت'' ❷

❶ The caliphate, its Rise, Declin and fall: Muir, sir william Temple. Oxford, 1921, p. 512.

❷ سنن ابن ماجہ: محولہ سابقہ' کتاب الجہاد' اور دیکھئے صحیح مسلم' کتاب الجہاد

آنحضرت ﷺ نے جب بنی ثقیف کا طائف کے قلعوں میں محاصرہ کیا' تو بنی ثقیف نے اوپر سے تیروں کی بارش کردی اس وقت آپ منجنیق استعمال کرنے پر مجبور ہوئے اسلام میں منجنیق استعمال کرنے کا یہ پہلا موقع تھا۔ ❶ آنحضرتؐ نے وہاں ٹینکوں اور ضفبوروں سے بھی کام لیا تھا' ٹینکوں میں اندر بیٹھ کر مسلمان قلعہ کی دیوار تک پہنچتے اور قلعہ کی دیواروں میں نقب لگاتے' ان ٹینکوں کی وجہ سے دشمنوں کے تیروں کی زد سے محفوظ رہتے' ضفبوروں میں بیٹھ کر قلعوں کے قریب پہنچتے اور قریب سے دشمنوں پر تیراندازی کرتے اور خود مامون رہتے تھے۔ ❷

پیادہ فوج میں تیرانداز سب سے اہم عنصر خیال کیا جاتا' جنگ کے وقت پیادہ سپاہ صف بستہ کھڑی ہوتی' اس کے آگے نیزہ باز۔ سواروں کے حملوں کو روکنے کے لئے کھڑے ہوتے تھے۔ پیادہ فوج گھٹنوں تک قبائیں اور پائجامے اور جوتے پہنے ہوتی تھی۔ سوار زرہ اور خود پہنے ہوتے تھے۔ یہ خود فولاد کا ہوتا تھا اور اس میں گِدھوں کے پر منڈھے ہوتے تھے۔

ایرانی اور دوسری متمدن قوموں سے عربوں کے اختلاط کا اثر ان کے اسلحہ جنگ میں اصلاح اور ترقی کی صورت میں ظاہر ہوا' عرب اپنے حریفوں سے نہ صرف اسلحہ اور ان کے استعمال کے لحاظ سے امتیازی حیثیت کے مالک تھے بلکہ وہ جوشِ جہاد' صبر وضبط' ایثارِ نفس' ناموس دین کی حمایت اور پھرتی کے لحاظ سے بھی ممتاز تھے۔

دولتِ عباسیہ کے شروع میں ''عرض جیش'' فوج کی ٹریننگ کا جزو خیال کیا جاتا تھا' خصوصاً منصور کے عہد میں' جس نے جنگی مسائل سے بہت دلچسپی کا اظہار کیا تھا اور وہ اسے بہت دلچسپ مشغلہ خیال کرتا تھا کہ خود پہنے تخت پر بیٹھا ہو اور فوج کو اس کے سامنے پیش کیا جائے اس کے زمانہ میں فوج کے تین حصے تھے۔ شمالی عربوں کی فوج (مضر) جنوبی عربوں کی فوج (یمنی) اور خراسانیوں کی فوج۔

متوکل جب خلیفہ ہوا تو اس نے تمام فوج کی قدیم وردی بدل دی' اور ان کی خاکی وردی مقرر کی اور تلواروں کو گردنوں میں حمائل کرنے کی جگہ کمر سے لٹکانے کا حکم دیا۔ ❸

عباسی دور میں فوج کا نظام موجودہ زمانہ سے بہت ملتا جلتا تھا' اس زمانہ میں جاسوسی کا نظام

---

❶ سیرت ابن ہشام: بحوالہ سابقہ' ص ۳۰۳ ج ۳ ❷ مسلمانوں کا نظم مملکت: بحوالہ سابقہ' ص ۲۱۰

❸ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۲۱۰

بھی قائم تھا' یہ خدمت مرد وعورت دونوں انجام دیتے تھے۔ جاسوس' تاجروں' طبیبوں وغیرہ کے بھیس میں ہمسایہ ملکوں میں جاتے اور اپنی مملکت کو وہاں سے اطلاعات بھیجتے تھے۔ لیکن عربوں کی جاسوسی بیزنطینی قلمرو میں کچھ زیادہ کامیاب نہ ہوسکی تھی یہ حکومت مسلمانوں کی حکومت کی حریف تھی اور عہدِ ماضی میں فنونِ جنگ میں بیزنطی عربوں کے استاد تھے۔

عرب افریقیوں کی غارت گریوں کو روکنے کے لئے اس زمانہ میں غیر معمولی فوجی صلاحیت بیدار مغزی اور بے جگری کی ضرورت تھی' سوریا کی وہ سرحد جو ایشیائے کوچک کے مقابل میں ہے' عربوں کے لئے ہمیشہ خطروں کی آماجگاہ تھی' ایک طویل مدت تک مسلمانوں اور افریقیوں میں وہاں مقابلہ رہا۔ کبھی عربوں کا پلہ بھاری رہتا کبھی افریقیوں کا۔ اور طرسوس' اذنہ مصیصہ مرعش' ملطیہ کبھی عربوں کے قبضہ میں رہتے اور کبھی رومیوں کے قبضہ میں چلے جاتے۔

منصور نے طرسوس' اذنہ' مرش اور ملطیہ پر تسلط قائم کرنے کے بعد وہاں مزید فوجی استحکامات کا انتظام کیا تھا ان کی ازسرنو تعمیر کی تھی اور ان کا نام ''ثغور'' رکھا تھا۔

ہارون رشید جب خلیفہ ہوا تو اس نے ان ''ثغور'' کو ایک مستقل صوبہ بنادیا اور وہاں ایک خاص فوجی نظام مقرر کیا' وہاں قلعے تعمیر کئے اور حفاظت کے لئے ایک مستقل فوج رکھ دی' اس فوج کی تنخواہ باقاعدہ دی جاتی تھی اور اس فوج کو اس بات کی بھی اجازت دیدی کہ وہ زمینوں کو آباد کریں' جوتیں اور بوئیں۔ اس کی وجہ سے مسلسل جنگوں کے باوجود اس صوبہ کو غیر معمولی ترقی ہوئی اور وہ فلاح و بہبودی اور خوشحالی کے لحاظ سے اس زمانہ میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ یہ حالت واثق باللہ کے عہد خلافت تک قائم رہی۔ واثق باللہ کے زمانہ سے اس کی ترقی معکوس ہوگئی تھی' اس صوبہ کی عام خوشحالی اور دولت وثروت کی وجہ سے بہت سے شعراء اور علماء یہاں آباد ہوگئے تھے اور نہایت اطمینان سے علماء وہاں درس وتدریس میں مشغول رہتے اور شاعر شاعری کیا کرتے تھے۔ ❶

فوج کی قیادت

دورِ رسالت میں آنحضرت ﷺ مسلمانوں کی فوج کے جنرل تھے۔ خلافتِ راشدہ کے ابتدائی دور میں یہ ذمہ داری خلفاء نے اپنے سر لی' لیکن جب ان خلفاء کی ذمہ داریاں بہت زیادہ بڑھ گئیں اور فوجیں مختلف مقامات پر جنگ میں مصروف تھیں اس وقت خلیفہ کے لئے یہ دشوار تھا

❶ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۲۱۱

کہ وہ فوج کی قیادت کر سکے' اس لئے اب ایسے شخص کو قیادت سونپ دی جاتی تھی جو شجاعت' قوت اور جرأت وحوصلہ میں بے مثل ہوتا تھا اور غیر معمولی فوجی قابلیت رکھتا تھا' اس شخص کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ وہ نہایت ذکی اور مدبّر ہو۔ یہ بیان کرنے کی شاید حاجت نہیں کہ جنرل کو اپنی فوج پر پوری سیادت حاصل ہوتی تھی۔ ❶

ایک کامیاب جنرل کے لئے شیر کی جرأت' مور کی بے حسی' لومڑی کی فریب کاری' کتے کا صبر وضبط' کرگی کا چوکنا پن' بھیڑیے کی غارت گری' مرغ کی فیاضی' مرغی کی شفقت (اپنے بچوں سے) کوّے کی احتیاط' اور تعرّد کی جفاکشی لازمی خیال کی جاتی تھی۔ ❷

خلیفہ کی طرح سپہ سالار کی اطاعت بھی ضروری تھی' وہ خلیفہ کا قائم مقام ہوتا تھا۔ اور خلیفہ کے قائم مقام کی حیثیت سے نماز کی امامت کرتا تھا' اتفاق سے اگر کسی جگہ چند جنرل جمع ہو جاتے تو خلیفہ کسی ایک جنرل کو امامت کے لئے متعین کر دیتا۔ یہ سپہ سالار ''قائد القواد'' یا کمانڈر انچیف کی حیثیت رکھتا تھا۔ ❸ خاتمہ جنگ کے بعد جنرلوں کے فرائض فوج کی تعلیم وتربیت اور سامان جنگ اور اسلحہ جات کی فراہمی تک محدود ہوتے تھے۔

عرب جنرلوں کا طریقہ جنگ کی تنظیم وترقی اور اصلاح میں بہت بڑا حصہ ہے۔ عرب جاہلیت میں لڑنے کے دو طریقے یعنی ''کرّ'' ''فرّ'' رائج تھے۔ عرب اپنے دشمن پر جارحانہ حملہ کرتے یہ ''کرّ'' تھا اور جب وہ اپنے اندر کچھ ضعف اور تھکن محسوس کرتے تو پیچھے ہٹ آتے اور پھر ستانے کے بعد دشمنوں پر ٹوٹ پڑتے' یہ ''فرّ'' کہلاتا تھا' عہد جاہلیت میں عربوں کا یہی طریقۂ جنگ تھا جو کسی نظام کے بغیر رائج تھا۔ ❹

اسلام کے بعد عرب جنرلوں نے اس طریقہ کو ناکافی خیال کیا اور تجربات سے معلوم ہوا کہ یہ طریقہ ایک منظّم فوج کے لئے مناسب نہیں ہے' قرآن نے ان الفاظ میں طریقہ جنگ میں اصلاح کی طرف اشارہ فرمایا۔ ''بلاشبہ! خدا ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو خدا کے راستہ میں صف باندھ کر ''بنیان مرصوص'' کی طرح لڑتے ہیں''۔ چنانچہ مسلمان آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں نماز کی طرح صف باندھ کر لڑنا شروع کرتے تھے اور برابر سب دشمن کی طرف بڑھتے اور ایک انچ بھی آگے پیچھے نہیں ہوتے۔

---

❶ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۲۱۲ ❷ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۲۱۲ ❸ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۲۱۲ ❹ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۲۱۲

بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانہ میں عربوں کا اختلاط ایرانیوں سے بڑھ گیا' اور عربوں نے ایرانیوں سے فوجی تنظیم سیکھی اور ایرانیوں کی طرح فوج کو ہراول یا مقدمتہ الجیش (یہ۔۔۔۔ ہوتے) قلب (جہاں بادشاہ یا سپہ سالار رہوتا تھا) میمنہ' میسرہ اور ساقہ میں تقسیم کردیا اور صف بندی کے پرانے طریقہ کو چھوڑ دیا' عربوں نے تہذیب وتمدن میں ترقی کیساتھ ساتھ اس میں طرح طرح کی اور بھی اصلاحیں کیں۔

عربوں نے اس زمانہ میں عورتوں کو اپنے ساتھ جنگوں میں لے جانا چھوڑ دیا۔ اور جنگ پر جاتے وقت مستحکم اور مضبوط شہروں میں عورتوں کے قیام کا انتظام کردیا جاتا تھا۔ ❶

جنرل فوج کے ساتھ نہایت رواداری اور محبت کا سلوک کرتے تھے' مگر جو فوجی نظام برباد کرتا یا مفتوحہ ممالک کے کسی شہری سے بدسلوکی سے پیش آتا اسے سخت سزائیں دی جاتیں شراب کی حرمت نے ان کے اخلاق کو اعتدال پر رکھنے میں بہت سہارا دیا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ کوئی سپاہی چار ماہ سے زیادہ اپنے اہل وعیال سے علیحدہ نہیں رہتا تھا۔ چار ماہ کے بعد اسے چھٹی مل جاتی اور چند ماہ کے لئے اپنے گھر چلا جاتا۔ ❷

سپاہیوں کا جذبۂ جہاد آیات قرآنی کی تلاوت سے بیدار کیا جاتا تھا۔ اور طبلِ جنگ اور فوجی بینڈ دلوں میں امنگ پیدا کرنے کے لئے بجائے جاتے تھے' عرب کا سپاہی جانبازی میں مشہور تھا۔ اس کا اعتقاد تھا کہ خدا کے راستہ میں مرنے کے بعد سیدھا جنت میں جاؤں گا جہاں حوریں میرے استقبال کے لئے منتظر کھڑی ہوں گی۔

پولیس کا نظام

خلافتِ راشدہ بنی امیہ اور بنی عباس میں پولیس کا نظام

پولیس کا کام امن وامان اور نظم ونسق قائم کرنا اور قائم رکھنا تھا۔ پولیس کا عملہ سرکشوں اور مجرموں کو سزائیں دیتا تاکہ شہریوں کو سکون واطمینان حاصل ہو۔ سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شب کے چوکیدار کے لئے نظامِ عسس قائم کیا تھا۔ پھر حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت میں باقاعدہ پولیس کا نظام قائم ہوا۔ اس محکمہ کے سب سے بڑے افسر کو "صاحبِ شرطہ" یا پولس کا افسر کہا

❶ Sayed Ameer All. p 64 ❷ ..... Ibid. p. 64, 65

جاتا تھا۔ یہ خلیفہ کا عموماً قریبی رشتہ دار ہوتا تھا اور صاحبِ عصبیت اور صاحب قوت ہوتا اس کے لئے ضروری خیال کیا جاتا تھا' وہ اس زمانہ کے فوجی پولیس افسر سے زیادہ مشابہ تھا ابتدا میں پولیس کا محکمہ عدالت کے ماتحت ہوتا تھا' اس کا فرض عدالت کے احکام کا نفاذ اور حدودِ شرع کو عمل میں لانا تھا' مگر کچھ عرصے بعد یہ مستقل محکمہ ہو گیا اور جرائم پیشہ لوگوں کو براہ راست سزائیں دینے لگا۔ ہشام بن عبدالملک (۱۰۵ھ۔۱۲۵ھ) نے ''نظام احداث'' کو اسی محکمہ سے وابستہ کر دیا' اس کے افسر کے فرائض پولیس افسر اور سپہ سالار کے فرائض کے بین بین ہوتے تھے۔ ❶ پولس افسر کے فرائض عموماً بڑے بڑے جنرلوں اور آزاد کردہ غلاموں (عہد عباسیہ میں) کے سپرد کئے جاتے تھے۔ پولیس افسر کے اختیارات کا دائرہ عمل رعایا کے تمام طبقوں تک وسیع نہ تھا۔ صرف بڑے بڑے امراء بڑے بڑے عہدہ داروں' غنڈوں اور سرکشوں تک محدود تھا۔

اندلس کے اموی خلفاء کے عہد میں پولیس کے نظام نے بہت ترقی کر لی تھی۔ اندلس میں پولیس کے محکمہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ بڑا محکمہ اور چھوٹا محکمہ۔ بڑے محکمہ کے افسر شاہی ملازمین' خاندانِ شاہی اور بڑے بڑے رتبے کے لوگوں پر اقتدار رکھتے تھے۔ اور چھوٹے محکمہ کے افسر عام رعایا پر اختیارات رکھتے تھے' بڑے محکمہ کے افسر کے لئے دربارِ شاہی میں ایک خاص اعزازی کرسی ہوتی تھی اور دوسرے امراء حکومت پر اس کا اقتدار و اثر ہوتا تھا اور وہ وزیر اور حاجب کے قریب قریب ہم پلّہ ہوتا تھا۔ ❷

مصر میں پولیس کا نظام

مصر میں عربوں کی حکومت کے زمانہ میں پولیس افسر بہت بڑا عہدہ دار خیال کیا جاتا تھا۔ جب امیر یا گورنر دارالسلطنت سے باہر جاتا تو پولیس افسر اس کا قائم مقام ہوتا تھا۔ اس لئے اس عہدہ کو دارالسلطنت (فسطاطا) کی خلافت بھی کہتے تھے۔ پولیس افسر سلطان اور گورنر کی طرف سے اس کی غیر حاضری میں امامت بھی کرتا تھا' فوج کی تنخواہوں وغیرہ کے معاملات بھی اسی کے سپرد تھے۔ پولیس کا محکمہ عربوں کے مصر فتح کرنے کے بعد شہر فسطاط میں قائم کیا گیا تھا' جب شہر ''عسکر'' کی بنیاد رکھی گئی تو اس میں باقاعدہ کوتوالی بھی بنائی گئی' اس وقت پولیس کا محکمہ دو حصوں میں تقسیم تھا۔

---

❶ Sayed Ameer Ali. Ibid. p. 63

❷ مقدمہ ابن خلدون: بحوالہ سابقہ' ص ۲۱۸' ۲۱۹

(۱) ادنیٰ پولیس (سفلی) اس کا مرکز شہر فسطاط تھا۔

(۲) اعلیٰ پولیس۔ اس کا مستقر شہر عسکر تھا۔

اعلیٰ پولیس نام رکھنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس کا مستقر ادنیٰ پولیس کے مرکز فسطاط سے بلند مقام عسکر پر واقع تھا' جس کی عمارتیں لشکیر اور طولون کے پہاڑوں پر تھیں۔ جب جوہر صقلی نے مصر فتح کیا اس وقت اس نے پولس اعلیٰ کے محکمہ کو عسکر سے قاہرہ میں منتقل کر دیا تھا۔

یہ عجیب اتفاق تھا کہ جس روز جوہر صقلی نے مصر فتح کیا اسی روز پولیس افسر کا انتقال ہوا تھا' جوہر نے اس کی جگہ جبز کو پولس افسر مقرر کر دیا تھا۔ ادنیٰ پولیس کا محکمہ فسطاط ہی میں قائم رہا۔ اور جوہر نے اس کا افسر عروبہ بن ابراہیم اور شبلی معرض کو مقرر کیا تھا۔

بلادِ افریقہ (موجودہ بلادِ تونس) میں ابنِ خلدون کے زمانہ (۸۰۸ھ) تک پولس افسر ''حاکم'' کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا' بلادِ اندلس میں ''صاحبِ مدینہ'' (کوتوال) اور مملوکوں کے عہد میں ''والی'' کے نام سے اسے مخاطب کیا جاتا تھا۔

غرض مسلمانوں کے ابتدائی دور میں پولیس کا محکمہ عدالت کے ماتحت تھا۔ اس کے فرائض عدالت کے احکام نافذ کرنا اور حدودِ شرعی کو عمل میں لانا تھا' کچھ عرصہ بعد پولیس کا محکمہ ایک مستقل محکمہ بن گیا تھا اور براہِ راست مجرموں کو سزائیں دینا اس کے اختیار میں تھا' اس وقت پولیس افسر کی حیثیت حاجب اور وزیر کے تقریباً ہم پلّہ تھی۔ ❶

❶ مسلمانوں کا نظم مملکت: محوالہ بالا' ص ۲۳۵'۲۳۶

فصل سوم

ادارہ مالیات کا اجمالی تعارف

(عہد نبوی تا عہد بنی عباس)

مالیات کا صحیح نظام اور آمد وصرف میں توازن ریاست (State) کا اہم عنصر ہے اربابِ سیاست اس سے ناواقف نہیں۔ مسلمانوں نے اپنی حکومت کے ابتدائی زمانہ سے مالیات کا شعبہ (بیت المال) قائم کیا اور اس کے نظام کی سطح بلند کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اس شعبہ کی حیثیت موجودہ ''وزارتِ مالیہ'' کی تھی اور اس شعبہ کے افسر کی ذمہ داریاں ایک وزیرِ مال سے کسی طرح کم نہ تھیں۔

ذرائع آمدنی

بیت المال کے اہم ذرائع آمدنی خراج' جزیہ' زکوٰۃ' فیٔ' مالِ غنیمت اور عشر تھے جن میں خراج اور جزیہ بہت اہمیت کے حامل ہیں۔

خراج

خراج نقد یا پیداوار کی ایک معین مقدار کا نام ہے جو غیر مسلموں کی ان زمینوں سے لیا جاتا تھا۔ جس پر مسلمانوں نے مقابلہ کے بعد یا صرف صلح کے بعد تسلط قائم کیا تھا' یہ ضروری تھا کہ مجاہدین کی اجازت سے ان زمینوں کو امیر نے مفادِ عامہ کے لئے وقف کر دیا ہو' اور ان میں تقسیم نہ کیا ہو' ورنہ خراج کی جگہ عشر (۱/۱۰) لیا جاتا تھا۔ ❶

خراج وصول کرنے کے دو طریقے تھے' ایک پیمائش کا طریقہ تھا' اس میں زمین کی پیمائش یا تخمینہ کے بعد نقد یا پیداوار کی ایک خاص مقدار مقرر کر دی جاتی تھی۔ اس سے غرض نہ تھی کیا بویا گیا؟ کتنا پیدا ہوا؟ حضرت عمرؓ نے ارضِ سواد کا خراج اسی پیمائش کے طریقہ پر مقرر کیا تھا۔ ❷

دوسرا طریقہ بٹوارے کا تھا' اس میں پیداوار کا ایک معین حصہ مقرر کر دیا جاتا تھا وہ طریقہ

---

❶ الاحکام السلطانیۃ: محولہ سابقہ' ص ۱۳۲ ❷ مسلمانوں کا نظم مملکت: محولہ سابقہ' ص ۲۳۸

آنحضرت ﷺ کے زمانہ سے پایا جاتا تھا۔ آپ نے اہلِ خیبر سے وہاں کی نصف پیداوار پر مصالحت فرمائی تھی۔

خراج کی مقدار خلافتِ راشدہ میں زمین کی پیداوار، زرخیزی اور وسائل آبپاشی کی آسانیوں کا لحاظ کر کے مقرر کی جاتی تھی۔ حالات کے اعتبار سے اس میں ردوبدل بھی ہوتا رہتا تھا۔

دیوانِ خراج

مسلمانوں سے قبل روم و فارس کی حکومتوں میں ٹیکس کا محکمہ قائم تھا۔ ہر صوبہ میں ایک افسر کے ماتحت بہت بڑا عملہ کام کرتا تھا۔ اس افسر کو ضروری مصارف کا اختیار حاصل تھا، لیکن اس کا فرض تھا کہ آمدوخرچ میں توازن کا خیال رکھے۔

مسلمانوں نے روم و فارس پر اقتدار قائم کرنے کے بعد ان محکموں کو باقی رکھا۔ دفتری زبان تک نہیں بدلی۔ عبدالملک بن مروان کے زمانہ تک شام میں اغریقی، فارس میں فارسی اور مصر میں قبطی کی جگہ عربی عبداللہ بن عبدالملک گورنر مصر نے ولید بن عبدالملک کے حکم سے کردی تھی۔ ❶

خراج وصول کرنے کے لئے باقاعدہ افسر مقرر تھے، یہ عموماً گورنر یا سپہ سالار ہوتے تھے ان کا فرض تھا کہ وہ مفادِ عامہ اور فوجی مصارف کے علاوہ باقی رقم بیت المال کو بھیج دیں امام ابو یوسفؒ کے الفاظ میں ''خراج کا افسر فقیہ ہو، عالم ہو، پاک باز ہو، منصف مزاج ہو، متدین ہو اور خودرائی سے احتراز کرتا ہو''۔ ❷

خلافتِ راشدہ کا زمانہ عدل و انصاف سے معمور تھا، خراج کی وصولی میں گورنروں کو بے اعتدالیوں کی جرأت نہ ہوتی تھی، اس دور میں پیمائش کے طریقے سے خراج وصول کیا جاتا تھا اور زمین کی زرخیزی اور پیداوار کی نوعیت کا لحاظ رکھا جاتا تھا، پورا خراج نقد کی صورت میں ادا کرنا ضروری نہ تھا، پیداوار کی شکل میں بھی دیا جاسکتا تھا، ناگہانی آفات اور پیداوار کی کمی کے وقت معاف کردیا جاتا تھا یا اس میں کچھ تخفیف کردی جاتی تھی۔ گورنروں کا فرض تھا کہ آبپاشی کی سہولتیں مہیا کریں اور ترقیِ زراعت کی دوسری تدابیر عمل میں لائیں۔

---

❶ المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار: تقی الدین ابوالعباس المقریزی مصر ''م۔ن'' ۱۲۷۰ھ ص ۲۸ ج ۱

❷ کتاب الخراج: امام ابو یوسف، محولہ سابقہ، ص ۱۸

نظامِ محاسبہ

حکومت کی طرف سے خراج کے افسروں کا نہایت سختی سے محاسبہ کیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے احتساب کا ایک مستقل محکمہ قائم کر دیا تھا' اس محکمہ کے افسر محکمہ خراج کے عہدہ داروں کی مالی حالت کا جائزہ لیتے رہتے تھے اور اس بات کی سخت نگرانی رکھتے تھے کہ کہیں کسی عہدہ دار کا خرچ اس کی آمدنی سے زیادہ تو نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تھا تو فوراً تفتیش کی جاتی تھی' حضرت عمرؓ کو اگر خراج کے کسی افسر کی دولت مندی پر شبہ ہو جاتا تھا تو نہایت سختی سے اس کی تحقیق کراتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عمرو بن عاصؓ کی غیر معمولی ثروت پر شبہ ہو گیا تو آپ نے ان کی رعایت نہیں کی اور نہایت سختی سے محمد بن مسلمہ کے ذریعہ تفتیش کرائی۔ ❶

بنوامیہ نے خراج کا نظم و نسق اعلیٰ پیمانہ پر قائم کیا تھا' عبدالملک بن مروان خراج کے بددیانت افسروں کو برطرف کرنے کے بعد نہایت سختی سے ان کی ثروت کا جائزہ لیتا تھا اور جن لوگوں پر یہ شبہ ہو جاتا تھا کہ خراج کے افسروں کی امانتیں ان کے پاس رکھی ہیں ان سے اعتراف کرانے کے لئے انہیں سنگین سزائیں دی جاتی تھیں اور ان سے مال و دولت لے کر بیت المال میں داخل کر دیا جاتا تھا۔ یہ سزائیں اکثر حدودِ شرع سے متجاوز ہو جاتی تھیں ان لوگوں کے دلوں میں امانت رکھنے والے افسروں کی طرف سے فطری طور پر نفرت اور دشمنی پیدا ہو جاتی تھی' جو بعض دفعہ نازک صورت اختیار کر لیتی تھی' بنی امیہ کا آخر زمانہ فتنہ و فساد کا دور تھا' اس میں خراج کا نظام بھی ابتر ہو گیا تھا' جبر و استبداد' رشوت ستانی اور شخصی عداوت کا دور دورہ تھا' گورنروں میں آمریت کی شان پائی جاتی تھی۔ نیا گورنر اپنے سابق گورنر کے عملہ کو گرفتار کر لیتا تھا اور اس کی جگہ اپنے خیر خواہ افراد کو مقرر کر دیا کرتا تھا۔ بنی امیہ کی تباہی میں اس کا بھی بہت بڑا دخل تھا۔ ❷

نظامِ جاگیرداری

یہ نظام اپنی ابتدائی شکل میں آنحضرت ﷺ کے زمانہ سے پایا جاتا ہے۔ آپؐ نے مزنیہ کے چند آدمیوں کو ایک زمین دی تھی کہ اسے جوتیں' بوئیں انہوں نے بے التفاتی سے اسے بے کار پڑا رہنے دیا اور دوسرے لوگ اسے جوتنے بونے لگے۔ تھوڑی مدت کے بعد مزنیہ کے لوگوں نے اسے واپس لینا چاہا تو دونوں میں نزاع پیدا ہوا' قضیہ حضرت عمرؓ کی عدالت میں پیش ہوا' آپ

❶ تاریخ طبری: محولہ سابقہ' ص ۶۴ تا ۶۸ ج ۱ ❷ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۵۰۲ ج ۳

نے فیصلہ کیا' جو شخص زمین کو تین سال تک بیکار پڑا رہنے دے اس کے بعد اگر کوئی دوسرا اسے جوتنے بونے لگے تو وہی اس زمین کا زیادہ حقدار ہے' حضرت عثمانؓ نے عبداللہؓ بن مسعود کو بحرین اور سعدؓ بن ابی وقاص کو ہرمز کا جاگیردار بنایا تھا' ان جاگیرداروں کا فرض تھا کہ فوجی اور دوسری ضرورتوں سے بچی ہوئی رقم بیت المال میں داخل کردیں۔ ❶

منصور نے اپنے چند خاص ارکانِ حکومت کو جاگیردار بنایا تھا یہ ان کی خدماتِ جلیلہ کا اعتراف اور صلہ تھا' یہ جاگیریں نہایت سرعت کے ساتھ آبادی سے معمور ہوگئی تھیں اور اسٹیٹ کی فلاح و بہبود پر اس کا نہایت اچھا اثر پڑا تھا۔ احمد بن طولون نے جب دیکھا کہ فسطاط اور عسکر آبادی اور فوجوں کی کثرت کے لئے ناکافی ہیں تو منصور کی طرح اس نے بھی امراء کو جاگیریں دے دیں کہ انہیں جا کر آباد کریں اور حکومت کے ذرائع آمدنی میں اضافہ کریں۔

جاگیرداری کا یہ جدید نظام عیوب سے خالی نہ تھا۔ جاگیردار کا مطمح نظر زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کرنا ہوتا تھا تاکہ حکومت کی مالگزاری ادا کرنے کے بعد اپنے لئے بھی کافی رقم بچا سکے' جاگیردار کو اپنی جاگیر پر پورا اختیار ہوتا تھا اور وہ حسب خواہش کاشتکاروں پر لگان لگا دیتا تھا اور اسے کوئی روک ٹوک کرنے والا نہ تھا۔ کاشتکار شبانہ روز کی مسلسل محنت سے ''قبر کا اگلا ہوا مردہ'' نظر آنے لگتا تھا' لیکن وہ لگان بھی بمشکل ادا کرسکتا تھا۔ مرکزی حکومت تک ان بیچاروں کی رسائی نہیں ہوسکتی تھی کہ ان کے خلاف احتجاج کریں سچ پوچھئے تو جاگیرداروں کے مزید جور و استبداد کے خطرہ سے انہیں اس کی جرأت بھی نہیں ہوتی تھی۔ ❷

ڈاکٹر گرھامن اڈولف (Grahman Adolfe) نے جاگیرداری کے نظام پر بصیرت افروز بحث کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے۔ ❸ جاگیر کے پٹہ کی مدت چار سال سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ جاگیردار کی ذمہ داریوں میں نہ صرف کاشت وغیرہ کرانا داخل تھا بلکہ پلوں کی مرمت' آب پاشی کی سہولتیں مہیا کرنا اور زمین کی اصلاح بھی شامل تھی' مدت کی قلت اور مصارف کی زیادتی کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ جاگیرداران جاگیروں سے یہ اخراجات پورے کرتے تھے۔ ان جاگیرداروں کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ اتنی آمدنی حاصل ہوجائے کہ حکومت کا ٹیکس ادا کرنے کے بعد ان کی دلچسپیوں کے لئے بھی کافی رقم بچی رہے بیچارے محکوم کاشتکار درمیان میں پستے تھے۔

---

❶ المواعظ والاعتبار: محولہ بالا' ص ۶۷ ج ۱ ❷ کتاب الخراج: محولہ سابقہ' ص ۶۱' ۷۰' ۱۸۷

❸ Arabic paper in the Egyption Library. vol. 2, p. 64.

جاگیرداری کا یہ نظام عالمگیر تھا۔ دسویں اور گیارہویں صدی عیسوی کے یورپ نے بھی مسلمانوں کے اس نظام کی تقلید کی تھی۔

جزیہ

جزیہ کی رقم ایک معین مقدار کا نام ہے جو ذمیوں سے لی جاتی تھی اور مسلمان ہونے کے بعد ساقط ہو جاتی تھی۔ خراج اور جزیہ میں اتنا فرق تھا کہ خراج زمین سے لیا جاتا تھا اور مسلمان ہونے سے اس پر کوئی اثر نہ پڑتا تھا اور جزیہ جانوں کا ٹیکس تھا اور اسلام لانے سے معاف ہو جاتا تھا' اور دوسرے جزیہ کی بنیاد ''نصِ قرآنی'' پر قائم ہے اور خراج کی اساس ''اجتہاد'' پر ہے۔ ❶

جزیہ ذمیوں پر زکوٰۃ کی جگہ مقرر تھا' مسلمان اور ذمی دونوں ایک ریاست (State) کے شہری خیال کیے جاتے ہیں ان کے حقوق میں کسی قسم کا امتیاز نہ تھا۔ مسلم ریاست ان کے جان و مال کا ذمہ لیتی تھی اور ضروری تھا کہ جزیہ کی رقم ذمیوں کی فلاح و بہبود' تعلیم و ترقی اور ان کی دوسری ضروریات پر صرف کی جائے۔ شریعت نے جزیہ انہی ذمیوں پر واجب قرار دیا تھا جو اگر مسلمان ہوتے تو ان پر ''جہاد'' فرض ہوتا۔

جزیہ کی مقدار حسب ذیل تھی:

(۱) دولتمندوں سے = ۴۸ درہم سالانہ (= بارہ روپے)

(۲) متوسط طبقہ سے = ۲۴ درہم سالانہ (= چھ روپے)

(۳) ادنیٰ طبقہ سے = ۱۲ درہم سالانہ (= تین روپے)

غریبوں' بے بسوں' اندھوں' اپاہجوں' مجنونوں اور دوسرے معذور افراد سے جزیہ نہیں لیا جاتا تھا' راہب اگر متمول نہ ہوتے تو انہیں جزیہ ادا نہ کرنا پڑتا تھا۔ یہ صرف عاقل' بالغ اور آزاد مردوں پر واجب تھا' عورتوں اور بچوں سے نہ لیا جاتا تھا۔ ❷

جزیہ اسلام کا جدید تخیل نہ تھا' بلکہ یونانیوں نے اسے سب سے پہلے ایشیائے کوچک کے باشندوں پر ۵۰۰ ق م عائد کیا تھا۔ رومیوں اور ایرانیوں نے ان کی تقلید کی تھی۔ اور اپنی مفتوحہ قوموں پر اسے لازمی قرار دیا تھا' مسلمانوں کا نظامِ جزیہ ایرانیوں کے نظامِ جزیہ سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے۔

---

❶ الاحکام السلطانیہ للماوردی: بحولہ سابقہ' ص ۱۳۷ ❷ کتاب الخراج: بحولہ سابقہ' ص ۶۹' ۷۲

مسلمان فرمانروا جزیہ وصول کرنے میں عدل و انصاف اور نرمی کا برتاؤ کرتے تھے اسلام کا قانون تھا کہ جزیہ وصول کرنے کے لئے کسی ذمی کو زدوکوب نہ کیا جائے' نہ دھوپ میں کھڑا کیا جائے' نہ بدن داغ کر یا کسی دوسری طرح جسمانی اذیت پہنچائی جائے۔ سہل انگاری کی حالت میں صرف حوالات میں بند کیا جاسکتا ہے مگر ادائیگی کے بعد فوراً رہا کر دیا جائے۔

قاضی القضاہ (چیف جسٹس) امام ابو یوسفؒ نے ہارون رشید کو خط میں لکھا تھا۔ ''آپ کا فرض ہے' ذمیوں سے رواداری برتیں' یہ ابنِ عم آنحضرت ﷺ کا معمول تھا۔ ان کی ضرورتوں سے بے خبر نہ رہیئے۔ ان پر جبر و جور اور زیادتی نہ ہونے پائے جزیہ کے علاوہ اور ان کا مال نہ لیا جائے' آنحضرت ﷺ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ان آخری الفاظ سے آپ ناواقف نہ ہوں گے ''ذمیوں سے بھلائی کرنا' ان سے رواداری برتنا۔ انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دینا''۔ ❶ عہد عباسیہ میں ذمیوں کے حقوق کے تحفظ اور انکی دوسری ضروریات کا لحاظ رکھنے کیلئے ایک مستقل محکمہ قائم تھا۔ ❷

عہد بنی امیہ

بنی امیہ کے دور میں نہ صرف جزیہ کی مقدار بڑھادی گئی بلکہ اور نئے ٹیکس بھی لگا دیئے گئے۔ امیر معاویہؓ نے اپنے گورنر مصر وردان کو لکھا تھا ''ہر قبطی مرد پر ایک قیراط بڑھادو'' حجاج بن یوسف کے بھائی نے یمن ❸ کی زمینوں پر عشر کے علاوہ ایک اور ٹیکس لگا دیا تھا۔ عبدالملک بن مروان نے تمام خراسان کی مردم شماری کرائی تھی اور ہر فرد پر ایک جدید ٹیکس لگا دیا تھا۔ اور اسی پر اکتفا نہ کیا تھا بلکہ مقررہ جزیہ کی مقدار میں تین دینار کا اضافہ کر دیا تھا۔ اسی طرح عراق کے باشندوں پر نئے ٹیکس عائد کر دیئے گئے' یہ وہ وقت تھا جب انہیں پچھلے ٹیکس ادا کرنے بھی دوبھر تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خراج کے افسروں کے نام حکم جاری کیا تھا' ''خراج کے درہموں کی مالیت کے درہم چودہ قیراط سے زیادہ نہ ہو''۔ یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ اس کا موقع ملتا تھا کہ زیادہ مالیت کے درہم شہریوں سے وصول کریں اور انہیں بدل کر کم مالیت کے درہم بیت المال میں داخل کر دیں۔ ❹

---

❶ ایضاً: حوالہ بالا' ص ۱۳۷

❷ Sayed Ameer Ali ..... p. 415

❸ کتاب الخراج: محولہ سابقہ' ص ۲۳

❹ تاریخ یعقوبی: احمد بن یعقوب بن جعفر' مطبوعہ لیڈن ۱۸۸۳ء ص ۱۵۸ ج ۲

عبداللہ بن زیاد گورنر عراق نے خراج کے عرب افسروں کی جگہ ایرانی افسر مقرر کر دیے تھے۔ یہ بڑے بڑے زمیندار تھے اور تجربہ نے بتا دیا تھا کہ وہ زیادہ ایماندار اور صاحبِ بصیرت ہوتے تھے۔ ❶

عبدالملک بن مروان نے اپنے غیر معمولی سیاسی تدبّر سے ٹیکس کا نظام نہایت بلند معیار پر پہنچا دیا تھا اور ٹیکس کے افسران کو ایک پائی بھی غبن کرنے کی جرأت نہ ہو سکتی تھی۔ وہ نہایت سختی سے ان کا محاسبہ کرتا تھا' رشوت خور اور بددیانت افسروں کو معزول کر کے انہیں لرزہ خیز سزائیں دیتا تھا اور ان سے ایک ایک حبہ اگلوا لیتا تھا۔

بنی امیہ کے زوال کے ساتھ ان کا نظام مالیات بھی ابتر ہو گیا تھا' انتہا یہ تھی' کہ ۱۳۲ھ ۷۵۰ء میں جب وہ عباسیوں کے ساتھ موت و زندگی کی کشمکش میں مبتلا تھے اس وقت فوج کی تنخواہیں ادا کرنے میں سہل انگاری برتی گئی' نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی فوج عباسیوں کے ساتھ مل گئی اور دمشق کے قلعوں پر بنی امیہ کی جگہ عباسیوں کا سیاہ پرچم لہرانے لگا یہ آخر ۱۳۲ھ کا واقعہ ہے۔

عہدِ عباسیہ

عباسیوں نے زراعت کی ترقی کو اپنا نصب العین قرار دیا تھا۔ اس کی وجہ سے ریاست کی مالیات پر نہایت اچھا اثر پڑتا تھا۔ اس دور میں ۱۳۶ھ تک لگان پیمائشی طریقہ سے وصول کیا جاتا رہا۔ منصور نے اس میں اتنی ترمیم کی کہ گندم اور جو کی پیداوار کے لئے بٹوارہ کا طریقہ نافذ کر دیا اور میوہ کے باغات کے لئے پیمائش کا قدیم دستور جاری رہا مہدی نے جب افسروں کی بدعنوانیوں کا ہدف باغات کو دیکھا تو بٹوارہ کے طریقہ کو ہمہ گیر کر دیا۔ زمین اگر بے حد زرخیز ہوتی اور آبپاشی کی دقتوں کا سامنا زیادہ نہ کرنا پڑتا تو پیداوار کا ۲/۱ حصہ ریاست کا حق ہوتا ورنہ ۳/۱' ۴/۱ یا ۵/۱ حصہ زمین کی نوعیت کے لحاظ سے ادا کرنا پڑتا تھا۔ ❷

باغات کے پھلوں کی قیمت کا تخمینہ لگایا جاتا تھا اور ۲/۱ یا ۳/۱ ریاست کو دینا پڑتا تھا ۲۰۴ھ = ۸۱۹ء ۸۲۰ء میں مامون نے زرخیز زمین کے ۲/۱ حصہ لگان میں تخفیف کر کے ۵/۱ کر دیا تھا۔ بابل' کلدان' عراق' الجزیرہ اور فارس کی سرزمینوں سے صلح نامہ کیمطابق ٹیکس وصول کیا جاتا تھا۔ اس کی وجہ سے وہ افسروں کی بے اعتدالیوں سے مامون تھے۔ شمالی فارس اور خراسان کے باشندے بھی

❶ طبری: ص ۴۵۸۔۹۹۵ ج ۲ ❷ مسلمانوں کا نظم مملکت: محولہ سابقہ' ص ۲۴۷

''مصالحانہ ٹیکس'' ادا کرتے تھے' خشک سالی اور دوسری آفات کے وقت لگان میں تخفیف کردی جاتی۔ معتضد کے زمانہ میں جب الم انگیز قحط پڑا تھا تو لگان کا ۴/۱ معاف کردیا گیا تھا اور ادا کرنے کے لئے ۱۷ر جنوری کی جگہ ۱۵ تک مہلت دیدی گئی تھی' پھر اس معیاد کو ۲۱ر جولائی تک بڑھادیا گیا تھا۔

عباسیہ کے دورِ عروج میں زراعت کی ترقی کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہارون کے زمانہ میں ریاست کی سالانہ آمدنی ۲۷۲ ملین درہم اور ۲/۱ ۴ ملین دینار تھی اور مامون کا صرف خرچ چھ ہزار دینار یومیہ یا (۲۱۹۰) دینار سالانہ تھی۔ ❶

عباسیوں نے خراج کے نظم ونسق میں اپنے سیاسی شعور کا ثبوت دیا تھا' ہارون کے عہد میں امام ابو یوسفؒ نے ''خراج'' کا ایک شرعی لائحہ عمل بنایا تھا جو سرکاری قانون قرار دیا گیا تھا' اس میں تنظیمِ خراج' آمد وصرف اور مالیات کے دوسرے اہم عناصر کو اسلامی نقطۂ نظر سے بیان کیا گیا تھا۔

دستور کا اجمالی خاکہ یہ تھا:

(۱) بیت المال کے وسائلِ آمدنی تین شعبوں میں تقسیم تھے۔

ا۔ مالِ غنیمت کا ۵/۱ حصہ۔

ب۔ خراج۔ اس باب میں عشر اور جزیہ کا بیان بھی داخل تھا۔

ج۔ صدقات۔

(۲) خراج وصول کرنے کا طریقۂ کار۔

(۳) بیت المال کے ضروری مصارف۔

عباسیوں نے امام ابو یوسفؒ کے اس آئین مالیات کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا اور اس پر عمل کرنے کی حتی الامکان کوشش کی تھی۔

بنی امیہ کے عہدِ حکومت میں لگان نوروز (بیساکھ کی پہلی تاریخ) سے ایک ماہ قبل وصول کیا جاتا تھا۔ اس وقت فصل تیار نہ ہوتی تھی اس لئے کاشتکاروں کو ادائیگی میں پریشانی اٹھانی پڑتی تھی۔ ان کا ایک وفد ہشام بن عبدالملک کے پاس آیا تھا' اور درخواست کی تھی کہ اس کی میعاد ایک ماہ بڑھا کر نوروز کردی جائے' مگر ہشام نے انکار کردیا تھا' عباسیہ کے زمانہ میں اس کی میعاد نو

❶ Sayed Ameer Ali ..... p. 426.

روز مقرر تھی۔ ہارون کے دور میں اربابِ زراعت یحییٰ بن خالد برمکی وزیراعظم کے پاس یہ التجا لے کر آئے تھے کہ لگان کی میعاد میں دو ماہ کا اضافہ کر دیا جائے۔ یحییٰ نے اس اندیشہ سے رد کر دیا تھا کہ اسے مجوسیت کا تعصب خیال کیا جائے گا۔ ❶

متوکل کے عہد میں یہ قضیہ دوبارہ پیش ہوا تو اس نے میعاد میں دو ماہ کا اضافہ کر دیا۔ لیکن مستنصر نے اپنے زمانہ ہی میں وہی میعاد مقرر کر دی تھی جو متوکل سے قبل تھی۔ معتضد نے اپنے دورِ حکومت میں متوکل کے زمانہ کے میعاد کو سولہ روز پہلے کر دیا تھا۔

ہارون کے زمانہ میں لگان کی نقد آمدنی قریباً بیالیس لاکھ دینار سالانہ تھی۔ اس میں خام اشیاء اور دوسری ''فتوحات'' داخل نہیں تھیں۔ جن کی قیمت کم وبیش پانچ لاکھ اور دس لاکھ دینار ہوتی تھی۔ ❷

عباسیہ کے زوال کے ساتھ ساتھ ریاست کی آمدنی میں بھی انحطاط شروع ہوا اور چوتھی صدی ہجری (دسویں صدی عیسوی) میں اس کی آمدنی ہارون کے عہد سے ۱/۲ سے بھی کم رہ گئی تھی۔ آئے دن کے جنگی اخراجات مالیات پر ایک بارگراں تھے، ریاست کے مضمحل اعضاء کو ان کی وجہ سے اور بھی سکون نہ تھا۔ ❸

❶ مسلمانوں کا نظم مملکت: ص ۲۴۹ ❷ مقدمۃ ابن خلدون: ص ۲۴۲ ❸ مسلمانوں کا نظم مملکت: ص ۲۴۹

خلاصہ تحقیق

بفضلہ تعالیٰ مقالہ تحقیقی مراحل طے کر کے اختتام پذیر ہوا گذشتہ تحقیق کا خلاصہ اور نچوڑ یہ نکلا کہ اسلام اور مسلمانوں نے ہزار برس تک سیاست کے میدان میں وہ ڈنکا بجایا جسکی مثال دیگر مذاہب میں نایاب ہے۔ اسلام نے نظام خلافت کو وہ عملی جامہ پہنایا کہ جسکے صحیح معنیٰ میں رائج ہونے کے بعد لوگ منصبِ خلافت کی آرزو کرنا بھول جائیں کیونکہ اسکے نظام خلافت میں خلیفہ یا امیر و امام رعایا کا حاکم نہیں بلکہ خادم ہوتا ہے اور رعایا مخدوم ہوتی ہے۔

عدل و انصاف کا وہ شفاف نظام دیا جس سے لوگوں کو ان کے گھروں پر انصاف ملے اور انصاف کرنے میں قاضی اپنے پرائے امیر غریب گورے کالے کی تفریق کرنے کا مجاز نہیں۔

ادارہِ احتساب کے ذریعہ سے لوگوں کے خرید و فروخت کے بازاروں اور محلوں، گلیوں، کوچوں کے نظام کو درست کیا گیا تا کہ لوگ روزمرہ کی اشیاء خورد و نوش میں ملاوٹ یا مہنگائی یا چور بازاری یا کساد بازی کے ذریعہ ظلم کا شکار نہ ہونے پائیں اسطرح دیگر معاشرتی برائیاں ان میں نہ پھیلنے پائیں شریعت کے احکام پر عملدرآمد کرانا بھی ادارہ احتساب کے دائرہ اختیار میں تھا۔

ادارہِ فوج کے ذریعہ اسلامی حکومت کی سرحدوں کی حفاظت کو یقینی بنایا گیا فوج کی تنظیم کی اعلیٰ ترین بنیادیں ڈالی گئیں انہیں بھرپور سرکاری مراعات دی گئیں اور جذبہ جہاد سے سرشار کیا گیا اسکے ذریعہ سے خارجی خدشات سے دفاع کا انتظام کیا گیا جبکہ ادارہ پولیس، شرطہ (جسے عہد بنوامیہ میں دیوان الاحداث کہا جاتا تھا) کے ذریعہ داخلی انتشار پر قابو پایا گیا چوری ڈکیتی ظلم و جور ناحق ایذادہی سے شہریوں کو تحفظ دیا گیا۔ ادارہ مالیات کے ذریعہ بیت المال کے ذرائع آمدنی بڑھائے گئے اور زکوٰۃ، صدقات، خیرات، کفارات، جزیہ، خراج اور دیگر مدات کے ذریعہ اسلامی حکومت کو معاشی استحکام بخشا اس نظام کی درستگی کا یہ بڑا فائدہ تھا کہ مسلمان حکومت کو اپنے معاشی مسائل حل کرنے کیلئے غیر مسلم ممالک یا اقوام سے سودی قرضے نہیں لینے پڑتے تھے جسکی وجہ سے کہ وہ انکی غلامی میں آجائیں اگر آج بھی یہی نظام نافذ ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان غیر مسلم کی غلامی سے آزاد نہ ہوسکیں۔

اختتامیہ

گذشتہ تمام تر تحقیق سے یہ بات بخوبی ثابت ہوتی ہے کہ اس دنیا کو مہذب بنانے اور انسان کو انسان کی بندگی سے نجات دلانے میں اسلام کے نظام سیاست کا بڑا دخل ہے' اسلام نے صحیح معنیٰ میں سیاست کرنے کا ڈھنگ سکھلایا' مختلف سیاسی اداروں کی بنیاد ڈالی' اور عوام میں ان اداروں کی اہمیت اجاگر کی انا پرستی' اور جسکی لاٹھی اسکی بھینس کی پالیسی کو جڑ سے مٹایا حکمرانی کیلئے خاندانی تفوق وشرافت کے بجائے اخلاقی اور مذہبی تفوق کو ترجیح دی غلاموں کو امام بنایا امیر بنایا کمانڈر بنایا عدل وانصاف کے بہترین اصول وضوابط مرتب کئے شاہد' ملزم' قاضی کے لئے قواعد وقوانین مدوّن کیئے غرضیکہ ہر سیاسی ادارے کو علیحدہ علیحدہ منظّم ومستحکم کیا اور اس سیاسی نظم ونسق ہی کی بدولت بقول نپولین کہ مسلمانوں نے نصف صدی میں نصف دنیا کو فتح کر ڈالا۔

نبی آخرالزماں ﷺ نے اکیس برس کی قلیل مدّت میں زمین وآسمان بدل ڈالا اور زمین کے سارے نقشہ میں نیا رنگ بھر دیا۔

دنیا کے لالچی کتوں نے دولت کا خزانہ' جج کی میز اور بادشاہی کا تاج اور حسین ترین دوشیزہ کی پیشکش کی لیکن اللہ کے لاڈلے نبی کا جواب تھا کہ چاند وسورج بھی ہاتھ میں لاکر رکھ دو تو اپنا مشن نہ چھوڑوں گا۔ بس پلکنے جھپکنے کی دیر تھی کہ چار چیزیں نگاہ وجود پر آراستہ ہوگئیں نیا مذہب' نیا قانون' نئی سیاست' نئی امت اور نئی حکومت یعنی حکومت الٰہی' لیکن افسوس کہ یہ روشنی جلد تاریکی سے بدل گئی اور فرمان ''لانرث ولانورث'' کے خلاف امارتِ شوریٰ کی جگہ پھر مطلق العنان شاہی نے لے لی۔ دن ڈوب گیا' پھر رات آئی وہی جوہر جو بادشاہوں کے تاج سے بھی زیادہ قیمتی تھا مٹی ہوگیا' مسلمان بھیڑ بکریوں کی طرح کٹے' عورتوں کی عصمت دریاں ہوئیں' مسجد اصطبل بنے' علماء سولی پر چڑھے مدرسہ میں ناچ گانے کی تربیت گاہیں کھولیں کہیں چنگیزیت آئی اور کہیں بربریت چھائی' مسلمان کافروں کے غلام بنے آزادی کے باوجود ذہنی غلامی مسلمانوں کو کرنی پڑی مسلم حکومتیں کفار کی بھکاری بنیں مسلمان کا بچہ بچہ پیدائشی طور پر کفار کا مقروض پیدا ہوا' خلافت کی جگہ جمہوریت نے لی خدا ترسی کے بجائے غیر مسلم سپر پاورز کی رضاء جوئی کی جانے لگی سیاست پر مذہب کو قربان کیا گیا عدلیہ کو گھر کی لونڈی بنایا گیا فوج وپولیس کو من مانے اختیارات دیئے گئے۔ عدل کے نام پر ظلم ہونے لگا اور احتساب کے نام پر انتقام عام ہوا بیت المال اقرباء پروری کی نظر ہوا۔

مصادر مراجع

عربی کتابیات

"الف"

(۱) ابو حنیفة: محمد ابو زهره' مصر "مکتبة القاهره" (س. ن)

(۲) الاحکام السلطانیة: أبو الحسن الماوردی' القاهره "مصطفی البابی الحلبي" ۱۹۶۰ء

(۳) الاحکام السلطانیة: قاضی أبویعلیٰ محمد بن الحسین الفراء' مکة المکرمة' "مکتبة الفریدة" ۱۳۵۷ھ

(۴) احکام القرآن: ابوبکر احمد بن علی الجصاص' قسطنطنیه' ۱۳۳۵ھ

(۵) احیاء علوم الدین: ابو حامد محمد بن محمد الغزالی' قاهره "م. ن" ۱۸۸۲ء

(۶) احکام الحکام في اصول الأحکام: ابوالحسن سیف الدین الامری' مصر' "محمد علی صبیح" ۱۳۴۷ھ

(۷) اخبار القضاة: محمد بن خلف بن حیان وکیع' مصر "المکتبة التجاریة الکبریٰ" ۱۳۶۶ھ

(۸) الإدارة الاسلامیة في عز العرب: پروفیسر' کرد علی محمد بک' قاهره "م. ن" ۱۹۳۴ء

(۹) إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء: الامام شاه ولی اللّٰه الدهلوی' کراچی "قدیمی کتب خانه"

(۱۰) البدایة والنهایة: اسماعیل بن عمر ابن کثیر الدمشقی' القاهره' "مطبعة السعادة" ۱۳۵۸ھ

(۱۱) بدائع الصنائع: ابوبکر علاء الدین کاسانی لاهور "دیال سنگھ

لائبریری" ۱۹۸۷ء

(۱۲) البیان والتبیین: عمروبحرالجاحظ' بیروت "دارصعب" (س۔ ن)

"ت"

(۱۳) التاریخ الاسلامی العام: علی ابراهیم حسن' و حسن ابراهیم حسن' قاهره "مکتبة النهضة المصریة" ۱۹۷۵ء

(۱۴) تاریخ الرسل والملوک: محمد بن جریرالطبری' مصر "دارالمعارف" س۔ ن

(۱۵) تاریخ الاسلام السیاسی: حسن ابراهیم حسن' بیروت' "داراحیاء التراث العربی" ۱۹۶۴ء

(۱۶) تاج العروس من جواهرالقاموس: سید محمد مرتضیٰ الزبیدی' الکویت' ۱۹۷۶ء

(۱۷) تاریخ المغرب الکبیر: محمد علی دبور' مصر "عیسیٰ البابی الحلبی" ۱۹۶۳ء

(۱۸) تاریخ بغداد: ابوبکر علی بن احمد خطیب بغدادی' مدینة منوره "مکتبة السلفیة" س۔ ن

(۱۹) تبصرة الحکام: برهان الدین ابراهیم بن علی ابن فرحون' قاهره "م۔ ن" ۱۳۰۲ھ

(۲۰) التراتیب الاداریة: عبدالحئی بن عبدالکریم الکتانی' "الرباط" ۱۳۳۶ھ

(۲۱) التشریع الجنائی: عبدالقادر عوده' قاهره "م۔ ن" ۱۹۵۶ء

(۲۲) تفسیر کبیر: امام فخرالدین الرازی' قاهره "مطبع الهیة المصریة" س۔ ن

(۲۳) تفسیر ابن کثیر: عمادالدین ابوالفداء اسماعیل ابن کثیر' لاهور "امجد اکادمی" ۱۹۸۲ء

(۲۴) تلبیس ابلیس: ابن القیم الجوزیة' مصر "مکتبة القاهر" ۱۳۹۲ھ

"ج"

(۲۵) الجامع الصحیح للبخاری : الامام محمد بن إسماعیل البخاری' دهلی "مطبع مجتبائی" س. ن

(۲۶) الجامع الترمذی : الامام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی' کراچی ایچ. ایم سعید کمپنی س. ن

(۲۷) الجامع لاحکام القرآن: محمد بن عبداللّٰہ القرطبی' قاهره "م. ن" ۱۹۵۲ء

(۲۸) جامع الاصول من احادیث الرسول : مجدالدین مبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری' قاهره "مطبعة الاستقامة" ۱۳۰۰ھ

(۲۹) جامع التواریخ: رشیدالدین فضل اللّٰہ' "تهران" ۱۳۶۲ھ

(۳۰) الجریمة والعقوبة في الفقه الاسلامی: ابوزهره محمد احمد مصری' کراچی "ادارة القرآن" ۱۴۰۷ء

(۳۱) جمهرة خطب العرب: صفوت احمد ذکی' القاهره "م. ن" ۱۹۳۲ء

(۳۲) جوامع السیرة : علی بن احمد ابن حزم' القاهره "ادارة المعارف" س. ن

"ح"

(۳۳) حبل المتین فی احکام السلاطین: محمد بن عبداللّٰہ جامی' دکن "حیدرآباد" ۱۳۲۴ھ

(۳۴) حجة اللّٰہ البالغة: شاه ولی اللّٰہ' لاهور "مکتبة السلفیة" ۱۹۷۵ء

(۳۵) الحسبة في الاسلام: تقی الدین ابوالعباس احمد بن تیمیة' المدینة المنورة "الجامعة الاسلامیة" س. ن

(۳۶) الحضارة الاسلامیة في القرن الرابع الهجری: آدم متفر' القاهره "مکتبة الخانجی" ۱۹۶۷ء

(۳۷) الحضارة الاسلامیة (فی العصور الوسطی: عبدالمنعم ماجد القاهره "مکتبة انجلو المصریة" ۱۹۷۳ء

(۳۸) حکام مصر (من الفراعنة إلى حسني مبارک : ناصر الانصاری، القاهره، "دار الشروق" ۱۹۸۷ء

"د"

(۳۹) دائرة المعارف: پطرس السبتانی، بیروت، "دار المعرفة" س. ن

(۴۰) دائرة المعارف (القرن الرابع عشر العشرين) : محمد فرید وجدی بیروت، "دار المعرفة" ۱۹۶۷ء

(۴۱) دراسات في النظم العربية و الاسلامية : توفيق سلطان اليوزبكي، العراق "جامعة الموصل" ۱۹۷۷ء

(۴۲) دليل السالک لمذهب الامام مالک : محمد محمد سعد، الهند "دار الندوة" س. ن

(۴۳) الدولة الاموية: محمد الخضري بک، بیروت "مؤسسة دار الکتاب الحديث، لبنان، ۱۹۸۹ء

(۴۴) الدولة السعودية الثانية: ابو علية عبدالفتاح، الرياض، "دارة الملک عبدالعزيز" ۱۳۹۴ھ

(۴۵) الدولة العثمانية و الشرق العربي : محمد انيس، القاهره "مكتبة الانجلو المصرية" ۱۹۸۵ء

(۴۶) دول الاسلام : الحافظ ابو عبدالله شمس الدين الذهبی، بیروت "مؤسسة الأعلم" ۱۹۸۵ء

(۴۷) الدولة نظام الحسبة عند ابن تيمية: ابن تيمية، دمشق "م.ن" ۱۹۹۰ء

"ذ"

(۴۸) الذريعة إلى مكارم الشريعة : امام راغب الاصفهانی، بیروت "دار صادر" س. ن

(۴۹) ذكر فتح الاندلس : عبدالرحمٰن بن عبدالكريم، لاهور، "ایس عبدالرشید تاجران کتب" ۱۹۳۳ء

"ر"

(۵۰) رائدالطلاب: جبران مسعود' بیروت "دارالعلم" ۱۹۶۷ء
(۵۱) روح المعانی: محمود بن عبداللّٰہ الحسینی آلوسی' القاهره "ادارة الطباعة المنیریة" س. ن
(۵۲) روض الانف: عبدالرحمٰن بن عبداللّٰہ سهیلی (ابوالقاسم) القاهرة "مکتبة الکلیات الأزهریة" س. ن
(۵۳) روضة القضاة وطریق النجاح: ابوالقاسم علی بن محمد بن احمد الرجبی السمنانی' بیروت "مؤسسة الرسالة" س. ن
(۵۴) روضة الطالبین وعمدة المفتین: امام یحییٰ بن شرف الدین النووی' بیروت "مکتب اسلامی" س. ن

"ز"

(۵۵) زادالمعاد في هدي خیر العباد: محمد بن ابی بکر' ابن قیم الجوزی بیروت "مطبعة الرسالة" ۱۹۷۹ء

"س"

(۵۶) السنن ابی داود: امام ابوداود سلیمان بن اشعث' لاهور "مطبع مجتبائی" ۱۴۰۵ھ
(۵۷) السنن ابن ماجة: امام ابوعبداللّٰہ محمد بن یزید القزوینی' کراچی' "نور محمد أصح المطابع" س. ن
(۵۸) السنن الدارقطنی: امام ابوالحسن علی بن عمر دارقطنی' دهلی' "المطبع الفاروقی" س. ن
(۵۹) السنن الدّارمی: امام عبداللّٰہ بن عبدالرحمٰن' بیروت' "دارالإحیاء السنة النبویة" س. ن
(۶۰) السنن الکبری: امام ابوبکر احمد بن الحسین بن علی البیهقی'

بیروت "دارالفکر" س. ن

(۶۱) السنن النسائی: امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن اشعث النسائی' کراچی "نور محمد کتب خانہ" س. ن

(۶۲) السیرۃ النبویۃ: ابو محمد عبدالملک ابن هشام' مصر' "مصطفی البابی الحلبی" ۱۳۵۵ھ

(۶۳) سیر أعلام النبلاء: امام ابوعبداللّٰہ شمس الدین محمد بن احمد الذهبی' بیروت "مؤسسة الرسالة" ۱۹۸۸ء

(۶۴) السیاسة الشرعیة: علامه ابن تیمیة' کراچی' "کلام کمپنی' تیرتھ داس روڈ" س. ن

(۶۵) السیاسة المدینه: علامه فارابی' دکن' "دائرة المعارف العثمانیة" ۱۳۴۶ھ

(۶۶) سیاسة صلاح الدین ایوبی: درید عبدالقادر نوري' عراق جامعة بغداد "مطبعة الارشاد" ۱۹۷۶ء

(۶۷) سیرة عمر بن عبدالعزیز: عبدالرحمٰن بن علی ابن الجوزي' القاهرة "م. ن" س. ن

(۶۸) سیرة عمر بن عبدالعزیز: ابن عبدالحکم عبداللّٰہ' بیروت' "دارالفکر" ۱۳۸۷ھ

"ش"

(۶۹) شذرات الذهب: عبدالحیئ ابن العمادالحنبلی' القاهره "مکتبة القدسی" ۱۳۵۰ھ

(۷۰) شرح المعلقات السبع: ابو عبداللّٰہ الزوزفي' القاهره "مصطفی البابی الحلبی" ۱۳۷۹ھ

(۷۱) شرح مواهب اللّدنیة: محمد بن عبدالباقی الزرقانی' القاهرة' "المطبعة الازهریة" س. ن

(۷۲) شرائع الاسلام في الفقه الاسلامی الجعفری: الحلی جعفر بن حسن بن ابی زکریا بن سعیدالهذلی' بیروت' "دارمکتبة الاحیاء" ۱۹۷۸ء

(۷۳) الشرائع العراقية القديمية: فوزی رشید' بغداد' "وزارة الاعلام الجمهورية العراقيه" س. ن

(۷۴) شرح معانی الآثار: امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی' لاهور' "مطبع مجتبائی" ۱۴۱۴ھ

"ص"

(۷۵) صبح الأعشى في صناعة الانشاء: احمد بن علی القلقشندی' بیروت' "دارالفکر" ۱۹۸۷ء

(۷۶) الصحيح المسلم بشرح النووی: امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری النیشابوری' بیروت "داراحیاء التراث العربی" س. ن

(۷۷) الصحيح ابن حبان: امام ابن حبان' المدينة المنورة' "المكتبة السلفية" ۱۳۹۰ھ

"ط"

(۷۸) الطبقات الكبرى: محمد' بن سعد' بیروت' "دارصادر" ۱۳۸۸ھ

(۷۹) الطرق الحكمية في السياسة الشريعة: شمس الدين محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیة' قاهره "مطبع السنة المحمدية" ۱۹۵۳ء

"ع"

(۸۰) عبقرية الاسلام في عهدالحكم: دکتور منیر العجلانی' "جامعة دمشق" س. ن

(۸۱) عجائب الاسفار: ابو عبدالله محمد ابن بطوطه' قاهره "م. ن" ۱۳۲۲ھ

(۸۲) العدّة شرح العمدة: بهاء الدين عبدالرحمن بن ابراهيم المقدسی' بیروت' "المكتبة العلية" س. ن

(۸۳) العلم باشارات اصل الالهام: ابن العربی' حیدر آباد دکن' ۱۳۶۲ھ
(۸۴) عمدة القاری : العلامة بدر الدین محمود بن أحمد العینی' مصر' "ادارة الطباعة المنیریة" ۱۳۴۸ھ
(۸۵) عیون الازهار فی فقه الأئمة الأطهار: مهدی احمد بن یحییٰ المرتضیٰ' بیروت' "دار الکتاب اللبنانی"

"ف"

(۸۶) الفاروق عمر: محمد حسین هیکل' قاهره "م. ن" ۱۳۶۴ھ
(۸۷) فتح الباری : الحافظ ابن حجر العسقلانی' لاهور "دار نشر الکتب الاسلامیة" ۱۴۰۱ھ
(۸۸) فتاویٰ عالمگیری: شیخ نظام و جماعة من العلماء' کوئٹه "مکتبه رشیدیة"
(۸۹) فتح القدیر : کمال الدین محمد ابن الهمام' القاهره' المطبعة الامیریة" ۱۳۱۵ء
(۹۰) فتوح البلدان: احمد بن یحییٰ جابر البلاذری' کراچی "نفیس اکیڈمی" ۱۹۸۶ء
(۹۱) فجر الاسلام: أحمد أمین' قاهره "مکتبة النهضة المصریة" ۱۹۶۵ء
(۹۲) الفقه علی مذاهب الاربعة : عبدالرحمٰن الجزری' بغداد "دار المامون" س. ن
(۹۳) الفقه الاکبر: امام ابو حنیفة نعمان بن ثابت' قاهره "م. ن" ۱۳۴۴ھ
(۹۴) الفقه الاسلامی وادلته : دکتور وهبة الزحیلی' بیروت "دار الفکر" س. ن
(۹۵) فقه ابوبکر: محمد رواس قلعجی' لاهور' "اداره معارف اسلامی" ۱۹۸۹ء
(۹۶) فقه عمر: محمد رواس قلعجی' لاهور "اداره معارف اسلامی" ۱۹۹۰ء
(۹۷) فی اصول النظام الجنائی الاسلامی : محمد سلیم العوا' القاهره'

"دارالمعارف" ۱۹۸۳ء

(۹۸) فی تحقیق ماللهند: ابوالریحان محمد بن احمد البیرونی' الهند' دکن "دائرة المعارف العثمانية" س. ن

(۹۹) فی التشریع الاسلامی: احمد خلیل' قاهره' "م. ن" ۱۹۶۶ء

"ق"

(۱۰۰) قاموس الکتاب المقدس: عبدالملک بطرس' جون الکساندرطمسن' ابراهیم مطر' بیروت' "مجمع الکنائس فی الشرق الادنی" ۱۹۷۱ء

(۱۰۱) القانون الجنائی السودانی: الدکتورالطیب زین الدین' "الجامعة الاسلامية اسلام آباد" ۱۴۱۲ھ

(۱۰۲) القانون الجنائی: علی راشد' القاهره' "م. ن" ۱۹۷۳ء

(۱۰۳) القاموس المحیط: الفیروزآباد' مصر "المطبعة الحسينية" ۱۹۱۳ء

(۱۰۴) القضاة والقضاء: محمد شهیرارسلان' بیروت' "دارالارشاد" ۱۹۶۹ء

(۱۰۵) قاضاة دمشق: شمس الدین ابن طولون' دمشق' "المجمع العلمی العربی" ۱۹۵۶ء

(۱۰۶) قطرالمحیط: بطرس البستانی' بیروت "مکتبة لبنان ساحة ریاض الصلح" س. ن

(۱۰۷) قوانین الاحکام الشرعیة و مسائل الفروع الفقهیة: محمد بن احمد ابن جزی' "دارالعلم للملایین" ۱۹۶۸ء

"ک"

(۱۰۸) الکامل لابن اثیر: ابوالحسن علی بن ابوالکرم محمد بن محمد ابن اثیر جزری' بیروت "دارصادر" ۱۹۶۵ء

(۱۰۹) کتاب الآثار: محمد بن حسن الشیبانی' کراچی "ادارۃ القرآن" س. ن

(۱۱۰) کتاب الاموال: ابوعبید قاسم بن سلام' بیروت' دارصادر

(۱۱۱) کتاب الخراج: قاضی ابو یوسف' مصر' مکتبۃ الازھرہ'

(۱۱۲) کشف الظنون: مصطفی بن عبداللہ خلیفہ' استنبول' ۱۹۴۳ء

(۱۱۳) کشاف اصطلاحات الفنون: محمد اعلی بن علی تھانوی' کلکتہ' ایشاٹک سوسائٹی آف بنگال ۱۸۹۲ء

(۱۱۴) کنز العمال: علاء الدین المتقی الھندی: بیروت "مؤسسۃ الرسالۃ" ۱۹۸۹ء

"ل"

(۱۱۵) لسان العرب: ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی المصري' قم ایران "نشر ادب الحوزۃ"

"م"

(۱۱۶) مآثر الاجراد: منظور الحق صدیقی' لاھور' "مکتبۃ السلقیۃ" ۱۹۶۴ء

(۱۱۷) المبسوط: شمس الدین محمد بن احمد السرخسی' بیروت "دارالمعرفۃ" ۱۳۹۸ھ

(۱۱۸) محاضرات فی تاریخ الامم الاسلامیۃ: محمد الخضری بک' بیروت "دارالمعرفۃ" ۱۳۷۶ھ

(۱۱۹) المحلّٰی: علی بن احمد الاندلسی ابن حزم' بیروت "دارالاتفاق الجدیدۃ" س. ن

(۱۲۰) المدینۃ المنورۃ و اول بلدیہ فی بلادالاسلام: صدقہ حسن خاشقجی/محمد عبدالجابل الفر' مدینہ منورۃ' وزارۃ الشئون البلدیۃ والقرویۃ" س. ن

(۱۲۱) مدخل إلیٰ السیاسة: ڈاکٹر جمال الدین اتاسی' دمشق. م. ن
(۱۲۲) مروج الذهب و معدن الجواهر: ابوالحسن علی بن الحسین' قاهره' ۱۳۴۶ھ
(۱۲۳) مسند احمد بن حنبل: امام احمد بن حنبل' بیروت "مکتب الاسلامی" ۱۳۹۸ھ
(۱۲۴) مصنف ابن شیبة: ابوبکر عبداللّٰه بن محمد ابن ابي تسیة' کراچی "ادارة القرآن" ۱۹۸۵ء
(۱۲۵) مصنف عبدالرزاق: عبدالرزاق ابوبکر ابن همام الضعانی کراچی "مجلس علمی" ۱۳۹۲ھ
(۱۲۶) معالم القربة في احکام الحسبة: ابن الاخوة محمد' بن محمد بن احمد القرشی الشافعی (مع انگریزی تلخیص از R.Levy) قاهرة ۱۹۳۸ء
(۱۲۷) المعجم الوسیط: مؤلفین' ابراهیم مصطفی' احمد حسن الزیات' حامد عبدالقادر' محمد علي النجار' تهران "المکتبة العلمیة"
(۱۲۸) المعجم البلدان: شهاب الدین ابوعبداللّٰه بن عبداللّٰه یاقوت حموي بیروت "داراحیاء التراث العربي" ۱۳۹۹
(۱۲۹) معدن الجواهر بتاریخ البصرة والجزائر: نعمان بن محمد العراق اسلام آباد "مجمع البحوث الاسلامیة" ۱۹۷۳
(۱۳۰) معین الاحکام فیمایتر ددبین الخصمین من الاحکام: علاء الدین طرابلسی مصر "مطبعة میمنة" ۱۳۱۰ھ
(۱۳۱) المغنی: موفق الدین ابن قدامة حنبلی' بیروت "دارالفکر" ۱۴۰۵ھ
(۱۳۲) المفردات: حسین بن محمد راغب الاصفهانی' ایران "المکتبة المرتضویة" ۱۳۴۲ھ
(۱۳۳) المقدمة ابن خلدون: علامه ابن خلدون' مصر "مکتبة التجاریة"
(۱۳۴) المنجد: لوئیس معلوف' بیروت' "المطبعة الکاتولیکیة" ۱۹۵۶ء

(۱۳۵) الموسوعة الجنائية : جندي عبدالملک بک' بیروت "داراحیاء التراث العربي" ۱۹۴۲ء

(۱۳۶) الموطاء امام مالک : ابوعبداللّٰہ امام مالک ابن انس بن مالک' لاهور "اسلامی اکادمی" ۱۴۰۲ھ

(۱۳۷) الموطاء امام محمد: امام محمد بن حسن الشیبانی' لاهور "مسلم اکادمی" ۱۹۸۵ء

"ن"

(۱۳۸) نصاب الاحتساب: قاضی ضیاء الدین السنامی المحتسب البغدادی مخطوطه دانشگاه پنجاب لاهور

(۱۳۹) النظام القضائی في بغداد في العصر العباسی : عبدالرزاق علی الانباری العراق' مطبعة النعمان النجف الاشرف' ۱۹۷۵ء

(۱۴۰) النهاية في غريب الحديث والأثر : مجدالدین ابی السعادات المبارک بن محمد الجزری المعروف بابن الاثیر' قاهره "مصطفی البابی الحلبی" ۱۳۰۰ھ

(۱۴۱) نهاية الرتبة في احكام الحسبة: عبدالرحمٰن بن نصر الشیرزی' قاهره "۱۹۴۶ء"

"و"

(۱۴۲) الولاة وكتاب القضاء : جلال الدین سیوطی' بیروت' دارصادر' ۱۹۰۸ء

اردو کتابیات

.....الف.....

(۱۴۳) اخلاق محسنی: واعظ ملا کاشفی، بمبئی "طبع میرزا ابراہیم تاجر شیرازی" ۱۸۹۲ء

(۱۴۴) اسلام کا نظام حکومت: حامد الانصاری غازی، لاہور "مکتبہ عالیہ" ۱۹۸۷ء

(۱۴۵) اسلام کا نظام امن: ظفیر الدین مفتاحی، اعظم گڑھ "انڈیا" م۔ن۔س۔ن

(۱۴۶) اسلامی ریاست: ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ

(۱۴۷) اسلامی نظام عدالت: تنزیل الرحمٰن، راولپنڈی "مطبوعات حرمت بینک"

(۱۴۸) اسلامی سیاست: گوھر الرحمٰن، مردان "دار العلوم تفہیم القرآن" ۱۹۸۱ء

(۱۴۹) اسلامی ریاست میں محتسب کا کردار: ڈاکٹر ایم ایس ناز، اسلام آباد "ادارہ تحقیقات اسلامی" ۱۹۹۹ء

(۱۵۰) اقضیۃ الرسول: محمد ضیاء الرحمٰن اعظمی، لاہور "ادارہ معارف اسلامی" ۱۹۷۸ء

.....ب.....

(۱۵۱) بیان اللسان: قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی، کراچی "دار الاشاعت" س۔ن

.....ت.....

(۱۵۲) تاریخ ابن خلدون: (مترجمہ از احمد حسین) کراچی "نفیس اکیڈمی" ۱۹۷۷ء

(۱۵۳) تاریخ طبری: ابوجعفر محمد بن جریر طبری: (اردو) کراچی "نفیس اکیڈمی" ۱۹۷۷ء

(۱۵۴) تاریخ اسلام: اکبر شاہ خان نجیب آبادی، کراچی "نفیس اکیڈمی" ۱۹۶۰ء

(۱۵۵) تاریخ فیروز شاہی: ضیاء الدین برنی (اردو ترجمہ ڈاکٹر سید معین الحق) لاہور "مرکزی اردو بورڈ" ۱۹۶۹ء

(۱۵۶) تفسیر عثمانی: علامہ شبیر احمد عثمانی، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ" ۱۹۹۵ء

(۱۵۷) تفسیر مظہری: قاضی ثناء اللہ پانی پتی، کوئٹہ "بلوچستان بک ڈپو" ۱۳۰۶ھ

(۱۵۸) تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات: علامہ ابوالحسن علی ندوی، کراچی "مجلس نشریات اسلام" ۱۹۸۸ء

.....ج.....

(۱۵۹) جرم وسزا کا اسلامی فلسفہ: جسٹس تنزیل الرحمٰن، راولپنڈی "مطبوعات حرمت" ۱۹۸۲ء

(۱۶۰) جرم وسزا تاریخ کے آئینے میں: عابد حسین، مقالہ ایل ایل ایم ۱۹۹۳ء

.....ح.....

(۱۶۱) حجۃ اللہ البالغۃ: (مترجمہ اردو) شاہ ولی اللہ، لاہور "المکتبۃ السلفیۃ" ۱۹۷۵ء

(۱۶۲) حضرت عثمانؓ کے سرکاری خطوط: خورشید احمد فاروق، کراچی "محمد علی کارخانہ کتب اسلامی"

(۱۶۳) حقوق العباد: اوصاف علی، ملتان "مکتبہ امدادیہ" ۱۹۸۹ء

(۱۶۴) حقوق انسانی پر طائرانہ نظر: عبدالستار بھٹو، کراچی "ماڈرن پبلی کیشنز" ۱۹۸۸ء

(۱۶۵) حیات محمد ﷺ: محمد حسین ہیکل (مترجم ابویحییٰ امام خان) لاہور "ادارہ ثقافت اسلامیہ" ۱۹۹۶ء

.....خ.....

(۱۶۶) خلافت ہسپانیہ: انتظام اللہ شہابی دہلی "ندوۃ المصنفین" ۱۹۶۲ء

(۱۶۷) خلافت اندلس: ذوالفقار جنگ بہادر، حیدرآباد دکن "دار الطبع سرکار عالی" ۱۹۰۴ء

(۱۶۸) خلافت امویہ اور ہندوستان: قاضی اظہر مبارکپوری، سکھر "فکر و نظر پبلی کیشنز، سندھ اسلامک سینٹر" ۱۹۸۶ء
(۱۶۹) خلافت عباسیہ ہندوستان میں: قاضی اظہر مبارکپوری، سکھر "فکر و نظر پبلی کیشنز، سندھ اسلامک سینٹر" ۱۹۸۶ء

.....د.....

(۱۷۰) دائرہ معارف اسلامیہ: لاہور "دانشگاہ پنجاب" ۱۹۷۳ء
(۱۷۱) دستور العلماء: عبدالنبی احمد نگری، حیدر آباد دکن "الہند" ۱۳۲۹
(۱۷۲) دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور: ڈاکٹر محمد حمید اللہ، حیدر آباد دکن ۱۹۴۳ء
(۱۷۳) دولت عثمانیہ: محمد عزیز، معارف پریس، اعظم گڑھ انڈیا س۔ن
(۱۷۴) دولت مغلیہ کی ہیئت مرکزی: ابن حسن، لاہور "مجلس ترقی ادب" ۱۹۵۸ء
(۱۷۵) دین رحمت: شاہ معین الدین ندوی "اعظم گڑھ انڈیا" ۱۹۶۷ء

.....ذ.....

(۱۷۶) ذکر رسول ﷺ: عبدالماجد دریا آباد، لاہور "مکتبہ تعمیر انسانیت" ۱۹۸۸ء

.....ر.....

(۱۷۷) رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی: ڈاکٹر محمد حمید اللہ، کراچی "دارالاشاعت" ۱۹۸۷ء
(۱۷۸) رسوم جاہلیت: نجم الدین سیوہاروی، لاہور "مکتبہ رشیدیہ" ۱۹۸۸ء
(۱۷۹) رسوم اقوام: علی عباس جلال پوری، جہلم "م۔ن" ۱۹۹۳ء
(۱۸۰) روایات تمدن اقوام: علی عباس جلال پوری، جہلم "م۔ن" ۱۹۹۱ء

.....س.....

(۱۸۱) سیرۃ المصطفیٰ: مولانا محمد ادریس کاندھلوی، لاہور "مکتبہ عثمانیہ" ۱۹۹۲ء
(۱۸۲) سیرۃ النبی ﷺ: علامہ شبلی نعمانی، لاہور "مکتبہ مدینہ" ۱۹۸۸ء
(۱۸۳) سیر الصحابہؓ: معین الدین ندوی، لاہور "ادارہ اسلامیات" ۱۹۸۷ء

.....ش.....

(۱۸۴) شاہ ولی کے مکتوبات: خلیق احمد نظامی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ۱۹۳۴ء
(۱۸۵) شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا: قاسم محمود، کراچی "شاہکار بک فاؤنڈیشن" ۱۹۸۴ء

.....ض.....

(۱۸۶) ضیاء النبیؐ: پیر محمد کرم شاہ ازہری، لاہور "ضیاء القرآن پبلی کیشنز" ۱۴۱۳ھ

.....ط.....

(۱۸۷) طبقات ابن سعد: محمد بن سعد، (اردو ترجمہ) کراچی "نفیس اکیڈمی" ۱۹۸۱ء

.....ع.....

(۱۸۸) عجائب الاسفار: ابوعبداللہ محمد ابن بطوطہ، (مترجمہ مولوی محمد حسین) اسلام آباد "ادارہ قومی تاریخ و ثقافت" ۱۹۸۳ء
(۱۸۹) علمی اردو لغت: مرزا مقبول بیگ بدخشانی، لاہور "مرکزی اردو بورڈ" ۱۹۶۹ء
(۱۹۰) عہد نبوی میں نظام حکمرانی: ڈاکٹر محمد حمید اللہ، کراچی "اردو اکیڈمی" ۱۹۸۷ء
(۱۹۱) عہد قدیم مشرق و مغرب: سید سراج الاسلام، کراچی "اورینٹ پبلشرز" ۱۹۵۹ء

(۱۹۲) عہد اموی میں سیاسی و مذہبی احزاب: مترجمہ از علی محسن صدیقی، کراچی "قرطاس" ۲۰۰۱ء

.....غ.....

(۱۹۳) غلامان اسلام: سعید احمد اکبر آباد، لاہور "مکہ بکس" ۱۹۸۲ء

(۱۹۴) غیر مسلم مشاہیر عالم اور محاسن اسلام: ابو محمد امام الدین، کراچی "صدیقی ٹرسٹ" س۔ن

.....ف.....

(۱۹۵) الفاروق: علامہ شبلی نعمانی، کراچی "مدینہ پبلشنگ کمپنی" س۔ن

(۱۹۶) فتوح السلاطین: آغا مہدی حسن، آگرہ "م۔ن" ۱۹۳۸ء

(۱۹۷) فیروز اللغات: مولوی فیروز الدین، لاہور "فیروز سنز" ۱۹۶۴ء

.....ق.....

(۱۹۸) قاضی عدالت ہائے شریعہ: محمد بن محمد عرنوس (مترجمہ از حمر احمد پانی پتی) لاہور "ادارہ فروغ اردو" ۱۹۶۰ء

(۱۹۹) قدیم مسلمان قاضیوں کا بے لاگ عدل اور حکمرانوں کے خلاف فیصلے: سید طارق، سید عبدالصبور، لاہور "البدر پبلیکیشنز" ۱۹۸۷ء

(۲۰۰) قوانین اسلامی ممالک: عبدالقیوم جالندھری، لائلپور "مکتبہ فکر و عمل" ۱۹۵۸ء

(۲۰۱) قوانین شریعت: ثناء اللہ غوری، کراچی "المحمود پبلیشرز" ۱۹۸۷ء

.....ک.....

(۲۰۲) کتاب الاموال: (اردو) ابو عبید قاسم بن سلام، اسلام آباد "ادارہ تحقیقات اسلامی"

(۲۰۳) کلیات اقبال: علامہ اقبال، لاہور "شیخ غلام علی اینڈ سنز" ۱۹۸۲ء

.....م.....

(۲۰۴) ماہنامہ جرائد الاشراف: سیرت نمبر "جامعہ کراچی"، کراچی

(۲۰۵) مجلۃ الاحکام: عبدالقدوس ہاشمی، کراچی "انٹرنیشنل پریس" ۱۹۶۶ء

(۲۰۶) محتسب اسلام: ڈاکٹر مصطفیٰ حسن علوی، لکھنو۔س۔ن قرانستان۔

(۲۰۷) مسلمانوں کا نظم مملکت: حسن ابراہیم حسن (مترجمہ از مولوی علیم اللہ) کراچی "دارالاشاعت" س۔ن

(۲۰۸) مسلمانوں کے سیاسی افکار و ادارے: ایس۔ایم شاہد، لاہور "اردو بازار"

(۲۰۹) معارف القرآن: مفتی محمد شفیع، کراچی "ادارۃ المعارف" ۱۹۹۰ء

(۲۱۰) المعجم الاعظم: محمد حسن الاعظمی، کراچی "مکتبہ اعظمیہ" ۱۹۵۴ء

(۲۱۱) منتخب مختار الکونین: مترجم عبدالرحیم، لاہور "مکتبہ آزاد" ۱۹۱۴ء

(۲۱۲) منہاج: سید محمد متین ہاشمی، لاہور "مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری" ۱۹۸۷ء

.....ن.....

(۲۱۳) النجم الثاقب فی اقضیۃ علی بن ابی طالب: محمد عبداللہ نورالدین، لاہور "جہانگیر بک ڈپو" ۱۳۶۰ھ

(۲۱۴) نوراللغات: مولوی نورالحسن نیر کاکوری، کراچی "جنرل پبلیشنگ ہاؤس" ۱۹۵۷ء

.....ہ.....

(۲۱۵) ہفت زبانی لغات: اشفاق احمد/محمد اکرم چغتائی/فضل قادر فضلی، لاہور "مرکزی اردو بورڈ" ۱۹۷۴ء

Bibliography

1. A.M. Coichon. Encyclopaedia of Islam Luzac and co London, 1986.
2. Amir Ali, Sayed: A shart History of the saraceks" London, 1921.
3. Arnald, Prof. Thomas: "The preaching of Islam" 3rd ed. London 1935.
4. Bliss A.J; A Dictionary of foreign works and Phrases, London 1968.
5. Fallon, S.W; A Hindustani - English Law andCammercial Dictonary, London 1879.
6. Hans Wehr; A Dictionary of Modern Written Arabic, New York 1976, Spoken Language Service.
7. Muhammad ullah; Administration of justice of Muslim Law, Allahabad 1926.
8. Patrick Hughes Thomas; A Dictionary of Islam, Lahore 1964.
9. Platts. T. John; A Dictionary of Urdu Classical Hindi and English, London1960.
10. Qurashi, Ishtiq Hussain; Administration of Sultanate of Delhi, London 1942.
11. Rosenthal Frauz (Translator) Muqaddimah, Princeton 1958.
12. Schacht Joseph; An Introduction to Islamic Law, Oxford 1982.
13. Steigass. F; Persian English Dicionary, London 1957, Routlege and Kegan Paul Ltd.
14. Stephan and Nandy Ronart; Concise Encyclopeadia of Arabic Civilization, Amsterdam 1966.
15. Waring. E. Scott; A Tour to Sheeraz, London 1807.

یہ جاننے کے لئے کہ اسلام اور مسلمانوں نے ہزار ہا برس تک کتنے سیاسی تدبر کے ساتھ دنیا میں خلافت کو تھامے رکھا اور کس طرح دنیا کو فلاح و بہبود کی راہ پر گامزن کیا۔ اس کتاب میں اسلامی دور اور مسلمانوں کے دور کا تعین اس طرح کیا گیا۔

''خلافت الٰہی''۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور ۵۷۱ء سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک اس عرصہ میں اسلام کی حکم برداری کے قوانین، حاکمیت کے اصول اور حکومت کے طرز سے دنیا متعارف ہوئی اور نظام حکومت، تحریری قانون اور عالمگیر صلاح و فلاح ربانی حکومت کی صورت ظہور پذیر ہوا۔

''خلافت محمدی دور اوّل'' حضرت ابوبکر صدیقؓ کا عہد حکومت ۶۳۲ء ۱۱ھ سے ۶۳۴ء ۱۳ھ تک

''خلافت محمدی دور دوم'' حضرت عمر فاروقؓ کا عہد خلافت ۶۳۴ء تا ۱۳ھ سے ۶۴۴ء ۲۴ھ تک

''خلافت محمدی دور سوم'' حضرت عثمان غنیؓ کا عہد خلافت ۶۴۴ء تا ۲۴ھ سے ۶۵۵ء ۳۵ھ تک

''خلافت محمدی دور چہارم'' حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا عہد خلافت ۶۵۵ء تا ۳۵ھ سے ۶۶۱ء ۴۱ھ تک

''خلافت بنی امیہ دمشق میں'' ۶۶۱ء ۴۱ھ تا ۷۵۰ء ۱۳۳ھ تک

''خلافت بنی امیہ اندلس میں'' ۷۵۶ء ۱۳۹ھ تا ۱۲۰۸ء ۶۰۵ھ تک

''خلافت فاطمیہ'' فاطمی شیعان علی کی حکومت مصر اور بربری ممالک میں ۲۹۷ھ سے ۵۶۷ھ تک

''خلافت عثمانیہ'' عثمانی ترکوں کی حکومت ۱۲۹۹ء سے ۱۹۱۸ء تک

ان ادوار میں اسلام کے سیاسی نظام، ادارۂ خلافت، ادارۂ قضاء، ادارۂ احتساب اور مسلمانوں کے چند دیگر اداروں کی تحقیق جس میں فوج، پولیس اور مالیات عامہ کی بابت تحقیق اور اصول شامل ہیں۔

E-mail: ishaat@pk.netsolir.com
ishaat@cyber.net.pk

مسلمانوں کے سیاسی ادارے چھٹی صدی ہجری تک
DIU-7427